INTERNATIONAL BESTSELLER

SOPHIE'S WORLD

سوفی کی دنیا

Jostein Gaarder

مصنف: جوسٹین گارڈر

ترجمہ: ابوالفرح ہمایوں

پہلے پہل یہ کتاب ناروجین (NORWEGIAN) زبان میں SOFIES VERDEN
کے عنوان سے شائع کی گئی۔ انگریزی ترجمہ PAULETTE MOLLER نے 1994ء
میں کیا۔ بعد میں کئی اور زبانوں میں اس کتاب کا ترجمہ کیا گیا۔

SOPHIE'S WORLD

سوفی کی دنیا

مصنف : جوسٹین گارڈر

ترجمہ اور تلخیص : ابوالفرح ہمایوں

City Book Point

Naveed Square, Urdu Bazar
Near Mu'jadus Masjid Karachi
Ph: 32762483 Cell: 03222820883
Email: citybookurdubazaar@gmail.com

Marfat.com

باذوق لوگوں کے لئے خوبصورت اور معیاری کتاب

بیباد

HASAN-DEEN

جملہ حقوق ترجمہ بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	:	سونی کی دنیا
مصنف	:	جوشین گارڈر
ترجمہ اور تلخیص	:	ابوالفرح ہمایوں
ناشر	:	سٹی بک پوائنٹ، کراچی
کمپوزنگ	:	شیراز گرافکس
مطبع	:	برکت اینڈ سنز
تعداد	:	500
اشاعت اول	:	2012ء
قیمت	:	350روپے

Marfat.com

اقرارنامہ

یہ کتاب جناب سری ڈانیوگ (SRI DANWEVIG) کی حوصلہ افزائی کے بغیر شاید مکمل نہ ہوسکتی۔ میں اُن کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ جناب مائگن امز (MAIKEN IMS) کا بھی بہت شکریہ، جنہوں نے اس کتاب کی قلمی تحریر پر بھرپور توجہ دی اور اپنے خیالات سے نوازا۔ میں جناب برگ ایرکسن (BERG ERIKSEN) کا بھی بے حد ممنون ہوں جن کی تجربہ کار اور نقادانہ نگاہوں نے کتاب میں مزید اصلاحات کیں۔

جوسٹین گارڈر

Marfat.com

مغربی فلسفے کی ایک جامع تصویر۔ایک چودہ سالہ لڑکی فلسفے کی تاریخ سے پردہ اٹھاتی ہے۔ یہ کتاب اُن نوجوانوں کے لئے بے حد کارآمد ثابت ہوگی جو فلسفے کی تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اُن کے لئے بھی جو بیشتر اسباق اور معلومات فراموش کر چکے ہیں۔

نیوز ویک

اس ناول کی سب سے قابل تعریف بات سیدھا سادا انداز بیان ہے۔ فلسفے جیسے خشک موضوع کو بالکل شاعرانہ انداز میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ہر بات بہ آسانی دل میں اتر جاتی ہے۔ فلسفے کی تاریخ پر مبنی یہ ناول فرانس میں پاگل پن کی حد تک مقبول ہوا ہے، اور آج پورے یورپ کا پسندیدہ ناول ہے۔

دی واشنگٹن پوسٹ بک ورلڈ

ایک انوکھی اور نادر کتاب۔ سقراط سے لے کر سارتر تک کے نظریات کا نچوڑ۔ ایک ایسی گولی جو شہد اور دودھ کے مرکب سے بنائی گئی ہے۔ ایک بار پڑھنا شروع کرنے کے بعد اس کو آسانی سے ایک طرف ڈال دینا آپ کے بس کی بات نہیں۔

نیویارک نیوز ڈے

Marfat.com

باغ عدن

سوفی آمون سین اسکول سے گھر واپس آ رہی تھی۔ جوانا کے ہمراہ اس نے اپنے سفر کا ابھی صرف ایک حصہ طے کیا تھا۔ راستے بھر دونوں روبوٹ کے بارے میں باتیں کرتی رہیں۔ جوانا کا خیال تھا کہ انسانی دماغ ترقی یافتہ کمپوٹر کی مانند ہے۔ لیکن سوفی اس خیال سے متفق نہ تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ انسان کوئی آہنی پرزہ نہیں ہے۔

سپر مارکیٹ کے قریب پہنچ کر دونوں کے راستے جدا ہو گئے اور وہ اپنے اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئیں۔ سوفی ایک ایسے مضافاتی علاقے میں رہتی تھی جہاں ایک جنگل سا تھا اور بے شمار درخت اُدھر اُدھر پھیلے ہوئے تھے۔ جب کہ جوانا سپر مارکیٹ سے چند قدم کے فاصلے پر ہی رہائش پذیر تھی۔ سوفی کے گھر کے آگے ایک باغ تھا اور اس کے آگے کچھ بھی نہ تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ یہ دنیا کا آخری کونا ہے۔

اس نے کلوور کلوز کا موڑ کاٹا۔ یہ سڑک جہاں ختم ہوتی تھی، وہاں ایک زبردست اور اچانک موڑ آ جاتا تھا جو کہ کپتان کا موڑ کہلاتا تھا۔ مسافر اس راستے پر جانے سے کتراتے تھے سوائے چھٹی کے دنوں میں۔

یہ ماہ مئی کا آغاز تھا۔ باغوں میں کہیں کہیں پھلوں کے درختوں کو نرگسی پھولوں نے اپنے حلقے میں چھپا لیا تھا۔ برچ کی پتلی پتلی ٹہنیوں پر ہلکے سبز پتے آ گئے تھے۔

یہ وہ موسم ہوتا ہے جب ہر چیز پر بہار آ جاتی ہے۔ اور کلیاں کھل اٹھتی ہیں۔ مردہ زمین اچانک جاگ اٹھتی ہے اور دنیا پر اپنے خزانے لٹانے لگتی ہے۔ برف پگھل چکی ہوتی ہے اور حرارت کی تپش ہر چیز کو تازہ دم کر دیتی ہے۔

Marfat.com

سوفی نے اپنے باغ کا دروازہ وا کیا اور اپنے ڈاک کے بکس کو دیکھا۔ حسب معمول اس میں فضول اور بے کار کاغذات بھرے ہوئے تھے۔ چند ایک بڑے لفافے اس کی ماں کے لیے تھے۔ جو اس نے باورچی خانے میں جا کر رکھ دیئے اور اپنے کمرے میں جا کر اسکول کا ہوم ورک کرنے لگی۔ کبھی کبھی بینک سے بھی خطوط آجایا کرتے تھے جو کہ اس کے والد کے لئے ہوتے تھے۔ سوفی کا باپ ایک بہت بڑے آئل ٹینکر کا کپتان تھا اور سال کا بیشتر حصہ باہر ہی رہا کرتا۔ چند ہفتے جو وہ گھر میں گزارتا، اپنے آپ کو گھر کے مختلف کاموں میں مصروف رکھتا اور پوری کوشش کرتا کہ گھر کے افراد کو ہر طرح آرام پہنچا سکے۔ لیکن جب سمندر میں ہوتا تو بالکل بے حس اور سرد مہر بن جاتا۔

ڈاک کے بکس میں سوفی کیلئے صرف ایک خط تھا۔ سفید لفافے کے اوپر ''سوفی آمنڈ سین۔ 3 کلوورکلوز'' لکھا ہوا تھا۔ بھیجنے والے کا کوئی نام پتہ نہ تھا۔ اس پر کوئی ٹکٹ بھی نہیں تھی جس سے پتہ چلتا کہ یہ کہاں سے آیا ہے۔ گویا یہ لفافہ کوئی دستی طور پر ڈال گیا تھا۔ سوفی نے دروازہ بند کر کے لفافہ کھولا۔ لفافے میں ایک مختصر سی چٹ تھی اور اس پر ایک جملہ لکھا ہوا تھا۔ وہ جملہ تھا ''تم کون ہو؟''

یہ تین الفاظ ہاتھ سے لکھے گئے تھے لیکن اس کے اندر جو کٹھن اور پیچیدہ سوال درج تھا وہ بے حد گہرائی کا حامل تھا۔

اس نے لفافے کا بغور جائزہ لیا اور اس پر لکھے ہوئے پتے کو بغور دیکھا۔ یقیناً یہ لفافہ اسی کے نام تھا۔ یہ کس نے بھیجا ہے اور کون یہاں ڈال گیا؟ بے شمار سوالات اس کے ذہن میں کلبلا رہے تھے۔ سوفی واپسی کے لئے مڑی ہی تھی کہ اچانک اس کی محبوب بلی شیر یکان نے جھاڑیوں میں سے ایک چھلانگ لگائی اور اس کے قدموں میں لوٹنے لگی۔

جب کبھی سوفی کی ماں کو غصہ چڑھ جاتا تو وہ اپنے اچھے بھلے گھر کو چڑیا گھر سے تشبیہ دینے لگتی۔ سوفی اپنی ماں کے اس انداز تکلم سے خوب لطف اندوز ہوا کرتی۔ یہ تھی بھی ایک حقیقت کہ گھر میں طرح طرح کے چرند اور پرند موجود تھے۔ تین عدد سنہری مچھلیاں، جن کے نام اس نے رکھے ہوئے تھے، گولڈ ٹاپ، ریڈ رائڈنگ ہڈ اور بلیک جیک دو آسٹریلین طوطے، اسمتھ اور سموئل نام کے۔ اس کے بعد ایک سبز کچھوا جو گووندا کہلاتا تھا۔ آخری جانور نارنجی رنگ کی بلی،

Marfat.com

شیر پکان۔سوفی کی ماں ان رنگ برنگے پرندوں اور جانوروں سے عاجز تھی۔لہٰذا جب وہ کام پر باہر جاتی تو جان بوجھ کر رات ہونے سے قبل واپس نہ آتی۔اور باپ تو پہلے ہی دنیا کے گرد چکر لگا رہا ہوتا۔

سوفی نے اپنا اسکول بیگ فرش پر پھیلا لیا اور شیر یکان کے کھانے کا بندوبست کرنے لگی۔ اس کے بعد اس نے وہ پراسرار خط نکالا اور باورچی خانے کے اسٹول پر بیٹھ کر خط کے مندرجات پر غور کرنے لگی۔

''تم کون ہو؟''

وہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں جانتی تھی کہ اس کا نام سوفی آمنڈسین ہے، اور بس۔ اس کے آگے اسے کچھ معلوم نہیں تھا۔اگر اس کا کوئی اور نام ہوتا تو کیا ہوتا؟ مثلاً اینی کٹ سین ہوتا تو کیا اس کی شخصیت کچھ اور ہوتی؟ اچانک اسے یاد آیا کہ اس کا باپ اس کا نام لل مور رکھنا چاہتا تھا۔سوفی نے اپنے دونوں ہاتھوں کو ایک دوسرے میں پھنسا کر ذہن پر زور ڈالا اور اپنے آپ کو لل مور آمنڈسین کے طور پر شناخت کرنے ی کوشش کرنے لگی، مگر یہ نام اسے کچھ اجنبی اجنبی سا لگا۔

وہ یکدم اٹھی اور خط ہاتھ میں لے کر باتھ روم میں گھس گئی۔آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اُس نے خود اپنی آنکھوں میں جھانکا۔

''میں سوفی آمنڈسین ہوں۔''اس نے کہا۔

لیکن آئینے والی لڑکی سوفی کی طرح بس تھوڑا سا ہل جل کر رہ گئی۔سوفی جو کچھ کر رہی تھی، وہ لڑکی بھی ویسا ہی کر رہی تھی۔سوفی نے کچھ عجیب وغریب حرکتیں کر کے اس لڑکی کو تھوڑا پریشان کرنے کی کوشش کی لیکن وہ لڑکی تو بڑی تیز طرار تھی۔وہ بھی سوفی جیسی ہی حرکتیں کرنے لگی۔

''تم کون ہو؟''سوفی نے پوچھا۔

اسے کوئی جواب موصول نہیں ہوا، لیکن وہ کسی حد تک تردد کا شکار ضرور ہو گئی کہ کیا یہ وہی تھی یا اس کا عکس جس نے یہ سوال پوچھا تھا۔

سوفی نے شہادت کی انگلی سے آئینے میں اپنی ناک کو دبایا اور بولی۔

''تم، میں ہو۔'' جب اسے اس سوال کا جواب نہ ملا تو اس نے فوراً پینترا بدلا۔''میں تم ہوں''۔

Marfat.com

سوفی آمنڈسین اکثر اپنے انداز سے غیر مطمئن رہا کرتی تھی۔اس کولوگ کہا کرتے تھے کہ تم بے حد خوبصورت ہواور تمہاری آنکھیں بادام کی طرح ہیں۔لیکن وہ جانتی تھی کہ لوگ اسے بیوقوف بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔اسے اندازہ تھا کہ اس کی ناک کافی چھوٹی اور دہانہ بہت بڑا ہے،اوراس کے کان اس کی آنکھوں میں گھسے جارہے ہیں۔سب سے بے ہنگم چیز اس کے بال تھے جو کہ بالکل سیدھے اور سپاٹ تھے،جس کی وجہ سے وہ کوئی کام توجہ سے نہیں کر پاتی تھی۔بعض اوقات تو خوداس کا باپ بھی مذاق اڑاتا''بھورے بالوں والی لڑکی۔''اور پھر کلاوڈ ڈبوسی کی موسیقی میں کھو جاتا۔اسے اس بات کی کوئی پروانہ ہوتی کہ ایک معمولی سے مذاق نے ایک نازک سی لڑکی کے جذبات کو کس قدر شدید ٹھیس پہنچائی ہے۔

کبھی کبھی وہ سوچتی،کیا وہ بہت ہی بدصورت ہے؟ کیا اس میں کوئی پیدائشی نقص رہ گیا ہے کہ اس کی ماں شدید محنت کرتی تھی لیکن کیا ایسا ممکن ہے کہ اس کی محنت مشقت کا منفی اثر اس کی اولاد پر پڑ گیا ہو۔

یہ بات اسے اور بھی پریشان کررہی تھی کہ اسے اپنے بارے میں کچھ بھی معلوم نہ تھا۔اور یہ بھی نامناسب تھا کہ کوئی اسے سمجھاتا کہ وہ کیسی لگتی ہے۔اسے اپنی شخصیت خود اپنے آپ پر بوجھ محسوس ہونے لگی۔اسے اپنے دوستوں کے انتخاب کا حق ضرور تھا لیکن وہ اپنے آپ پر کوئی اختیار نہیں رکھتی تھی۔یہاں تک کہ اسے اپنے آپ کو انسان سمجھنے کا بھی حق نہ تھا۔

انسان کیا ہوتا ہے؟

سوفی نے آئینے والی لڑکی کو بغور دیکھا۔''میرا خیال ہے مجھے اپنے کمرے میں جا کر اپنا علم حیاتیات والا ہوم ورک مکمل کر لینا چاہیئے۔اس نے اپنے آپ سے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔ایک بار وہ باہر ہال میں کھڑی تھی کہ اچانک وہ''کیٹی کیٹی کیٹی''چلاتی ہوئی باہر بھاگ کھڑی ہوئی اور بلی باغیچے سے پکڑ کر اندر لے آئی اور دروازہ بند کر دیا۔

ایسا ہی ایک واقعہ اور ہوا۔وہ باہر سنگریزوں پر کھڑی تھی اور وہ پراسرار خط اس کے ہاتھوں میں تھا کہ اچانک ایک انوکھا خیال اس کے دل ودماغ پر چھا گیا۔اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ کوئی گڑیا ہے اور کسی نے جادو کے زور سے اس کے جسم میں جان ڈال دی ہے۔دنیا میں نمودار ہونے کا یہ ایک غیر معمولی واقعہ تھا۔وہ حیرت سے اپنے چاروں اطراف میں دیکھ رہی تھی اور

Marfat.com

ایک تحیر خیز مہم سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔

شیر یکان نے ایک ہلکی سی جست لگائی اور سنگریزوں پر سے ہوتی ہوئی گھنی جھاڑیوں میں گھس گئی۔ ایک زندہ اور متحرک بلی۔ جولانیوں اور جذبات سے بھرپور جسم، نرم نرم سفید بال اور بل کھاتی ہوئی دم۔ سوفی کے آس پاس ہی موجود تھی لیکن سوفی کو ذرا بھی خبر نہ ہوئی۔

سوفی ابھی اپنے ہی بارے میں سوچ رہی تھی کہ وہ زندہ بھی ہے یا نہیں؟ لیکن یہ سوچ بھی کارفرما تھی کہ اگر وہ زندہ تھی تو ہمیشہ نہیں رہے گی۔ ابھی میں اس دنیا میں موجود ہوں۔ اس نے سوچا، لیکن ایک نہ ایک دن تو مجھے جانا ہی ہے۔ کیا موت کے بعد بھی کوئی زندگی ہے؟ یہ ایک اور عجیب و غریب سوال تھا، ایک ایسا سوال جس سے بلی بالکل نابلد تھی۔

سوفی کی دادی کو انتقال کیے زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔ شاید چھ ماہ گزرے ہوں گے۔ مگر سوفی کے دل سے ان کی یاد بھلائی نہ جا سکی تھی۔ وہ ہر ہر لمحے انہیں اپنے سامنے پاتی اور تب زندگی کی حقیقت اس کی سمجھ میں آ جاتی۔ یہ زندگی کس قدر ناپائیدار ہے۔ کوئی ابھی ابھی جیتا جاگتا سامنے موجود تھا اور اگلے ہی لمحے وہ فنا کے گھاٹ اتر گیا۔

سوفی انہیں سنگریزوں پر گویا منجمد سی ہو گئی تھی اور سوچ رہی تھی۔ زندگی کیا ہے اور وہ بھی کب تک زندہ رہے گی۔ زندگی کیے ساتھ موت کا تصور کس قدر بھیانک تھا۔ لیکن اسے تصویر کا دونوں رخ دیکھنا تھا اور وہ ان تلخ حقائق پر مزید غور و فکر کرتی چلی گئی۔

زندگی کا تصور، موت کے بارے میں سوچے بغیر نامکمل ہے۔ اس کا ذہن سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ موت کا تصور کس قدر خوفناک ہے، جب کہ اس کے مقابلے میں اس بات پر خوش ہونا بھی ایک خوش خیالی ہے کہ زندگی رواں دواں ہے۔

سوفی کو وہ دن یاد آیا جب ڈاکٹر گرینی نے اسے بتایا کہ وہ بیمار ہے۔ ''میں نہیں جانتی کہ تمہاری اب تک کی زندگی خوشیوں سے کتنی بھرپور ہے۔ اور کب تک رہے گی۔''

کس قدر افسوس کی بات ہے کہ جب تک بیماری انہیں نہیں آن لیتی۔ لوگ یہ سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں کہ زندگی کتنی بڑی نعمت ہے۔ یا پھر انہیں ایسا ہی کوئی پراسرار خط موصول ہو جاتا ہے۔

یقیناً سوفی کا فرض بنتا تھا کہ دوبارہ اپنا میل بکس چیک کرے کہ اس معاملے سے متعلق کوئی اور خط تو نہیں آیا ہے؟ یہ خیال آتے ہیں وہ فوراً میل بکس کی طرف دوڑی۔ وہ یہ دیکھ کر حیرت

Marfat.com

زدہ رہ گئی کہ وہاں ایک اور سفید لفافہ موجود تھا، بالکل پہلے جیسا۔ لیکن جب اس نے پہلا لفافہ اٹھایا تھا تو میل بکس میں اور کچھ نہیں تھا۔ تو پھر اس کے دیکھتے ہی دیکھتے دوسرا لفافہ یہاں کون ڈال گیا؟ لفافے پر اس کا نام پتہ بھی لکھا ہوا تھا۔ بہر حال اس نے لفافہ کھولا، اور اس میں بھی پہلے ہی جیسا ایک مختصر کاغذ رکھا ہوا تھا۔ ''یہ دنیا کب اور کیسے پیدا ہوئی؟ خط لکھنے والے نے یہ نیا سوال پوچھا تھا۔

میں کیا جانوں؟ سوفی نے بڑبڑاتے ہوئے سوچا۔ یقیناً اس سوال کا جواب کسی کو بھی نہیں معلوم۔ مگر کیا یہ سوال اتنا ہی اہم ہے کہ اس کا جواب تلاش کیا جائے؟ پہلی بار اس کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ کیا اس سوال کا جواب جانے بغیر کسی کو اس دنیا میں نہیں آنا چاہیئے۔ اس پراسرار خط نے سوفی کو پریشان کر کے رکھ دیا اور فیصلہ کر لیا کہ اسے کسی پرسکون خلوت گاہ میں بیٹھ کر اس مسئلے پر غور کرنا ہوگا۔

یہ خلوت گاہ سوفی کی بہت ہی پوشیدہ جگہ تھی۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں وہ صرف اسی وقت جایا کرتی جب اسے زیادہ پریشان اور مشکل صورت حال کا سامنا ہوتا، وہ بہت زیادہ گھبرا جاتی یا کسی بات پر بے انتہا خوش ہوتی۔ اور آج بھی اسے کچھ ایسی ہی صورت حال درپیش تھی۔

یہ پناہ گاہ ایک بہت بڑے باغ میں واقع تھی۔ چاروں طرف مختلف النوع پھولوں کی قطاریں، پھلوں کے درخت اور بے ثمر جھاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ وہاں ایک وسیع اور کشادہ لان بھی تھا۔ یہ سرخ عمارت اس قدر دل آویز تھی کہ آدمی مبہوت ہو کر رہ جائے اور ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا رہے۔ گرینی کی یاد میں اس کے پردادا نے یہ خوبصورت باغ تعمیر کروایا تھا جب گرینی کے یہاں پہلی اولاد پیدا ہوئی تھی اور چند ہی ہفتوں بعد اس جہان فانی سے کوچ کر گئی۔ بچی کا نام میری رکھا گیا۔ اس کی تربت پر جو کتبہ نصب کیا گیا، اس پر لکھا تھا۔ ''ننھی میری ہمارے پاس خوشیوں کا پیغام لے کر آئی اور فوراً ہی داغ مفارقت دے کر چلی گئی''۔

باغ کے کنارے پر رس بھری کی بے شمار جھاڑیاں تھیں جہاں اتنے بے شمار پھل لگتے کہ ختم ہونے میں ہی نہ آتے۔ لیکن میری کی موت کے ساتھ ہی یہ سب جھاڑیاں بنجر ہو کر رہ گئیں اور پھر کبھی ان میں کچھ نہ پھل پھول سکا۔ گزشتہ بیس سالوں سے ان پر کوئی توجہ بھی نہیں دی گئی تھی اور یہ جھاڑیاں بے برگ و بار اِدھر اُدھر پھیلتی ہی چلی گئیں۔

Marfat.com

یہ جھاڑیاں اب مختلف جانوروں کا ٹھکانا اور شکارگاہ بن کر رہ گئی تھیں۔ جہاں ہر کوئی ایک دوسرے کی تاک میں لگا رہتا اور جہاں کہیں موقع ملتا، نوچ کھسوٹ کر کھانا شروع کر دیتا۔

جھاڑیوں سے گھرا ہوا یہ احاطہ سوفی کے لیے ایک خفیہ پناہ گاہ بنا ہوا تھا جہاں کسی کی توجہ نہیں جاتی تھی۔ یہاں ایک تنگ گزرگاہ یا سرنگ سی بن گئی تھی جس میں سے رینگ کر سوفی ایک ایسی سرزمین پر نکل آتی جو دنیا سے الگ ہی تھی۔

دونوں خطوط ہاتھوں میں سنبھال کر سوفی اسی پناہ گاہ میں جا گھسی۔ اسے یہ بات یاد کر کے بڑی ہنسی آتی کہ اس کے ماں باپ اسے پورے باغ میں تلاش کرتے رہتے اور سوفی اپنی پناہ گاہ میں بیٹھی ہوئی چھوٹے چھوٹے سوراخوں میں سے ان کی بے چینی کا نظارہ کرتی رہتی۔

سوفی کا خیال تھا کہ یہ پورا باغ صرف اسی کے لیے بنایا گیا ہے۔ بائبل میں جب بھی وہ باغ عدن کے بارے میں پڑھتی۔ اس کا یہ خیال اور بھی پختہ ہوتا جاتا کہ باغ عدن یہی ہے اور وہی اس کی صحیح حق دار ہے۔ یہی اس کی جنت ہے۔

یہ دنیا کب اور کیسے پیدا ہوئی؟

ایک موہوم سا خیال اس کے ذہن میں تھا۔ سوفی بس یہ جانتی تھی کہ زمین کائنات کا ایک مختصر ترین سیارہ ہے۔ مگر یہ کائنات کیا چیز ہے؟ کیوں، کیسے اور کب وجود میں آئی؟

یہ ممکن تھا کہ کائنات ازل سے قائم ہے۔ چنانچہ اس تردد میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی کہ یہ کہاں سے اور کیسے وجود میں آئی۔ لیکن یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کوئی ایسی چیز بھی ہو سکتی ہے جو خود بخود پیدا ہو گئی ہو؟ اور ازل سے موجود ہو، بلکہ شاید اس سے بھی پہلے سے؟ یہ سوال اس کے قلب و ذہن میں کچوکے مار رہا تھا۔ ہر وہ چیز جو عالم وجود میں آئی ہے۔ اس کا کوئی نہ کوئی تو آغاز ہوگا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ کائنات کا خالق بھی کوئی نہ کوئی موجود ہے۔ یہاں تک کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ کائنات کسی نہ کسی طور پر خود بخود پیدا ہو گئی تو وہ فضول اور لغو اسباب بھی تو کسی نے پیدا کیے ہوں گے جن کے ذریعہ کائنات کی پیدائش عمل میں آئی۔ ایک سے دوسرا سوال پیدا ہوتا رہا۔ سوفی سوچنے لگی کہ وہ خواہ مخواہ اپنے آپ کو مشکل میں ڈال رہی ہے۔ ان سوالات اور جوابات سے بچنے کا صرف ایک ہی طریقہ تھا، اور وہ یہ کہ ان سوالات پر توجہ دینا ہی چھوڑ دیا جائے۔ لیکن یہ فیصلہ بھی کارآمد نہ ہو سکا اور وہ اپنے خیالات میں مزید

Marfat.com

مہمک ہوتی چلی گئی۔ بالآخر وہ اسی نتیجے پر پہنچی کہ یہ کائنات خدا نے بنائی ہے۔ لیکن پھر یہ مسئلہ سامنے آ گیا کہ خدا کی حقیقت کیا ہے؟ کیا وہ خود بخود پیدا ہو گیا یا اس نے اپنے آپ کو کسی خاص چیز سے بنایا؟ یہ مسئلہ بھی ایک معما بن گیا۔ لہٰذا ایک ہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔ خدا ہمیشہ سے موجود ہے۔ لیکن اس سے قبل وہ خود ہی اس خیال کی تردید کر چکی تھی۔ جو کچھ بھی وجود میں آ چکا ہے، اس کا کوئی نہ کوئی تو آغاز بھی ہو گا۔

خدا ہی سمجھے اس مسئلے کو۔

اس نے دونوں خطوط ایک بار پھر سامنے رکھ لیے۔

تم کون ہو؟

یہ دنیا کب اور کیسے وجود میں آئی؟

کیا ناگوار اور بدمزہ سے سوالات ہیں۔ مگر اصل سوال یہ ہے کہ یہ خطوط کہاں سے آئے؟ کس نے سوفی کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا اور کس نے اس کو ذہنی کرب میں مبتلا کر دیا تھا اور کس نے اسے کائنات کے انوکھے جھمیلے میں پھنسا کر رکھ دیا تھا؟

سوفی نے سوچا کہ تیسری بار بھی میل بکس دیکھ لیا جائے۔ ڈاکیہ ابھی ابھی کچھ ڈال کر گیا تھا۔ سوفی کو وہاں کئی رسالے نظر آئے۔ کافی سارا فضول مواد اور اس کی ماں کے نام دو لفافے۔ ایک عدد پوسٹ کارڈ بھی تھا جو کسی گرم ملک کے سمندری نظارے پر مشتمل تھا۔ اس نے کارڈ کو الٹ کر دیکھا۔ ناروے سے آیا ہوا کارڈ تھا اور یو این بٹالین کی مہر ثبت تھی۔ ممکن ہے یہ بابا نے بھیجا ہو۔ مگر وہ تو کہیں اور گیا ہوا ہے۔ اور پھر یہ اس کی تحریر بھی نہیں تھی۔

سوفی کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی جب اس نے پوسٹ کارڈ پر لکھا ہوا پتہ دیکھا۔ یہ پتہ تھا۔

''ہلڈی مولر کانگ۔ معرفت سوفی آمنڈسین کلوور کلوز.....'' بقیہ پتہ درست تھا۔ تحریر یہ تھی۔

''ڈیئر ہلڈی! پندرہویں سالگرہ مبارک ہو۔ مجھے یقین ہے کہ تم میری باتوں کو سمجھ گئی ہو گی۔ میں تمہیں جو تحفہ دے رہا ہوں، یہ تمہاری زندگی کو خوشگوار بنانے میں مدد و معاون ثابت ہو گا۔ مجھے معاف کر دینا کہ میں یہ کارڈ سوفی کی معرفت بھیج رہا ہوں۔ تمہارا پتہ میرے پاس نہیں ہے، لہٰذا یہی آسان طریقہ تھا۔ تمہارے ڈیڈی کی طرف سے پیار۔''

سوفی تیزی سے چلتی ہوئی گھر میں گھسی اور پھر کچن میں۔ اس کا ذہن اضطراب کے عالم

Marfat.com

میں تھا۔ یہ ''ہلڈی'' کون ہے۔ اور اس کی اپنی سالگرہ سے پہلے کس کی پندرہویں سالگرہ ووقوع پذیر ہورہی ہے؟ سوفی نے اپنی ٹیلیفون ڈائری نکالی۔ اس میں مولر نام کے کئی افراد شامل تھے اور بہت سے کانگ بھی تھے۔ مگر مکمل مولر کانگ نامی کوئی بھی نہ تھا۔

وہ اس عجوبہ کارڈ کو گھورنے لگی۔ کارڈ بالکل صحیح اور اصلی تھا۔ اس پر ڈاکخانے کی مہر بھی لگی ہوئی تھی۔ اس کے باپ کو کیا ضرورت تھی کہ پندرہویں سالگرہ کا کارڈ سوفی کی معرفت روانہ کرے جب کہ اسے کہیں اور جانا چاہیئے تھا۔ ایک باپ نے اپنی بیٹی کو دھوکا کیوں دیا تھا، گمراہ کن پتہ لکھ کر۔ آسان راستے کا کیا مطلب تھا؟ اس کے علاوہ سوفی پر یہ ذمہ داری کیوں عائد کی گئی تھی کہ وہ ہلڈی نامی لڑکی کا پتہ لگائے۔

سوفی کی ذہنی الجھن دو چند ہوگئی تھی۔ اس نے اچھی خاصی کوشش کی کہ وہ اپنے آپ کو پرسکون رکھ سکے۔ دو گھنٹے کے اندر دو سفید لفافے اس کے میل بکس میں کس نے ڈالے تھے۔ دوسرا وہ سوالات جو ان لفافوں میں درج تھے۔ اور تیسرا زبردست مسئلہ کہ ہلڈی مولر کانگ کون ہے اور اس کی مبارک باد کا کارڈ سوفی کو کیوں بھیجا گیا ہے۔ اسے یقین تھا کہ ان تینوں مسائل کا آپس میں کوئی تعلق ضرور ہے۔ آج سے قبل وہ ایک پرسکون اور مطمئن زندگی گزار رہی تھی لیکن ان سوالات نے اس کی زندگی میں ایک ہلچل پیدا کردی۔

Marfat.com

احساسِ تخافر

سوفی کو یہ اندازہ تھا کہ وہ گمنام آدمی کوئی نہ کوئی پیغام ضرور بھیجے گا۔ چنانچہ اس نے فیصلہ کیا کہ ابھی وہ اس کارڈ کا ذکر کسی سے نہیں کرے گی۔

اسکول میں بھی اُس کا دل نہیں لگ رہا تھا اور ٹیچر کیا سمجھا رہی ہیں، یہ بھی اسے ٹھیک طرح سے پتہ نہیں چلتا تھا۔ یہ سب کچھ اسے صرف وقت ضائع کرنے کا بہانہ لگتا تھا۔ آخر یہ لوگ کام کی باتیں کیوں نہیں کرتے؟ مثلاً یہ کہ انسان کیا ہے، یہ دنیا کیوں اور کیسے وجود میں آئی؟

پہلی بار اسے یہ خیال آیا کہ اسکول کی تعلیم اور عام لوگوں کے خیالات بالکل فضول اور لغو ہیں۔ دنیا میں ایسے کئی مسائل موجود ہیں جن کو حل کرنے پر پہلے توجہ دی جانی چاہیئے۔

کیا کسی نے ان سوالات پر توجہ کرنے کی زحمت گوارا کی؟ سوفی اپنے فلسفے پر بضد تھی کہ ہر چیز سے پہلے ان سوالات کو حل کرنا لازمی ہے۔ جیسے ہی چھٹی کی گھنٹی بجی، وہ اتنی تیزی سے روانہ ہوئی کہ جوانا کو اس کا ساتھ دینے کے لیے اس کے تعاقب میں دوڑنا پڑا۔ چند قدم دوڑنے کے بعد جوانا نے پوچھا۔ کیا آج شام میرے ساتھ کارڈ کھیلنا پسند کروگی؟"

سوفی نے اپنے شانے اچکائے۔ "اب مجھے تاش وغیرہ جیسی فضول چیزوں سے دلچسپی نہیں رہی"۔

جوانا حیرت سے گنگ رہ گئی۔ "اچھا تو بیڈمنٹن کھیل لیتے ہیں"۔ سوفی نے جواب میں زمین کو گھورنا شروع کر دیا اور پھر اپنی دوست کو خشمگیں نگاہوں سے دیکھا۔ "میں بیڈمنٹن کو بھی ایک فضول کھیل سمجھتی ہوں"۔

"تم مذاق تو نہیں کر رہی ہو؟" جوانا نے پلکیں جھپکائیں۔ سوفی نے جوانا کے لہجے میں ایک طنز سا محسوس کیا۔ میں تمہیں بتاتی ہوں کہ آج کل میں کیا سوچنے لگی ہوں۔ یہ بات بے حد رازداری کی ہے۔"

Marfat.com

''کیا تمہیں کسی سے محبت ہوگئی ہے؟'' جوانا نے شرارت بھرے انداز میں کہا۔

دونوں سہیلیاں خاموشی سے ٹہلتی ہوئی آگے چلنے لگیں۔ فٹ بال کے میدان کے پاس پہنچ کر جوانا نے کہا۔ میں میدان میں جارہی ہوں۔ جوانا اسی وقت ایسا فیصلہ کرتی تھی جب اسے گھر پہنچنے کی جلدی ہوتی تھی۔

سوفی نے اس کا ساتھ دینے سے معذرت کرلی۔ اس کے علاوہ وہ اور کر بھی کیا سکتی تھی۔ وہ تو چند دیگر گمبھیر مسائل میں پہلے ہی الجھی ہوئی تھی کہ وہ کون ہے اور دنیا کب اور کیسے وجود میں آئی؟ لیکن جوانا ان باتوں کو کیسے سمجھ سکتی تھی۔

آخر وہ ان باتوں کو اس قدر سنجیدگی سے اپنے اوپر کیوں سوار کیے ہوئے ہے؟ کیا ان سوالات میں کوئی جان یا حقیقت ہے؟ اس کے دل کی دھڑکن تیز تر ہوتی چلی گئی۔ اس نے ایک بار پھر اپنا میل بکس چیک کیا۔ بینک کی طرف سے ایک خط تھا اور دو تین بڑے لفافے اس کی ماں کے لیے۔ ''دفع کرو'' سوفی کو تو اس انجان شخص کے خط کا انتظار تھا جس نے ہلڈی کے نام کارڈ بھیجا تھا۔ اپنی ماں کے لفافوں کو بغور دیکھتے ہوئے اچانک وہ چونک پڑی۔ ایک لفافے پر اُس کا نام لکھا ہوا تھا۔ اس نے لفافہ پلٹا۔ پشت پر تحریر تھا۔ ''احتیاط سے کھولیں۔ اس میں فلسفے کے کورس کے کاغذات ہیں۔'' وہ دوڑتی ہوئی اپنی پناہ گاہ میں داخل ہوگئی کیوں کہ یہی وہ محفوظ جگہ تھی جہاں وہ دل جمعی کے ساتھ اپنے خطوط پڑھ سکتی تھی۔ اس نے پڑھنا شروع کیا۔

ڈیئر سوفی! علم و حکمت کیا ہے؟

اکثر افراد مختلف عادتوں کے حامل ہوتے ہیں اور ان کے الگ الگ مشاغل ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ سکے جمع کرتے ہیں اور کچھ غیر ملکی ڈاک کے ٹکٹ۔ کچھ سلائی کڑھائی سے دلچسپی رکھتے ہیں اور کچھ کسی خاص کھیل سے۔

ایک خاص تعداد کتاب پڑھنے والوں کی بھی ہوتی ہے۔ لیکن اس میں بھی مختلف زاویے ہوتے ہیں۔ کوئی اخبار اور تفریحی رسالے پڑھتا ہے اور کچھ ناول، افسانے وغیرہ۔ چند افراد کو فلکیات، جنگلی جانوروں کی زندگی، مختلف فنون اور سائنسی تحقیقات کے بارے میں معلومات کا سودا سمایا رہتا ہے۔

اگر میں گھوڑوں کا شوقین ہوتا یا قیمتی پتھروں میں دلچسپی رکھتا تو میری خواہش ہوتی کہ کوئی

Marfat.com

میرے مشغلے میں دخل اندازی نہ کرے۔ اگر میں ٹی وی پر مختلف کھیل کود دیکھنا پسند کرتا تو میں چاہتا کہ ان لوگوں کو اپنے نزدیک نہ آنے دوں جنہیں کھیل کود سے نفرت ہے۔ میرا مطلب ہے کہ ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو سب کی پسند ہو۔ ہر ایک اپنے مزاج کے مطابق اختیار رکھتا ہے اور اسی کا نام دنیا ہے۔

ہاں تو پیاری سوفی! سب اپنے اپنے مشغلے کے چناؤ میں آزاد ہیں اور کوئی ان پر پابندی عائد نہیں کر سکتا۔

زندگی میں سب سے اہم چیز کیا ہے؟ اگر ہم غربت و افلاس کو پہنچے ہوئے اور ناخواندہ شخص سے بھی سوال کریں گے تو جواب یہی ہوگا کہ ہمیں روٹی کی ضرورت ہے۔ اگر ہم کسی ایسے شخص سے پوچھیں گے جو سردی سے مر رہا ہو تو وہ رضائی اور کمبل کی طلب کرے گا۔ اگر یہی سوال اس سے پوچھیں گے جو تنہائی اور ہمدردی کا بھوکا ہوگا تو وہ دوستوں کے مجمع کی خواہش ظاہر کرے گا۔

لیکن جب یہ تمام ضروریات پوری ہو جائیں گی، تب بھی کوئی نہ کوئی حسرت باقی رہ جائے گی۔ فلسفیوں کا نظریہ یہی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ انسان صرف جسمانی بھوک سے مطمئن نہیں ہو سکتا۔ بے شک یہ دنیا کی اہم ترین ضرورت ہے۔ محبت اور دیکھ بھال بھی لازمی ہے۔ لیکن ان سب کے علاوہ بھی ایک خاص بات کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ اور وہ چیز ہے ذہنی سکون اور اطمینان۔ اور یہ مسئلہ اسی طرح حل ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے بارے میں بھی جان لے۔ اسے یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ کون ہے اور وہ دنیا میں کس لیے بھیجا گیا ہے؟

صرف یہ جان لینا بھی کافی نہیں کہ وہ دنیا میں کیوں آیا ہے؟ جن لوگوں کے ذہنوں میں تجسس بھرا ہوا ہے۔ وہ اس کی مکمل تحقیق کرتے ہیں۔ علم حاصل کرتے ہیں اور بحث مباحثے میں حصہ لیتے ہیں اور اس وقت تک تلاش جاری رکھتے ہیں جب تک کہ وہ دنیا میں موجود ہیں۔

کائنات کیا ہے؟ زمین کیا چیز ہے؟ اور اہم ترین بات یہ کہ کائنات اور دنیا میں زندگی کی حرارت کب اور کیسے آئی اور اس کا بنیادی مقصد کیا ہے؟ ان تمام فلسفیانہ سوالات کی طرف بڑھنے سے قبل چند اور بھی علمی اور عقلی سوالات کی طرف توجہ مرکوز کرنی ہوگی۔

یہ دنیا کیوں اور کیسے بنائی گئی؟ کیا اس کے پیچھے کوئی خاص مقصد کارفرما ہے؟ کیا موت

Marfat.com

کے بعد بھی زندگی ہے؟ ان سوالات کے جوابات کیا ہیں؟ مزید گنجلک سوال یہ کہ زندگی کیوں لازمی ہے؟ ہر زمانے میں یہ سوالات اٹھائے گئے ہیں۔ ایک عام آدمی ان حقیقتوں سے بالکل انجان ہے کہ یہ دنیا کس طرح عالم وجود میں آئی؟

بنیادی طور پر تو زیادہ فلسفیانہ سوالات نہیں اٹھائے گئے ہیں۔ بیشتر سوالات کا حال ہمارے علم میں آچکا ہے۔ لیکن اگر تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو ان سوالات کے کئی کئی جوابات ملتے ہیں۔ لہٰذا بہتر ہے کہ فلسفیانہ انداز میں درست جواب تلاش کیا جائے۔

موجودہ دور میں ہر انسان کو انفرادی طور پر ان سوالات کے جوابات تلاش کرنے چاہئیں۔ آپ اس بات کی تہہ تک نہیں پہنچ پائیں گے کہ خدا کہاں ہے اور کیا موت کے بعد بھی زندگی ہے؟ انسائیکلوپیڈیا ہمیں یہ بھی نہیں بتا سکے گا کہ ہماری زندگی کیسے وجود میں آئی۔ بہرحال مختلف کتابوں کی مدد سے ہم اپنا راستہ تلاش کر سکتے ہیں۔

فلسفیوں اور حکیموں کے نظریات بڑے پیچیدہ ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ اینڈرسن ایک قاتل تھا۔ کسی کا خیال ہے کہ نہیں، قاتل جینسن اور نلسن تھے۔ پولیس بعض اوقات جرم کا ٹھیک ٹھیک سراغ لگا لیتی ہے۔ لیکن ایسا بھی ممکن ہے کہ وہ معاملے کی تہہ تک نہ پہنچ سکے۔ لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہمارے سوالات کے جوابات بھی مبہم ہوں۔ کبھی یہ اور کبھی وہ اور ہم اسی طرح شش و پنج میں مبتلا رہیں۔

سائنس نے برسوں سے چیستان میں پڑے ہوئے مسئلوں کا حل نکال لیا ہے۔ بیشتر معاملات ایسے پیچیدہ تھے جو محض بات چیت کے ذریعے حل نہیں ہو سکتے تھے۔ چنانچہ ان کو لوگوں کے ذاتی تصورات اور فیصلے پر چھوڑ دیا گیا۔ مگر اب ہمیں سکے کا دوسرا رخ بھی واضح طور پر نظر آ رہا ہے۔

دو ہزار سال قبل ایک یونانی فلسفی کی تحقیق یہ تھی کہ فلسفہ انسان کی زندگی میں ایک انقلاب لا سکتا ہے۔ بات کچھ ایسی تھی جیسے ایک جادوگر اپنے کمالات دکھا رہا ہو اور ایک عام انسان کی عقل و فہم سے یہ چیز بالاتر ہو۔ چنانچہ آدمی سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ جادوگر نے چند کپڑے کے ٹکڑوں کو ایک زندہ خرگوش میں کیسے تبدیل کر دیا۔ لوگوں کی نظروں میں دنیا اسی طرح وجود میں آئی جیسے ایک جادوگر خالی ہیٹ دکھا کر اچانک اس کے اندر سے خرگوش برآمد

Marfat.com

کرلیتا ہے۔ حالانکہ ہم سب جانتے ہیں کہ جادوگر نے تماشائیوں کو بے وقوف بنایا ہے۔ لیکن ہمیں یہ جستجو رہتی ہے کہ اس نے یہ کام کیسے کیا۔

لیکن جب معاملہ دنیا کے وجود میں آنے کا پیدا ہوتا ہے تو یہ بات ذرا مختلف ہوتی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ سب کچھ محض ہاتھ کی صفائی نہیں ہے، کیونکہ ہم اس دنیا میں زندگی گزار رہے ہیں اور ہم دنیا کا ایک جزو لاینفک ہیں۔ گویا دراصل ہم وہ سفید خرگوش ہیں جو ہیٹ سے برآمد ہوا ہے۔ ہمارے اور سفید خرگوش کے درمیان بس فرق صرف یہ ہے کہ خرگوش کو یہ علم نہیں ہوتا کہ وہ جادو کے زور سے پیدا کیا گیا ہے۔ لیکن ہمارا انداز جدا ہے۔ ہمیں علم ہے کہ ہم کسی طلسم کاری کا حصہ ہیں اور ہمیں اس کے کل پرزے اور طریق کار کا علم ہونا چاہیئے۔

سوفی! میری ان باتوں سے کیا تمہارے علم میں کچھ اضافہ ہوا یا تمہیں مزید سمجھانے کی ضرورت ہے؟

سوفی کی تمام قوتیں سلب ہو چکی تھیں۔ اسے یہ بھی یاد نہ رہا کہ وہ اس خط کو پڑھنے کے دوران سانس بھی لے رہی تھی یا نہیں۔ یہ خط کہاں سے آیا اور کون لے کر آیا؟ یہ وہ شخص تو نہیں ہوسکتا جس نے ہلڈی مولر کانگ کو سالگرہ کا کارڈ بھیجا تھا۔ اس کارڈ پر تو ٹکٹ بھی لگی ہوئی تھی اور ڈاک خانے کی مہر بھی موجود تھی۔ جب کہ یہ بادامی لفافہ کوئی شخص میل بکس میں ڈال گیا تھا، بالکل پہلے دو سفید لفافوں کی طرح۔

سوفی نے گھڑی دیکھی۔ سوا تین بج رہے تھے۔ ابھی اس کی ماں کو کام سے واپس آنے میں دو گھنٹے باقی تھے۔ وہ دوبارہ باغ سے باہر نکلی اور میل بکس کی جانب دوڑ پڑی۔ شاید کوئی اور لفافہ آیا ہو۔ ایک اور بھورے رنگ کا لفافہ اس میں موجود تھا اور اسی کے نام تھا۔ اس نے چاروں طرف گہری نگاہ سے جائزہ لیا کہ شاید وہ آدمی نظر آجائے جو یہ لفافہ لے کر آیا ہے، لیکن دور دور تک کسی کا پتہ نہ تھا۔ سوفی درختوں کی آخری حد تک گئی اور وہاں سے نیچے جھانک کر دیکھا، مگر ناکام رہی۔ اچانک اسے خیال آیا کہ اس نے کسی کی مبہم سی جھلک درختوں کے درمیان بھاگتے ہوئے دیکھی تھی۔ لیکن اسے یقین نہیں تھا اور ویسے بھی ایک سائے کے پیچھے بھاگنا فضول تھا۔

وہ گھر چلی آئی اور سیدھی اپنے کمرے میں آکر اس نے ایک خالی ڈبہ اٹھایا اور دونوں لفافے اس کے اندر رکھ دیئے۔ وہ ایک بار پھر باغ کی طرف جارہی تھی۔ خطوں والا ڈبہ اس

Marfat.com

نے مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا۔اپنی بلی شیر یکان کو اس نے آواز دی اور اس کے کھانے کی چیزیں اس کے سامنے ڈال کر اپنی پناہ گاہ میں داخل ہوگئی۔اس نے تازہ وصول کیا ہوا بادامی لفافہ کھولا جس میں ٹائپ کیے ہوئے چند کاغذات رکھے ہوئے تھے۔

ایک نرالی مخلوق

میں تم سے دوبارہ مخاطب ہوں۔جیسا کہ تمہارے علم میں ہے۔فلسفے کا یہ مختصر کورس قسطوں کی شکل میں آتا رہے گا۔ذیل میں چند تعارفی اقتباسات درج ہیں۔

شاید میں نے تمہیں بتایا ہے کہ اگر تم چاہتی ہو کہ اپنی قابلیت اور علمی استعداد میں اضافہ کرو تو اس کے لیے فلسفے کا علم حاصل کرنا لازمی ہے۔

کم عمر بلکہ نوخیز بچوں میں یہ صلاحیت بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔یہ کوئی حیرت انگیز اور مضحکہ خیز بات نہیں ہے۔رحم مادر میں چند ماہ گزارنے کے بعد وہ کئی حقیقتوں سے آگاہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن جیسے جیسے وہ بڑے ہوتے جاتے ہیں، حیرت زدہ ہونے کی صلاحیت گھٹتی جاتی ہے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟

اگر ایک نوزائیدہ بچہ گفتگو کر سکتا تو یقیناً سب سے پہلی بات یہی کہتا کہ وہ کیسی عجیب و غریب دنیا میں پیدا ہو گیا ہے۔ یہاں کا تو دستور ہی نرالا ہے اور ہر چیز اس کے تصور سے بالکل مختلف ہے۔

جیسے جیسے وقت گزرتا ہے اور بچے کے اندر بات کرنے کی صلاحیت اجاگر ہوتی چلی جاتی ہے، بچہ مزید حیران و ششدر ہوتا چلا جاتا ہے اور ہر بات پر حیرت کا اظہار کرتا ہے۔ کتے کو دیکھ کر وہ اپنے اسٹرالر میں اچھلنا کودنا شروع ہو جاتا ہے، ہاتھ پاؤں کو عجیب عجیب طرح سے جنبش دینے لگتا ہے اور بے معنی سے الفاظ اس کے منہ سے نکلنے لگتے ہیں۔ہم لوگ جو عمر کی ایک خاص حد تک آ گئے ہیں اور بزعم خود عقل مند بھی ہو گئے ہیں، بچوں کی نفسیات سے بے بہرہ ہوتے ہیں اور بچے کو خاموش کرانے کی کوشش کرتے ہیں اور کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ ہم بھی کبھی بچے تھے اور ایسے ہی بے ربط الفاظ ادا کیا کرتے تھے۔

ایسے ہی وجد انگیز لمحات زندگی میں بار بار آتے ہیں اور بچہ مارے حیرت کے اچھلتا کودتا

Marfat.com

رہتا ہے۔ ذرا آگے چل کر وہ ہاتھی کو دیکھتا ہے اور گینڈے کو بھی۔ اور جب بچہ پوری طرح سے بات کرنے اور سمجھنے پر قادر ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد سوچنے سمجھنے اور فلسفے پر بھی عبور حاصل کر لیتا ہے تو یہ دنیا اس کے لیے پراسرار نہیں رہتی۔

مجھے بے حد افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ تم ابھی تک نابالغ ہو۔ تم نے ابھی تک دنیا کو سمجھا نہیں ہے اور نہ ہی سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ عزیزم سوفی! یہ اچھی طرح جان لو کہ بات کو آگے بڑھانے سے قبل ہم چند تجربات کرنے جا رہے ہیں۔

وہ دن یاد کرو جب تم جنگل میں چہل قدمی کر رہی تھیں۔ اچانک کوئی درخت کی آڑ سے نکل کر تم پر پستول تان لیتا ہے۔ اس وقت تمہارے تاثرات کیا ہوں گے؟ بالکل یہی تاثر تمہارے دل و دماغ پر اس وقت چھا جائے گا جب تم کسی دوسرے سیارے پر قدم رکھو گی۔ تمہیں کوئی علم نہیں ہے کہ اس سیارے پر زندگی ہے یا نہیں۔ ایسی صورت میں تم کیا کرو گی؟ اس وقت تم اپنے آپ کو بالکل خالی خالی محسوس کرو گی اور تمہاری سمجھ میں کچھ نہیں آئے گا کہ تمہارا اگلا قدم کیا ہونا چاہیے۔

میں ایک نرالی مخلوق ہوں اور خواہ مخواہ الٹی سیدھی باتیں کر کے تمہارے دماغ کو پراگندہ کر رہا ہوں۔ فرض کرو تم ابھی ابھی ایک دلچسپ خواب دیکھ کر اٹھی ہو اور میں تمہارے سامنے اچانک آ گیا ہوں۔ تب تم تجسس میں مبتلا ہو جاؤ گی کہ میں کون ہوں؟ تمہیں اتنا تو معلوم ہے کہ تم کسی انجانی دنیا میں آ گئی ہو مگر تمہیں یہ نہیں معلوم ہے کہ حقیقت کیا ہے اور قدرت کس کو کہتے ہیں۔ اگر تم صحیح معنوں میں اس حقیقت کو جان لو تو تم اس نرالی مخلوق سے بھی واقف ہو جاؤ گی۔ تم کو صرف سرسری طور پر کائنات کا علم نہیں حاصل کرنا۔ بلکہ تمہیں اس کی مکمل گہرائی اور گیرائی میں جانا ہے اور ایک ایک چیز کو چھان پھٹک کر سب کچھ حاصل کر لینا ہے اور اسے دنیا کے سامنے آشکارا کرنا ہے۔

کیا تم میری باتیں سمجھ رہی ہو؟ اچھا تو اب ہم آگے بڑھتے ہیں ایک دن صبح، ممی، ڈیڈی اور دو یا تین سالہ تھومس کچن میں ناشتہ کر رہے ہیں۔ کچھ دیر بعد ممی اٹھ کر سنک کی جانب جاتی ہیں، اور ڈیڈی اچھل اچھل کر چھت کو چھونے کی کوشش کر رہے ہیں۔ تھومس خاموشی سے بیٹھا یہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ ایسی صورت میں ننھا تھومس کا خیال کہاں جائے گا؟ وہ تو یہی کہے گا کہ

Marfat.com

ڈیڈی ہوا میں اڑ رہے ہیں۔ وہ اچانک بھونچکا رہ جائے گا کہ کیا ایسا بھی ہوسکتا ہے۔ ڈیڈی اس قسم کی احمقانہ حرکتیں کرتے رہتے ہیں چنانچہ تھومس ان باتوں کا عادی ہوجائے گا اور اس کی تجسس کی حس جلد ہی ختم ہوجائے گی۔ ڈیڈ روزانہ جادو کی مشین سے داڑھی بناتے ہیں۔ کبھی کبھار وہ چھت پر چڑھ کر ٹی وی کا انٹینا درست کرتے ہیں اور کبھی کار کے ہڈ میں اپنا سر گھسا کر پتہ نہیں کیا کرتے رہتے ہیں۔

اب باری ہے مم کی۔ وہ تھومس کی آواز سن کر اس کی جانب مخاطب ہوتی ہیں۔ جب وہ دیکھیں گی کہ ڈیڈ ناشتے کی میز پر کھڑے ہو کر چھت چھونے کی کوشش کر رہے ہیں تو ان کی رائے کیا ہوگی؟ ان کے ہاتھوں سے جام کی بوتل چھوٹ جائے گی اور خوف کے مارے چلانے لگیں گی اور ممکن ہے کہ انہیں طبی امداد کی ضرورت پڑ جائے جب وہ دیکھیں گی کہ ڈیڈی تو حسب معمول اپنی کرسی پر براجمان ہیں۔

یہ سب کچھ اپنی اپنی عادات پر منحصر ہے۔ موم یہ جانتی ہیں کہ انسان اڑ نہیں سکتے۔ تھومس ابھی عقل کا کچا ہے۔ اسے نہیں معلوم کہ انسان کیا کیا کر سکتا ہے اور کیا نہیں۔ لیکن دراصل دنیا کیا ہے؟ کیا تم سمجھتی ہو کہ دنیا یہی کچھ ہے جو ہم لوگوں کو نظر آتی ہے؟ یہ دنیا بھی اپنے محور میں گھوم رہی ہے۔ نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ یہ صرف کشش ثقل کا معاملہ بھی نہیں ہے۔ جیسے جیسے ہم علم و عقل حاصل کرتے جاتے ہیں، یہ دنیا بھی ہمیں اتنا ہی سمجھ میں آتی چلی جاتی ہے۔ لیکن اس دوران ہم بنیادی چیز کو فراموش کر دیتے ہیں۔ فلسفہ داں اکثر ہمیں یاد کرانے کی کوشش کرتے ہیں، اور کبھی کبھی کچھ باتیں خود ہمارے اندر سے ابھرتی ہیں اور ہم بس یہی جان پاتے ہیں کہ یہ دنیا ایک گورکھ دھندا ہے۔

مزید وضاحت کیلئے ہمیں چند فلسفیانہ منطق کی گہرائی میں جانا پڑے گا اور ہر شخص فلسفی نہیں ہوسکتا۔ لوگ باگ اپنی ذاتی اور گھریلو مصروفیات میں اس قدر زیادہ منہمک ہیں کہ وہ ان معاملات کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ اکثر و بیشتر افراد معاملے کی اہمیت کو نہیں سمجھتے ہیں اور بس سر جھٹک کر رہ جاتے ہیں کہ یہ تو معمول کی بات ہے۔

یہ بالکل درست ہے کہ فلسفی حضرات بہت سی پابندیوں سے مستثنیٰ ہیں۔ فلسفیوں کو اس

Marfat.com

بات سے کوئی مطلب نہیں ہے کہ دنیا کس رخ پر جارہی ہے۔ وہ اپنی دنیا میں کھوئے رہتے ہیں اور بہت سی باتوں سے لاتعلق ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ فلسفی اور بچے میں بے حد مماثلت پائی جاتی ہے۔

سوفی! یہ تمہارے اختیار میں ہے کہ تم کیا بننا پسند کرتی ہو؟ ایک نادان بچہ یا ایک فلسفی۔ اگر تمہیں اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ تمہیں بچہ ہی رہنا ہے یا ایک دانشور اور فلسفی، تو گویا اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا نے تمہیں کچھ نہیں دیا، یا کہا جاسکتا ہے کہ تم نے دنیا میں کچھ نہیں سیکھا۔

اپنی زندگی کو متحرک بناؤ اور دنیا میں دلچسپی لینا شروع کرو۔ میں نے تمہارے جسم میں حرارت پیدا کرنے کیلئے ہی یہ فلسفے کا کورس بھیجنے کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ یہ سب کچھ میں صرف تمہارے لیے کررہا ہوں، ہرایرے غیرے کیلئے نہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم ایک عظیم شخصیت بنو اور دنیا تم پر ناز کرے۔

یہ سب کچھ میں کسی لالچ یا ذاتی مفاد کے لیے نہیں کررہا ہوں، لہٰذا تمہیں کسی تردد میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر تمہیں میری بکواس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے تو کسی وقت بھی سلسلہ ختم کرسکتی ہو۔ اس کیلئے تمہیں صرف یہ کرنا پڑے گا کہ اپنے میل بکس میں میرے لیے ایک پیغام ڈال دو۔ میری رائے میں ایک سبز رنگ کا مینڈک رکھ دو تاکہ ڈاکیہ خوف زدہ ہوجائے اور آئندہ میل بکس کو ہاتھ نہ لگائے۔

بہرحال معاملے کو مختصر کرتے ہوئے ایک مثال دیتا ہوں۔ ہیٹ میں سے ایک سفید خرگوش برآمد کرنا ہے۔ لیکن چونکہ یہ خرگوش معمول سے زیادہ لحیم شحیم ہے، لہٰذا اس عمل میں اربوں بلکہ کھربوں سال بھی لگ سکتے ہیں۔ اس خرگوش کو پیدا کرنے کے سارے عوامل خود اسی کے اندر موجود ہیں۔ لیکن جیسے جیسے یہ عمل روبہ کار ہوتا جارہا ہے۔ اسی قدر پیچیدگی پیدا ہوتی جارہی ہے۔ صرف فلسفی افراد ہی اس معاملے سے نمٹ سکتے ہیں۔ لیکن ان میں سے بھی صرف چند ایک۔

اس شام جب سوفی کی ماں گھر واپس آئی تو سوفی کو ایک جھٹکا سا لگا۔ جس بکس میں اس نے اس نامعلوم فلسفی کے خطوط سنبھال کر رکھے تھے، وہ بکس غائب تھا۔ مزید حیرت اس بات

Marfat.com

پر تھی کہ یہ بکس اس پناہ گاہ میں سے غائب ہوا جہاں سوفی کے خیال میں کوئی پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا تھا۔ سوفی نے کوشش کی کہ وہ اپنا ہوم ورک مکمل کر کے بکس کو بھولنے کی کوشش کرے، لیکن وہ اس میں بھی کامیاب نہ ہو سکی۔

اس سے قبل اس نے اپنے دماغ پر اس قدر بوجھ کبھی نہیں ڈالا تھا۔ اب وہ کوئی دودھ پیتی بچی نہیں رہی تھی۔ لیکن وہ ابھی پوری طرح بالغ بھی نہیں ہو پائی تھی۔ سوفی کو یوں لگا جیسے وہ خرگوش کے پروں میں گھس کر پوشیدہ ہونے کی کوشش کر رہی ہو۔ وہی سفید خرگوش جو کائنات کے پردے میں دریافت کیا گیا تھا۔ لیکن فلسفی نے اسے درمیان میں ہی روک لیا تھا۔ وہ کون تھا یا تھی؟ جس نے اسے کالر سے پکڑ کر کھینچ لیا تھا اور اسے اپنے بچپن سے جدا کر دیا تھا۔ اب وہ دنیا کو اسی نظریے سے بغور دیکھ رہی تھی جیسا اس نے پیدائش کے وقت دیکھا تھا۔ فلسفی نے اسے ڈوبنے سے بچا لیا تھا۔ اس بارے میں اب کوئی شبہ نہیں ہے۔ نامانوس اور انجان خط بھیجنے والے نے اسے روزانہ کی کشمکش میں مبتلا ہونے سے روک لیا تھا۔

پانچ بجے شام جب موم واپس آئیں تو انہوں نے سوفی کو اپنے کمرے میں ایک آرام دہ کرسی پر پڑے ہوئے دیکھا۔

''موم! کیا آپ اس نظریے کی حامل نہیں ہے کہ ہم زندہ کیوں ہیں؟'' اس نے اپنا فلسفیانہ راگ چھیڑا۔

اس کی ماں حیرت سے گنگ رہ گئی اور اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

''ہاں، کبھی کبھی میں بھی اس بارے میں سوچتی ہوں۔'' اس نے کہا۔

''کبھی کبھی؟ مگر کیا آپ کو یہ سوچ کر تعجب نہیں ہوتا ہے کہ دنیا تو ازل سے قائم ہے؟، سوفی نے سوال کیا۔

''دیکھو سوفی! اس قسم کی فضول باتیں مت کیا کرو۔ مم بولی۔

''کیوں نہ کروں؟ کیا آپ کے خیال میں یہ دنیا مثالی ہے؟''۔

''تو کیا ایسا نہیں ہے؟ کچھ کم یا کچھ زیادہ۔'' مم چلائی۔

سوفی نے محسوس کیا کہ وہ فلسفی ٹھیک ہی کہتا ہے۔ جو لوگ پوری طرح نشو ونما پا چکے ہیں، ان کا یہی خیال ہے کہ دنیا اسی طرح قائم و دائم ہے۔ وہ لوری سن کر نیند کی وادی میں کھو گئے ہیں

Marfat.com

اور سوچتے ہیں کہ باقی دنیا بھی اسی طرح سوئی ہوئی ہے۔

آپ کی پرورش اسی ماحول میں ہوئی ہے چنانچہ آپ کیلئے دنیا میں کوئی ایسی حیرت انگیز بات نہیں ہے۔سوفی نے خیال ظاہر کیا۔

''تم کس دنیا کی بات کر رہی ہو؟۔مم غصے سے بولی۔

''آپ ہر چیز کی عادی ہو کر سست الوجود ہو گئی ہیں۔میں آپ کو یہی بتانا چاہ رہی ہوں۔ سوفی نے تلخ لہجے میں کہا۔

''سوفی! میں کہہ چکی ہوں، مجھ سے اس لہجے میں بات مت کرو،''

''ٹھیک ہے۔میں اسے دوسرے انداز میں سمجھاتی ہوں۔آپ نے اپنے آپ کو آرام کا عادی بنا لیا ہے اور اپنی زندگی سے پوری طرح مطمئن ہیں۔ابھی شام کو ناشتے میں آلو تل کر کھائیں گی۔اس کے بعد آرام سے اخبار پڑھیں گی اور پھر آدھا گھنٹہ آرام کے بعد ٹی وی دیکھنے میں مصروف ہو جائیں گی۔''

سوفی کی ماں کے چہرے پر ناگوار تاثرات چھا گئے، مگر وہ بولی کچھ نہیں اور کچن میں جا کر آلو فرائی کرنے لگی۔کچھ دیر بعد وہ آلو ایک پلیٹ میں لے کر آئی اور سوفی کے سامنے رکھ کر کہنے لگی۔''مجھے تم سے کچھ کہنا ہے''۔

اس کے لہجے سے سوفی نے اندازہ لگا لیا کہ معاملہ کچھ سنجیدہ نوعیت کا ہے۔شاید تم نے کسی نشہ آور شے کا استعمال شروع کر دیا ہے، ہے نا؟''

سوفی کو بے تحاشا ہنسی آ گئی۔مگر اس سوچ میں پڑ گئی کہ مم کو ایسا خیال کیوں آیا؟ کہیں مم پاگل تو نہیں ہو گئیں جو اس طرح سوچنے لگی ہیں؟

اس شام بات بس یہیں تک محدود رہی۔

Marfat.com

علم الاصنام

اگلی صبح سوفی کو کوئی خط نہیں ملا۔ اسکول میں سارا دن وہ اداس اور پژمردہ سی رہی۔ جوانا سے باتیں کر کے اس نے دل ہلانے کی کوشش کی۔ واپسی کے سفر میں دونوں اس بات کی منصوبہ بندی کرتی رہیں کہ کہیں سیر تفریح کیلئے چلنا چاہیئے۔

معمول کے مطابق سوفی دوبارہ میل بکس کی طرف چل پڑی۔ پہلا خط میکسیکو سے آیا تھا اور یہ اس کے والد نے لکھا تھا۔ انہوں نے اپنے سفر کے تاثرات بیان کیئے تھے اور گھر سے دور رہنے کے تجربات پر باتیں کی تھیں۔ اس کے بعد چند مزید باتیں کتابوں کے بارے میں تھیں، جو وہ اپنے ساتھ لے کر آنے والے تھے۔

اب ایک بادامی بڑا لفافہ سوفی کے سامنے تھا۔ اس لفافے کو لے کر وہ سیدھی اپنی پناہ گاہ کی طرف دوڑی اور ٹائپ شدہ کاغذات پڑھنے میں منہمک ہوگئی۔

اساطیری دنیا کی تصویر

ہیلو سوفی! ہمارے سامنے بے حد کٹھن کام آن پڑا ہے، لہٰذا ہم وقت ضائع کیئے بغیر براہ راست اپنا کام شروع کرتے ہیں۔

آغاز چھ سو سال قبل مسیح سے کرتے ہیں۔ اس وقت تک دنیا کے تمام مذاہب کے بارے میں معلومات سامنے آچکی تھیں۔ مختلف صمیات اور خود ساختہ خداؤں کے بارے میں سینکڑوں کہانیاں گردش کر رہی تھیں۔ یونانی فلسفیوں کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ یہ کہانیاں اور افسانے نا قابل تسلیم ہیں۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ قبل از مسیح کے فلاسفر کس انداز میں سوچ رہے تھے، ہمیں دیکھنا اور سوچنا پڑے گا کہ اساطیری نقطۂ نگاہ کس رخ پر مائل پرواز تھا۔

Marfat.com

تم نے شاید تھور اور اس کے ہتھوڑے کی کہانی سنی ہوگی۔ ناروے میں مسیحی مذہب کے آنے سے قبل وہاں کے لوگوں کا اعتقاد تھا کہ تھور کے پاس ایک رتھ ہے جس پر سوار ہو کر وہ آسمان پر اڑتا پھرتا ہے اور اس رتھ کو دو بکرے ہانکتے ہیں۔ جب وہ اپنا ہتھوڑا لہراتا ہے تو بادل گرجتے ہیں اور چمک پیدا ہوتی ہے۔ بادل، ناروے کی زبان کا لفظ ہے اور تھور کی غراہٹ کو ''تھوروی'' کہتے ہیں۔ سوئیڈن کی زبان میں بادل کو ''اسا کا'' کہا جاتا ہے اور اس کا مطلب ہے ''آسمانوں پر خدا کی آمد و رفت''

جب بادل گرجتے ہیں اور بجلی چمکتی ہے تو اس کے ساتھ بارش بھی ہوتی ہے۔ یہ بارش بحری قزاقوں کو قوت حیات فراہم کرتی ہے۔ چنانچہ تھور کی پوجا زرخیزی کے خدا کے طور پر کی جاتی تھی۔ اس کی توجیہہ یہ کی جاتی ہے کہ جب تھور اپنا ہتھوڑا لہراتا تھا تو بارش برستی تھی اور کھیتوں میں ہریالی اور زرخیزی آجاتی تھی۔ اب یہ بات کیسے انجام پاتی تھی اور پودے کس طریقے سے نشوونما حاصل کرتے تھے، اس کو پورے طور پر بارش سے منسلک کر دیا گیا تھا۔ چونکہ ہر آدمی اس بات پر اعتقاد رکھتا تھا کہ تھور ہی بارش برساتا ہے لہذا وہ ناروے والوں کی نگاہ میں خدا کا درجہ اختیار کر گیا تھا۔

تھور کی مقبولیت کی دوسری وجہ یہ تھی کہ وہ پوری دنیا سے تعلق رکھتا تھا۔ آٹھویں اور دسویں صدی کے دوران شہرت حاصل کرنے والے بحری قزاقوں کو یقین تھا کہ دنیا کے تمام باشندوں کو کسی خلائی مخلوق سے سخت خطرہ ہے۔ وہ اسے ''مڈگارڈ'' سے تشبیہہ دیتے تھے یعنی وہ سلطنت جو دنیا کے درمیان میں واقع ہے۔ ''مڈگارڈ'' کے ساتھ ساتھ ''الگارڈ'' ہے، جو کہ خداؤں کی جاگیر ہے۔

''مڈگارڈ'' کے باہر ''اُٹ گارڈ'' کی ریاست ہے جو کہ غدار دیوؤں کی سلطنت ہے اور جو ہر طرح کی تدبیروں اور ترکیبوں سے آراستہ ہیں اور دنیا کو تباہ و برباد کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑتے۔ بدی کی عفریتیں افراتفری پھیلانے کیلئے ہر دم آمادہ رہتی ہیں۔ نہ صرف یہ کہ ناروے کی دیومالائی کہانیوں میں بلکہ جہاں جہاں ان کا داؤ چلتا ہے، اپنا دام پھیلائے رکھتے ہیں۔ ان سنگدل دیوؤں نے ''مڈگارڈ'' کی خاتون خدا کو بھی نہیں چھوڑا جو کہ زرخیزی کی خدا تھی۔ جب وہ اتنا بڑا ظلم روا رکھ سکتے ہیں تو پھر ایک وقت وہ بھی آسکتا ہے جب یہ زمین بنجر ہو جائے گی اور خواتین بانجھ ہو جائیں گی۔ چنانچہ دیگر خداؤں پر لازم ہے۔ کہ وہ ان شیطانوں کو

Marfat.com

قابو میں رکھیں اور ان کی حرکتوں پر نظر رکھیں۔

ان دیووں کے خلاف جنگ میں تھور کا بنیادی کردار ہے۔اس کا ہتھوڑا صرف بارش ہی نہیں برساتا ہے، بلکہ یہ خطرناک عفریتوں کے خلاف ایک انتہائی خوفناک ہتھیار بھی ہے۔تھور بے پناہ طاقت کا حامل ہے۔مثال کے طور پر وہ دیووں کی فوج میں کھلبلی مچا سکتا ہے اور انہیں قتل بھی کر سکتا ہے۔یہ ہتھوڑا نہ کبھی گم ہوگا اور نہ کوئی اس سے چھین سکتا ہے۔اس کی خوبی یہ ہے کہ وہ تھور کے جسم سے جدا ہوتے ہی دوبارہ لوٹ کر اس کے پاس واپس آجاتا ہے، بالکل آسٹریلیا کی اس لکڑی کے ہتھیار کی طرح جو پھینکنے والے کے پاس اپنا ہدف مکمل کرنے کے بعد واپس آجاتی ہے۔

یہ ہے وہ دیو مالائی تشریح کہ قدرت نے بھلائی اور بدی کے درمیان کس طرح اعتدال قائم رکھا ہے۔لیکن اس تشریح کو فلسفیوں نے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔لیکن سوال صرف ایک سوال کی تشریح کا نہیں ہے۔

انسان کی فطرت ہے کہ وہ بیکار نہیں بیٹھ سکتا اور نہ ہی وہ انتظار کرے گا کہ خدا ان معاملات میں خود ہی دخل اندازی کرے یہاں تک کہ کوئی آفت نازل ہو جائے۔ برائی کے خلاف جنگ وجدل کرنا ہوگا۔چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا اور چند مذہبی تقریبات منعقد کر ڈالیں۔

سب سے اہم تقریب یہ تھی کہ خدا کو مزید اختیارات سونپ دیے جائیں۔مثلاً اخلاقی طور پر اسے مضبوط بنایا جائے تا کہ وہ پوری دل جمعی کے ساتھ برائی کا مقابلہ کر سکے۔اور یہ کام خدا کی راہ میں کسی جانور کی قربانی دے کر حاصل کی جا سکتی ہے۔تھور نے یہ ذمہ داری اس طرح نبھائی کہ ایک بکرے کو قربان کیا گیا۔اوڈین نامی دیوتا صرف انسانی جان کی قربانی وصول کرتا ہے لہٰذا یہ کوشش ناکام ہوگئی۔

شمالی برطانیہ والوں کے نزدیک اساطیری علم کا یہ خیال ایک خاص نظم سے ہوا جس میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح تھور جب نیند سے جاگتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ہتھوڑا غائب ہے۔یہ دیکھ کر وہ اس قدر غصے میں آجاتا ہے کہ اس کے ہاتھ کانپنے لگتے ہیں اور اس کی داڑھی ہلنے لگتی ہے۔اپنے رفیق خاص لوکی کو لے کر وہ فریجا کے پاس جاتا ہے اور کہتا ہے کہ اپنے پر، لو کی کو ادھار دے دو تا کہ وہ جوتن ہیم تک پرواز کر سکے جو کہ دیووں کی سرزمین ہے اور معلوم کر سکے کہ تھور کی ہتھوڑی ان لوگوں نے تو نہیں چرائی ہے۔

Marfat.com

جوتن ہیم پہنچ کر لوکی تھرائم سے ملاقات کرتا ہے جو کہ دیوؤں کا سردار ہے۔ تھرائم بڑے فخر و غرور کے ساتھ اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ وہ ہتھوڑا اسی نے چوری کیا ہے اور اس کو زمین کے اندر بیس میل کی گہرائی میں دفن کر دیا ہے۔ اس نے اپنا مطالبہ بیان کیا اور کہا کہ وہ اس وقت تک ہتھوڑا واپس نہیں کرے گا جب کہ فریجا اس کی دلہن نہیں بن جاتی۔

کیا تم اس منظر کو تصور میں لا سکتی ہو سوفی؟ نیکو کار خداؤں کو یکا یک ایک ایسے دام میں پھنسا دیا جائے کہ وہ اپنے آپ کو بالکل بے بس محسوس کرنے لگیں اور انہیں اپنی آزادی کے لیے تاوان ادا کرنا پڑے۔ بدقماش دیوؤں نے خدا کے بیش بہا دفاعی ہتھیار پر قبضہ کر لیا تھا، یہ ایک بدترین اور ناقابل برداشت صورت حال تھی۔ جب تک ہتھوڑا بدمعاشوں کے قبضے میں تھا۔ اس وقت تک وہ خدا اور نیک عمل کو سبوتاژ کرنے پر قادر تھے۔ ان کا مطالبہ تھا کہ ہتھوڑے کے عوض فریجا کو ان کے سردار کی دلہن بنا دیا جائے۔ یہ ایک ایسی شرط تھی جسے منظور کرنا ناممکن تھا۔ اگر خدا ہتھیار ڈال دیتے اور زرخیزی کی خدا کو ان کے حوالے کر دیتے، تو یہ سرزمین شادابی اور زرخیزی سے محروم ہو جاتی، ہمارے کھیت ویران ہو جاتے اور نیکی کے خداؤں کو خودکشی کرنا پڑ جاتی۔ معاملہ بڑے نازک موڑ پر آن پھنسا تھا۔

لوکی ''اسگارڈ'' واپس آ کر فریجا کو یہ بری خبر سناتا ہے۔ اور اسے تاکید کرتا ہے کہ اب وہ عروسی لباس تیار رکھے کیونکہ اسے دیوؤں کے سردار کی دلہن بننا ہے۔ فریجا بے حد غضب ناک اور پریشان ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ لوگ کیا سوچیں گے؟ یہی کہ فریجا جنسی طور پر کسی مرد کی خواہش مند ہے، اسی لیے وہ ایک دیو سے شادی پر رضامند ہو گئی ہے۔

ایسے خطرناک مرحلے میں ہیمدال نامی خدا کو ایک تدبیر سوجھی۔ اس نے تجویز پیش کی کہ تھور خود دلہن کا لباس پہن کر تیار ہو جائے۔ اگر وہ اپنے بالوں کو بڑھا لے اور پستان کو ذرا ابھار لے تو وہ بالکل عورت کا روپ دھار لے گا۔ ظاہر ہے، تھور کو اس خیال سے کراہیت محسوس ہوئی لیکن بادل ناخواستہ یہ سوچ کر راضی ہو گیا کہ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں۔ چنانچہ تھور اب رفتہ رفتہ اپنی جنس کو بدلنے کی تیاری کرنے لگا اور ساتھ ہی ساتھ لوکی بھی، کیونکہ وہ اس کی خاص خادمہ بن کر جانے والی تھی۔

آج کے دور کی اصطلاح میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ تھور اور لوکی خدا کا وہ دستہ تھا جو دہشت

Marfat.com

گردی کو نیست و نابود کرنے کیلئے ترتیب دیا گیا تھا۔ انہوں نے اپنے مقصد کی تکمیل کیلئے عورتوں کا روپ بھرا اور دشمن کے قلب میں جا گھسے۔

جب خدا جو تم ہیم میں داخل ہوئے تو دیوؤں نے شادی کی تقریب کی تیاری شروع کردی۔ مگر اس تقریب کے دوران ''دلہن'' تھور ایک پورا بیل اور آٹھ عدد سالمون (ایک بہت بڑی مچھلی) کھا گئی۔ اس کے علاوہ تین بیرل بیئر کے بھی ڈکار گئی۔ تھرائم حیران و ششدر رہ گیا۔ کمانڈوز کی حقیقت اس کی نظروں میں ظاہر ہونے لگی۔ مگر لوکی نے خطرے کو بھانپ لیا اور معاملے کو سنبھالتے ہوئے بولا کہ فریجا یہاں آنے کو اس قدر مضطرب اور بے چین تھی کہ ایک ہفتے سے اس کی بھوک پیاس اڑ گئی تھی۔ اور جب تھرائم نے دلہن کا گھونگھٹ اٹھایا تو اسے ایسا محسوس ہوا گویا تھور کی غضب ناک نگاہیں اسے گھور رہی ہیں۔ ایک بار پھر لوکی کو معاملہ سنبھالنا پڑا اور اس نے یہ تشریح پیش کی کہ دلہن اپنی آئندہ زندگی کے تصور میں اس قدر گم تھی کہ وہ ایک ہفتے سے سو نہیں سکی ہے۔

تھرائم اپنی دلہن کو خوش رکھنے کیلئے بولا کہ ہتھوڑا فوراً لایا جائے اور دلہن کی گود میں رکھ دیا جائے تاکہ جب وہ نیند سے بیدار ہو تو ہتھوڑے کو دیکھ کر خوشی سے پھولی نہ سمائے اور بے اختیار اس کے گلے لگ جائے۔

ہتھوڑا قبضے میں آتے ہی تھور کے حلق سے ایک فلک شگاف قہقہہ بلند ہوا۔ سب سے پہلے تو اس نے تھرائم کا سر قلم کیا اور پھر تمام دیوؤں اور ان کی نسلوں کا صفایا کر دیا۔ اس طرح یہ ہولناک سلسلہ بند ہوا۔ تھور اب خداؤں کا بیٹ مین یا جیمز بونڈ کا روپ اختیار کر چکا تھا۔ اور ایک بار پھر اس نے گندی طاقتوں کے خلاف کامیابی حاصل کر لی تھی۔

چنانچہ یہ ہے اس دیومالائی کہانی کا خوشگوار انجام۔ لیکن ہوفی ذرا غور کرو، اس کہانی کے پس منظر میں اصل پیغام کیا ہے؟ یہ کہانی اس لیے نہیں بیان کی گئی کہ دلچسپ اور مزیدار واقعہ سمجھ کر دل بہلا لیا جائے۔ یہ طلسماتی کہانی کچھ اور کہہ رہی ہے۔ میں ایک ممکنہ خیال بیان کرتا ہوں۔

جب خشک سالی کا دور طویل ہو جاتا ہے تو لوگ سوال کرتے ہیں کہ بارش کیوں نہیں ہو رہی ہے؟ انہیں کیا معلوم کہ تھور کا ہتھوڑا چوری ہو گیا ہے۔ شاید یہ طلسم اسی لیے بیان کیا گیا ہے کہ ہر سال موسم کی تبدیلی کا جواز پیش کی جا سکے۔ موسم سرما میں قدرت کی صلاحیتیں مفقود ہو کر

Marfat.com

رہ جاتی ہیں کیونکہ تھور کا ہتھوڑا جوتن ہیم میں بند ہے۔ لیکن موسم بہار میں وہ اس کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ اس طرح یہ صنمیات کی تشریح عام لوگوں کو سمجھانے کیلئے ہے۔ اس کے باوجود لوگ مختلف توجیہات خود بخود پیدا کر لیتے ہیں اور ان دیکھے خداؤں کی پرستش میں طرح طرح کی تقریبات منعقد کرتے ہیں۔

اب تک ہم نے جن صمیات کا ذکر کیا ہے وہ صرف ناروے کی طلسماتی دنیا کے بارے میں ہے۔ بلکہ تھور اور اوڈین، فریرا اور فریجا، ہوڈر اور بالڈر اور بے شمار دوسرے خداؤں کے بارے میں بھی کئی کہانیاں مقبول عام ہیں۔ ایسی کہانیاں دنیا کے دوسرے ممالک میں بھی موجود ہیں اور فلسفیوں نے ان کا حال تفصیل سے بیان کیا ہے۔

یونان میں بھی ایسی داستانیں عام ہیں اور نسل در نسل چلی آ رہی ہیں۔ یونان کے خداؤں میں زیوس اور اپولو، ہیرا اور اتھین، ڈونی ساس اور ایس کلیپیوس، ہرکولیس اور ہینا کسوس زیادہ مشہور و معروف ہیں۔ سات سو سال قبل مسیح میں زیادہ تر داستانیں ہومر اور ہیوڈ نے تحریر کیں اور انہوں نے دیوتاؤں کی دنیا میں ایک ہلچل مچا دی۔ اب یہ داستانیں زبانی نہیں بلکہ تحریری شکل میں موجود تھیں اور ہر شخص ان معاملات پر بات چیت اور بحث مباحثہ کر سکتا تھا۔

دور قدیم کے فلسفیوں نے ہومر کے طرز تحریر پر کافی اعتراضات کیے کیونکہ ان دستانوں میں دیوتاؤں کو جھگڑالو، خود غرض، غدار اور بے وفا ثابت کیا گیا ہے اور پہلی بار یہ ثابت کیا گیا کہ یہ اختراعات ہیں اور انسانی تصورات کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔

اس نظریے کے ایک ترجمان فلسفی ایگزی فینس جو اندازاً 570 قبل مسیح میں زندہ تھا، اس کا کہنا تھا کہ انسانوں نے اپنے دماغ میں ان دیوتاؤں اور خداؤں کو جنم دیا ہے۔ ان ضعیف الاعتقاد لوگوں کا خیال تھا کہ یہ خدا باقاعدہ جسم رکھتے تھے، کپڑے پہنتے تھے اور اپنی زبان میں باتیں کرتے تھے۔ حبشہ کے رہنے والوں کا اعتقاد تھا کہ یہ دیوتا آبنوسی رنگ کے اور چپٹی ناک رکھتے تھے۔ ایک اور قوم ان کے بارے میں یہ تصور رکھتی تھی کہ ان کے بال سیدھے اور آنکھیں نیلی تھیں۔ اگر بیلوں، گھوڑوں اور شیروں کا ایک امتزاج پیدا کیا جائے تو صحیح معنوں میں یہ ان دیوتاؤں کی درست تصویر کشی ہوگی۔

اس دور میں یونانیوں نے بہت سے شہر آباد کے، نہ صرف یونان میں بلکہ نو آبادیوں میں

Marfat.com

بھی۔ یہاں ہر کام غلام سرانجام دیا کرتے تھے اور یونانی شہریوں کو کھلی چھٹی تھی کہ سارا وقت سیاست اور تہذیب وثقافت میں بسر کریں۔ ایسے آزاد ماحول میں لوگ دور دور کی کوڑی لانے لگے۔ ان کو کھلی چھٹی تھی کہ اپنا معاشرہ خود ترتیب دیں اور جیسے چاہیں دیوتاؤں اور خداؤں کی پرستش کریں۔ اس دور کو ہم اساطیری دور کی ترقی قرار دے سکتے ہیں۔

سوفی اپنی پناہ گاہ سے باہر نکل آئی اور باغ میں اِدھر اُدھر چکر لگانے لگی۔ اس نے ان خیالات کو ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کی جو اس نے اسکول میں سیکھے تھے، خصوصاً سائنس کے علم کے بارے میں۔

اگر اس نے ساری عمر اسی باغ میں بتائی ہوتی اور دنیا کے بارے میں کچھ نہ جانتی تو اسے علم نہ ہوتا کہ دیوی دیوتا کیا ہوتے ہیں؟ کیا اسے کوئی نئی تشریح ایجاد کرنی چاہیئے کہ اچانک بارش کیسے برسنے لگتی ہے؟ کیا اسے کسی خیالی واہمے پر کام کرنا چاہے اور یہ نظریہ سامنے لانا چاہیئے کہ برف کہاں غائب ہو جاتی ہے اور صبح صبح سورج کیوں اپنی شکل دکھانے کو آ جاتا ہے؟ ہاں، اسے ضرور بالضرور ایسا کوئی کارنامہ انجام دینا چاہیئے اور اس نے ایک داستان ترتیب دینی شروع کر دی ہے۔

سردی کی شدت نے بری طرح ہر ایک کو پریشان کر رکھا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ شیطان مریات نے حسین وجمیل شہزادی سکیتا کو ایک انتہائی سرد قید خانے میں قید کر رکھا تھا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ ایک بہادر شہزادہ بریواٹو نامی وہاں آن نکلا اور اس نے شہزادی مریات کو قید سے چھڑا لیا۔ شہزادی مارے مسرت کے اس قدر شاد ماں ہوئی کہ اس نے بے اختیار سبزہ زار پر رقص کرنا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ گانا بھی گاتی جا رہی تھی، یہ گانا اس نے اپنے تکلیف دہ قید میں ترتیب دیا تھا۔ اس کا گانا سن کر زمین اور درخت بھی وجد میں آ کر اپنی جگہ چھوڑ بیٹھے اور تمام برف آنسوؤں میں تبدیل ہو گئی۔ اس موقع پر سورج باہر نکلا اور تمام آنسو اس کی حدت سے خشک ہو گئے۔ چڑیوں اور دیگر پرندوں کو بھی یہ گیت بے حد پسند آیا اور جب خوبصورت شہزادی کے سنہری بال نیچے گرے تو چند لٹیں بھی زمین پر چلی آئیں اور پوری زمین سوسن کے پھولوں سے بھر گئی۔

سوفی کو اپنی یہ کہانی بہت پسند آئی۔ اگرچہ اس کے پاس موسم بدلنے کیلئے کوئی اور توجیہہ نہیں تھی لیکن اسے یقین تھا کہ یہ کہانی نہ صرف اسے بلکہ ہر ایک کو مطمئن کر دے گی۔ وہ یہ بات اچھی طرح جانتی تھی کہ قدرت کے معاملات پر لوگ تھوڑا بہت علم رکھنا کافی سمجھتے ہیں۔ ہر شخص سائنس کے آنے سے قبل ان دیومالائی کہانیوں کو ہی سب کچھ سمجھتا تھا۔

Marfat.com

فطری فلسفہ دان

اس شام جب سوفی کی ماں کام پر سے واپس آئی تو اس نے دیکھا کہ سوفی گہرے خیالات میں غرق ہے۔ شاید فلسفے کا کوئی مسئلہ الجھا ہوا تھا یا ہلڈی مولر کا نگ کے کارڈ کا معاملہ تھا جو اس کی سالگرہ کے موقع پر اس کے باپ نے بھیجا تھا۔

ذرا دیر بعد اس کی ماں نے آواز دی۔ ''سوفی! تمہارے نام ایک لفافہ آیا ہے۔''

سوفی دم بخود رہ گئی۔ وہ میل بکس پہلے ہی خالی کر چکی تھی، لہٰذا ظاہر ہے کہ لفافہ اسی فلسفی کی طرف سے آیا ہوگا۔ ہوسکتا ہے کوئی چیز وہ خود ڈال گیا ہو، سوفی نے لفافہ ماں کے ہاتھ سے لے لیا۔

''کیا تم اسے کھول کر نہیں دیکھو گی؟'' ماں نے کہا۔ سوفی کا ذہن جاگ اٹھا۔ ماں کو سوچنے دو کہ یہ کسی دوست کا پیار بھرا خط ہے۔ یہی بہتر ہے کہ وہ غلط فہمی میں مبتلا رہے، بجائے اس کے کہ اسے معلوم ہو کہ اس کی بیٹی کسی اجنبی یا فلاسفر کے ساتھ آنکھ مچولی کھیل رہی ہے۔

یہ ایک چھوٹا سا سفید لفافہ تھا۔ سوفی جب اپنے کمرے میں پہنچی تو اس کے ذہن میں تین سوالات گردش کر رہے تھے۔

1- دنیا میں جو کچھ بھی پیدا کیا گیا ہے، کیا اس کی کوئی بنیادی دلیل یا حقیقت موجود ہے؟
2- کیا پانی خود بخود شراب میں تبدیل ہوسکتا ہے؟
3- پانی اور زمین کے ملاپ سے مینڈک کیسے پیدا ہوتا ہے؟

سوفی کو خود بھی احساس تھا کہ یہ کیسے احمقانہ خیالات ہیں، لیکن پھر بھی اس کے ذہن میں ایک کھلبلی سی مچی ہوئی تھی۔ دوسرے دن بھی اسکول میں وہ یہی باتیں سوچتی رہی اور باری باری ایک ایک سوال پر غور کرتی رہی۔ کیا کوئی بنیادی اصلیت یا حقیقت موجود ہے؟ اگر کوئی ایسا جوہر ہے تو یک بیک یہ کسی پھول یا ہاتھی میں کیسے تبدیل ہو جاتا ہے؟

Marfat.com

یہی عذر دوسرے سوال پر بھی لاگو ہوتا ہے کہ پانی، شراب میں کیسے تبدیل ہو جائے گا؟

سوفی اس روحانی حکایت کے بارے میں جانتی تھی کہ کیسے حضرت عیسیٰؑ نے ایسا معجزہ دکھایا تھا تو یہ انہی کا کمال تھا۔ ایک عام آدمی ایسا نہیں کر سکتا ہے۔ سوفی بس اتنا جانتی تھی کہ ہر شے میں پانی کی ایک وافر مقدار موجود ہے۔ اگر کھیرے یا ککڑی میں پچانوے فی صد پانی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ کچھ اور بن گیا۔ کھیرا آخر کھیرا ہے، پانی نہیں ہے۔

اب سوال اٹھتا ہے مینڈک کے بارے میں۔ اس کی فلسفے کی ٹیچر نے مینڈکوں کے بارے میں کچھ انوکھی اور دقیانوسی باتیں اسے سنائی ہوئی تھیں۔ سوفی نے اس بات کا تو کسی حد تک یقین کر لیا تھا کہ مینڈک کی پیدائش میں زمین اور پانی کا ہاتھ ہے اور اس میں زمین کا حصہ زیادہ ہے۔ اگر زمین میں بے شمار خوبیاں پوشیدہ ہیں تو یقینی طور پر مینڈک کی پیدائش میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ اسی طرح پانی کا بھی اپنا کردار ہے۔

اسکول سے گھر واپس آتے ہوئے سوفی کو میل بکس سے ایک اور موٹا سا لفافہ ملا۔ سوفی حسب معمول اپنی پناہ گاہ کی طرف چل پڑی۔

فلسفی کا منصوبہ

ہم دونوں آج پھر آمنے سامنے ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ اِدھر اُدھر کی باتوں میں وقت ضائع کرنے کے بجائے ہم براہ راست مطلب کی بات پر آ جائیں۔ قدیم اور جدید فلسفیوں کے بارے میں عام لوگوں کی رائے کیا ہے، میں اس کا ایک ہلکا پھلکا جائزہ پیش کرتا ہوں۔

فلسفہ داں مختلف ادوار میں پیدا ہوتے رہے ہیں۔ اسی طرح ان کی تہذیب و ثقافت بھی الگ الگ تھی۔ چنانچہ یہ ایک الگ اور پر لطف بات ہوگی کہ ہم ہر ایک دور کا اور ہر فلسفی کا الگ الگ رنگ ڈھنگ دیکھ سکیں اور ان کے منصوبوں پر ایک نظر ڈال سکیں۔ ممکن ہے کوئی فلسفی یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ پیڑ پودے اور جانور اس جہاں میں کب آئے اور کس طرح نشو و نما پاتے رہے۔ دوسرا فلسفی خدا کی تلاش میں ہے اور جاننا چاہتا ہے کہ کیا انسان کوئی لافانی روح ہے؟

جب ہم کسی فلسفی کے ارادوں سے واقف ہو جائیں گے اور یہ جان لیں گے کہ وہ کس دور میں زندہ تھا، تب اس کے خیالات کا اندازہ ہم آسانی سے کر سکیں گے۔ ہر فلسفی کا اپنا اپنا الگ

Marfat.com

میدان ہے اور یہ بھی ماننا ہوگا کہ ہر فلسفی دنیا کے ہر موضوع پر دسترس نہیں رکھتا ہے۔

خیال رہے، میں نے یہ کہا ہے کہ ہر فلسفی کی سوچ اور فکر کا اندازہ کرنا ضروری ہے۔ یہ بھی انسان کی کہانی اور داستان جاننے کیلئے ضروری ہے۔

دور قدیم کی خواتین محکوم اور غلام تھیں، یہاں تک کہ ان کی سوچ اور غور و فکر کرنے پر بھی پابندی عائد تھی۔ یہ ایک مقام افسوس ہے، کیونکہ اس طرح ہم نے ایک قیمتی جوہر کو ضائع کر دیا۔ اب موجودہ صدی میں جا کر ہمارے دانشوروں اور سیاست دانوں کو کچھ خیال آیا ہے، تب خواتین علم کے میدان میں کارنامے سرانجام دے رہی ہیں اور تاریخ میں اپنا نام روشن کر رہی ہیں۔

میں تمہیں کسی مشکل میں گرفتار نہیں دیکھنا چاہتا لہذا کوئی ہوم ورک یا حساب کا کوئی گمبھیر سوال نہیں دے رہا ہوں۔ بس وقتاً فوقتاً چھوٹے موٹے معاملات تمہارے سپرد کرتا رہوں گا۔

عموماً قدیم دور کے یونانی فلسفیوں کو فطری فلسفہ داں کہا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ بڑی سنجیدگی کے ساتھ دنیا، فطرت اور طریق کار پر پوری توجہ دے رہے تھے۔ عام لوگ زیادہ گہرائی میں جانے کی کوشش نہیں کرتے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ اپنی حیرانی کا اظہار کر دیتے ہیں کہ یہ چیز کیسے اور کیوں۔ آج یہ تصور کر لیا جاتا ہے کہ یہ چیز کبھی وجود میں آ گئی تھی، کہیں نہ کہیں سے پیدا ہو گئی تھی یا خود بخود بن گئی تھی اور بس۔ اس سے زیادہ دماغ کھپانا ہمارے بس میں نہیں۔ لیکن یونانیوں اور خصوصاً فلسفیوں کے نزدیک معاملے کو سرسری نگاہ سے دیکھنا ایک جرم تھا۔ وہ پورا پورا سراغ لگانے کی کوشش کرتے تھے اور اس چیز کو تلاش کرتے تھے جو کہیں نہ کہیں موجود تھی۔

کوئی چیز کیسے خود بخود پیدا ہو جاتی ہے، یہ اصل سوال نہیں تھا۔ دوسری طرف یونانی حیرانگی سے سوچنے لگ جاتے تھے کہ پانی میں زندہ مچھلی کہاں سے آئی اور بے جان زمین میں سے خوش نما پھول پودے اور بڑے بڑے قد آور درخت کیسے اگ آئے۔ رحم مادر میں بچہ کس طرح پرورش پاتا ہے۔ فلسفہ داں حضرات ہر چیز کا بغور مطالعہ کرتے تھے اور اپنی آنکھوں سے دیکھ کر نتیجہ اخذ کرتے تھے۔ ہر ایک چیز کی قلب ماہیت اور کایا پلٹ کا نظارہ کرنا ان کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔

فلسفی حضرات پوری توجہ سے مشاہدہ کرنا پسند کرتے تھے کہ قدرت ایسا کون سا عمل کرتی ہے جس کی وجہ سے تغیر طبیعی عمل میں آتی ہیں۔ کیسے وہ تبدیلی عمل پذیر ہوتی ہے جس میں کوئی بے جان چیز اچانک جان دار شے میں تبدیل ہو جاتی ہے؟ ہر فلسفی کو یہ یقین کامل تھا کہ ہر تبدیلی کے پیچھے

Marfat.com

کوئی نہ کوئی بنیاد ضرور ہے۔ وہ لوگ اس نتیجے پر کیسے پہنچے، اس کا جواب مشکل ہے۔ ہمیں صرف اتنا معلوم ہے کہ اس خیالی تصور کے پیچھے کوئی وجہ ضرور پوشیدہ تھی۔ جو صرف قدرت ہی جانتی ہے۔

یہ بات ضرور ہمارے لیے دلچسپی کا باعث ہے کہ ان فلسفیوں نے بالآخر کیا حل تلاش کیا اور کس نتیجے پر پہنچے؟ ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ وہ کایا پلٹ کو کس طرح دنیا کے سامنے لائیں۔ وہ قدرت کی تمام تغیرات کا بغور مطالعہ کر رہے تھے۔ وہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ ان کے گرد کیا ہو رہا ہے اور دیومالائی کہانیاں کیا کہہ رہی ہیں۔ اور سب سے اہم بات یہ کہ وہ عقلی طور پر یہ سمجھنا چاہتے تھے کہ قدرت کا طریقہ کار کیا ہے۔ یہ بالکل ایک علیحدہ نظریہ تھا اور اس بات سے اس کو کوئی تعلق نہ تھا کہ بادل کیوں گرجتے ہیں اور بجلی کیسے چمکتی ہے۔ یا موسم سرما اور موسم گرما کے بارے میں خداؤں کی بنائی ہوئی کہانیاں کیا کہتی ہیں۔

فلسفے نے مذہب سے اپنی راہیں جدا کر لیں۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قدرتی فلسفیوں نے سائنسی توجیہہ کی جانب پہلا قدم بڑھا دیا اور اس طرح سائنس پر فضیلت حاصل کر لی۔ ہم تک فلسفیوں کی تحقیقات کا جو تھوڑا بہت نچوڑ سامنے آیا، وہ ارسطو کے ذریعے پہنچا جو دو سو سال بعد لکھا گیا۔ اس نے بھی صرف اتنا ہی بتایا کہ فلسفی لوگوں نے بالآخر کیا نتیجہ اخذ کیا۔ چنانچہ ہم لوگ یہ بات جاننے سے قاصر ہیں کہ وہ کس طرح سے اس نتیجے پر پہنچے۔ لیکن بس اتنا ہم لوگ جان گئے کہ دور قدیم کے فلاسفر کا منصوبہ اس بات سے متعلق تھا کہ ایک بے مقصد اور بے جان چیز کیسے اپنی ہیت تبدیل کر لیتی ہے۔

مالیطوس کے تین فلسفہ دان

پہلا فلسفہ داں جسے ہم جانتے ہیں، وہ ہے تھالس، جو ایشیائے کوچک کے ایک یونانی نوآبادی مالیطوس سے آیا۔ اس نے کئی ممالک کے سفر کیے اور مصر میں بھی کچھ عرصہ گزارا جہاں اس نے ایک ہرم کی مکمل پیمائش کی اور اس پر پڑنے والے سایوں کے متعلق تحقیق کی اور اس لمحے کے بارے میں بھی بیان کیا جب اس کا اپنا سایہ اس سایے کے برابر آ گیا تھا۔ اس کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے 585 قبل مسیح میں یہ پیش گوئی کر دی تھی کہ اس پر سورج گرہن کون کون سے موقع پر پڑے گا۔

Marfat.com

تھالس کا کہنا تھا کہ ہر چیز کی جڑ صرف پانی ہے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ اسی بات سے اس کا مطلب کیا تھا۔ شاید اس کا مطلب یہ تھا کہ پانی سے ہی ہر چیز نشو ونما پاتی ہے اور جب اس کی زندگی ختم ہوتی ہے تو وہ پانی میں ہی مل جاتی ہے۔

اپنے مصر کے سفر کے دوران اس نے اس بات کا بڑی عرق ریزی سے جائزہ لیا کہ فصل کیسے پھلتی پھولتی ہے جب دریائے نیل میں طوفان آتا ہے اور جب زمین سکڑتی ہے تو زمین مثلث نما کیونکر بن جاتی ہے۔ اس نے اس چیز کا بھی بغور مطالعہ کیا کہ جب بارش ہوتی ہے تو وہاں مینڈک اور دوسرے کیڑے مکوڑے خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔ ان کو سامنے رکھ کر تھالس نے اس موضوع پر خوب غور کیا کہ پانی برف یا بادل میں کیسے تبدیل ہو جاتا ہے اور پھر دوبارہ پانی کیوں ہو جاتا ہے۔ تھالس کا یہ بھی کہنا تھا کہ ہر چیز اپنی ذات میں مکمل خدا ہے۔ اس بات سے اس کا اصل مطلب کیا تھا، ہم صرف قیاس کر سکتے ہیں۔ لیکن ہم اپنے سامنے اس کا مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ ہماری سپاٹ زمین ہی وہ واحد ذریعہ ہے جس سے زندگی کے چشمے پھوٹتے ہیں اور پھلوں پھولوں سے لے کر دھان، کھلیان اور کیڑے مکوڑے جنم لیتے ہیں۔ اس نے پہلے ہی پہچان لیا تھا کہ زمین میں بے شمار نادیدہ طاقتیں پوشیدہ ہیں۔ یہاں ایک بات اور ہے کہ اس نے ہومر کے خداؤں کے بارے میں بالکل کوئی بات نہیں کی۔

اس سلسلے کا دوسرا فلسفہ دان ہے، اناکسی مینڈر، یہ شخص بھی مالیطوس کا ہی رہنے والا تھا اور اس کا دور بھی تھالس کے آس پاس ہی ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ ہماری دنیا ان لاتعداد دنیاؤں میں سے ایک ہے جو پھلتی پھولتی ہیں اور پھر فضائے بسیط میں تحلیل ہو جاتی ہیں۔ اس بات کی تشریح بڑی مشکل ہے کہ فضائے بسیط سے اس کی مراد کیا تھا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی خاص نظریے پر نہیں سوچ رہا تھا جیسا کہ تھالس کا خیال تھا۔ یقیناً اس کا اندازہ یہ تھا کہ وہی بے جان شے اپنے اندر کوئی ایسی خاصیت رکھتی ہے جو بعد میں کسی وجود کی شکل میں ڈھل جاتی ہے۔ کیونکہ پیدا ہونے والی بیشتر اشیاء محدود ہیں۔ چنانچہ ثابت ہوا کہ ہر چیز کا بنیادی عنصر پانی ہی ہے۔

مالیطوس کے سلسلے کا تیسرا فلسفہ داں اناکسی مینس ہے جس کی زندگی کا عرصہ 526 سے 570 قبل مسیح ہے، اس کی رائے میں ہوا اور بادل کی اہمیت زیادہ ہے۔ اناکسی مینس، تھالس کی پانی کے فلسفے سے متفق تھا، مگر پانی کہاں سے پیدا ہوا؟ اناکسی مینس کی رائے میں یہ منجمد ہوا تھی۔ ہم

Marfat.com

نے یقیناً یہ مشاہدہ کیا ہوگا کہ جب بارش ہوتی ہے تو ہوا کا دباؤ زیادہ ہو جاتا ہے۔ اور جب ہوا کا دباؤ مزید بڑھ جاتا ہے تو بارش تھم جاتی ہے۔ اس نے مزید یہ تجربہ کیا ہوگا کہ کس طرح زمین اور ریت مل کر برف میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اس نے یہ بھی نظریہ پیش کیا کہ آگ ایک لطیف ہوا ہے۔ اناکسی مینس کے مطابق ہوا، پانی اور آگ کا امتزاج ہے۔ یقیناً اناکسی مینس نے سوچا کہ ہوا، زمین اور آگ زندگی کیلئے لازمی اجزاء ہیں لیکن بنیادی عنصر ہوا اور برف ہیں۔ چنانچہ تھالس کی طرح اس نے بھی یہی فیصلہ دیا کہ کوئی نہ کوئی جز و ایسا ہے جو ٹھوس حقیقت رکھتی ہے اور وہی چیز رفتہ رفتہ تبدیل شدہ شکل اختیار کر لیتی۔

ٹائیں ٹائیں فش

مندرجہ بالا تینوں فلسفہ داں اس بات پر متفق تھے کہ کوئی بے وقعت سی چیز یہ صلاحیت رکھتی ہے کہ وہ وقت آنے پر ان کو زندگی میں تبدیل کر دے۔ مگر مسئلہ یہی تھا کہ کوئی بے کار شے اچانک کسی اور چیز میں کیسے بدل جاتی ہے؟ اس سوال کو ہم تبدیلی کا مسئلہ کہہ سکتے ہیں۔ تقریباً پانچ سو سال قبل مسیح یونان کے مقبوضہ علاقے ایلیا میں فلسفیوں کا ایک گروپ رہائش پذیر تھا۔ ان ایلیائی فلسفہ دانوں نے اس سوال کا حل تلاش کرنے میں کافی دلچسپی لی۔

پرمیندلیس نامی فلاسفر ان سب میں ایک نمایاں حیثیت رکھتا تھا (B-C 540-480)۔ پرمیندلیس کا نظریہ یہ تھا کہ جو چیز وجود رکھتی ہے وہ ازل سے ہی موجود ہے۔ یہ نظریہ یونانیوں کو نہیں بھایا۔ انہوں نے یہ سمجھا کہ ہر وہ چیز جو وجود رکھتی ہے وہ تا ابد قائم رہے گی۔ اور جو چیز نہیں ہے، وہ کبھی نہیں پیدا ہوگی۔

لیکن پرمیندلیس نے اس نقطہ نظر میں مزید اضافہ کیا۔ اس نے سوچا کہ ایسی کوئی چیز موجود ہی نہیں ہے۔ جو حقیقی تبدیلی لا سکے اور صرف وہی چیز برآمد کی جا سکتی ہے جو پہلے سے کہیں خام شکل میں موجود تھی۔

پرمیندلیس نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا کہ قدرت مسلسل حرکت میں ہے۔ اس نے اپنی ذہانت سے اندازہ لگا لیا کہ ہر چیز تغیر پذیر ہے۔ لیکن وہ انصاف اور یقین کے ساتھ نہ کہہ سکا کہ یہ بات اسے کس طرح معلوم ہوئی۔ جب اس سے ذرا سختی کے ساتھ پوچھا گیا کہ وہ صاف

Marfat.com

صاف بتائے کہ وہ یقین کے ساتھ یہ سب کچھ کہہ رہا ہے یا اپنی عقلی توجیہہ کے مطابق، تو اس نے عقلی توجیہہ کو ترجیح دی۔

اس کے الفاظ کچھ یوں تھے۔ ''میں اسی وقت یقین سے بتا سکتا ہوں جب میں خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں۔'' لیکن پرمینڈیس نے اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود یقین نہیں کیا۔ اس کا استدلال یہ تھا کہ ہمارا ذہن بعض اوقات غلط تصویر پیش کرتا ہے۔ ایک ایسی تصویر جو ہمارے تصور سے مطابقت نہیں رکھتی۔ بحیثیت ایک فلسفہ داں کے فلسفیانہ فریب کے نظریہ سے اس نے دیکھا۔ ایک بات پر قائم رہنے کو عقلیت پسندی کہا جاتا ہے اور ایک عقلیت پسند وہ ہے جو دنیا کے علم میں سے کسی ایک نظریے کی حمایت پر جم جاتا ہے۔

ہر شے رواں دواں ہے

پرمینڈیس کا ایک ہم عصر ہیراکلیٹس تھا جس کا دور 540-480 قبل مسیح ہے۔ یہ ایشیائے کوچک کے علاقے ایفیسوس سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے نظریے کے مطابق کہ مسلسل تبدیلی یا بہاؤ قدرتی عمل کا ایک منطقی نتیجہ تھا۔ گویا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہیراکلیٹس کا مطالعہ پرمینڈیس کے مقابلے میں زیادہ فکر انگیز تھا۔

''ہر شے رواں دواں ہے۔'' ہیراکلیٹس کا قول تھا۔ ہر شے اپنے مدار پر چل رہی ہے اور کوئی چیز اس قانون سے روگردانی نہیں کرتی ہے اور نہ ہی دوبارہ اس مدار میں داخل ہو سکتی ہے۔ مثلاً اگر میں دوسری بار دریا میں قدم رکھتا ہوں تو اس وقت دریا وہ دریا نہیں رہتا جو پہلے تھا۔

ہیراکلیٹس نے نشان دہی کی کہ دنیا کی خصلت متضاد ہے۔ اگر ہم پر بیماری نازل نہ ہو تو ہم صحت کی قدر کیسے کریں گے۔ اگر ہم کسی وقت بھوک سے پریشان نہ ہوں تو خورونوش کی نعمت سے کیسے سرفراز ہو سکتے ہیں۔ اگر دنیا میں جنگ نہ ہو تو امن کا تصور کیسے آئے گا۔ اور جب خزاں کا موسم نہیں آئے گا تو بہار دیکھنے کیلئے ہم ترس کر رہ جائیں گے۔

بھلائی اور برائی وہ اٹل حقیقتیں ہیں جو اپنے اپنے مدار میں گھوم رہی ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو دنیا میں انتشار پھیل جائے گا اور سارا نظام تہس نہس ہو کر رہ جائے گا۔

خدا کا وجود مستقل قائم ہے۔ اس میں دن اور رات، خزاں اور بہار، جنگ اور امن، بھوک

Marfat.com

اور شکم سیری کی کوئی قید نہیں۔اس کا یہ کہنا بھی ایک عجیب منطق ہے کہ اس نے خدا کا لفظ دیو مالائی خداؤں کے بارے میں استعمال نہیں کیا۔ ہیراکلیٹس نے کہا کہ خدا یا دیوتا یقیناً وہ حقیقت ہے، دنیا جس کی پوجا کرتی ہے اور جس نے دنیا کو گلے لگا لیا ہے۔لیکن درحقیقت خدا کیا ہے؟ خدا وہ ہے جو مسلسل کایا پلٹ اور تغیر وتبدیلی کی صورت میں نمایاں ہے۔

لفظ ''خدا'' کے بجائے ہیراکلیٹس یونانی زبان کے خاص وہ الفاظ ادا کرتا تھا جو عیسائی عبادت میں استعمال کرتے ہیں۔ ہیراکلیٹس کا اعتقاد تھا کہ عائلی قانون کے مطابق خدا کی نعمت ہر ایک کیلئے عام ہے اور اس کی رحمتوں کے دروازے ہر ایک کیلئے کھلے ہوئے ہیں۔

چار بنیادی اصول

اگر بغور دیکھا جائے تو ایک طرح سے پرمینڈس اور ہیراکلیٹس دونوں ایک دوسرے کے مخالف تھے۔ پرمینڈیس اس بات کا سختی سے قائل تھا کہ کوئی چیز تبدیل نہیں ہوسکتی۔ ہیراکلیٹس کا شعور کہتا تھا کہ ایسا ہوسکتا ہے۔آپ کس کے خیالات سے متفق ہیں۔

پرمینڈیس کہتا ہے:

1- کوئی چیز تبدیل نہیں ہوسکتی۔

2- ہمارے ہوش وحواس اور تصور نا قابل اعتماد ہونے چاہییں۔

ہیراکلیٹس کا کہنا ہے:۔

1- ہر شے تغیر پسند ہے۔

2- ہمارے ہوش وحواس اور تصور کو قابل اعتماد ہونا چاہیئے۔

فلسفہ دان ان باتوں سے اختلاف رکھ سکتے ہیں۔لیکن آخری فیصلہ ایمپیڈوکلز نے کیا جو چار سو تیس سے چار سو نوے قبل مسیح میں موجود تھا۔اس کا تعلق سسلی سے تھا اور ان صاحب نے وہاں کے باشندوں کو ایک بہت بڑی الجھن سے نجات دلائی تھی۔اس کا خیال تھا کہ دونوں کا ایک دعویٰ درست تھا اور دوسرا غلط۔

ایمپیڈوکلز نے دونوں فلسفہ دانوں کے نظریات میں یہ فرق تلاش کرلیا کہ دونوں ایک ہی بات پر بضد ہیں۔اگر اس کو تسلیم کرلیا جائے تو پھر کوئی مسئلہ ہی باقی نہیں رہتا۔یہ یقینی بات ہے

Marfat.com

کہ پانی خود بخود ایک مچھلی یا تتلی میں نہیں ڈھل سکتا۔ درحقیقت پانی بدل نہیں سکتا۔ صاف ستھرا اور اصلی پانی اپنی حیثیت میں برقرار رہے گا۔ چنانچہ پرمینڈیس اس معاملے میں حق بجانب تھا کہ ''کسی چیز میں تبدیلی نہیں ہوسکتی''۔ لیکن دوسری طرف ایمپیڈوکلز اتفاق کرتا ہے کہ ہیرا کلیٹس بھی اپنی جگہ درست تھا اور ہمیں اپنی عقل وخرد پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔ ہمیں سب کچھ صاف نظر آرہا ہے اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ فطرت کہاں کہاں اور کب کب تبدیل ہورہی ہے۔

ایمپیڈوکلس نے بات کو یہاں لاکر ختم کیا کہ یہ سب کچھ بنیادی طور پر ایک خیال کا لب لباب ہے اور اس پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیئے۔ تنہا پانی یا ہوا پھول اور تتلی میں تبدیل نہیں ہوسکتے۔ محض ایک عنصر فطرت کے کام میں اثر انداز نہیں ہوسکتا۔ ایمپیڈوکلس پر اعتماد تھا کہ فطرت نے چار اصول بنائے ہیں اور تمام بنیادیں انہی عناصر سے منسلک ہیں۔ یہ چار عناصر ہیں، زمین، ہوا، آگ اور پانی۔

تمام قدرتی عوامل اسی وقت سرگرم عمل یا ناقابل عمل ہوتے ہیں جب یہ چاروں عوامل بیک وقت موجود ہوں، یا ان میں سے کوئی ایک کم ہو۔ ہر چیز زمین، ہوا، آگ اور پانی کا مجموعہ ہوتا ہے اور مختلف تناسب سے۔ جب کوئی پھول مرجھا جاتا ہے یا کوئی جانور مرجاتا ہے تو یہ چاروں عناصر جدا ہوجاتے ہیں۔ ہم اپنی کھلی آنکھوں سے یہ سب دیکھ رہے ہیں۔ زمین، ہوا، آگ اور پانی کا وجود زندہ جاوید ہے اور ایک آمیزہ ہیں۔ چنانچہ یہ کہنا درست نہیں ہے کہ بنیادی طور پر ہر چیز میں تبدیلی آتی رہتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ چاروں عناصر متحد ہیں اور وقتی طور پر جدا ہوتے ہیں، دوبارہ متحد ہونے کو۔

مثال کے طور پر ایک موازنہ کرتے ہیں۔ اگر ایک رنگ ساز کے پاس صرف ایک ہی رنگ ہے، فرض کریں سرخ، تو وہ سبز درخت کیسے بنائے گا۔ لیکن اگر اس کے پاس زرد، سرخ، نیلا اور سیاہ رنگ موجود ہیں تو وہ ان کے امتزاج سے کئی طرح کے رنگ بنا سکتا ہے۔ کچن کی مختلف اشیاء کو ملاحظہ فرمایئے! اگر ہمارے پاس صرف آٹا ہے تو صرف جادو کے زور پر ہی میں کیک تیار کرسکتا ہوں۔ لیکن اگر میرے پاس انڈے، آٹا، دودھ اور شکر ہے تو میں کئی طرح کے کیک بنا سکتا ہوں۔

یہ کوئی اتفاق نہیں تھا کہ ایمپیڈوکلس نے اچانک زمین، ہوا، آگ اور پانی کو

Marfat.com

دریافت کرلیا۔ اس سے قبل کئی ایک فلسفہ داں اس بنیادی شے کی تلاش میں تھے اور وہ پانی، آگ اور ہوا کے بارے میں متفق تھے۔ چوتھا عنصر غائب تھا۔ تھالس اور اناکسی مینز نشان دہی کر چکے تھے کہ پانی اور آگ اس مادی دنیا کیلئے ضروری عناصر ہیں۔ یونانیوں کو آگ کے بارے میں زیادہ یقین تھا۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ سورج کی روشنی زندگی کی حرارت کے لیے ضروری ہے اور انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ انسان اور جانور جسمانی طور پر حرارت سے بھرپور ہیں۔

ایمپیڈوکلس نے کسی لکڑی کے ٹکڑے کے جلنے کا بغور مطالعہ کیا ہوگا، کوئی چیز تبدیل ہو رہی تھی۔ ہم سب اس کے چٹخنے اور چرچرانے کی آوازیں سنتے ہیں۔ یہ آواز پانی کی ہے، اور جو چیز دھواں کہلاتی ہے۔ یہ ہوا ہے۔ آگ تو ہم دیکھ ہی رہے ہیں۔ جب آگ بجھ جاتی ہے تو پھر بھی ایک چیز باقی بچ جاتی ہے۔ یہ ہے راکھ، یا زمین۔

ایمپیڈوکلس نے جس خوبصورتی سے قدرت کے قانون کی عملی تفسیر پیش کی ہے، وہ بہ آسانی ہر شخص کی سمجھ میں آجاتی ہے۔ ایمپیڈوکلس اس بات پر بھی بضد تھا کہ فطرت دو مختلف انداز سے کام کر رہی ہے، جنہیں وہ ''جنگ'' اور ''امن'' سے تشبیہہ دیتا تھا۔ امن اور پیار محبت ہمیں ایک دوسرے کے قریب لاتی ہے۔ اور لڑائی جھگڑا دور کر دیتا ہے۔ اس نے ''حقیقت'' اور ''طاقت'' کے درمیان فرق کو واضح کیا۔ یہ ایک قابل قدر کارنامہ ہے۔ آج بھی ہمارے سائنس داں عنصر اور فطرت میں فرق محسوس کرتے ہیں۔

ماڈرن سائنس تسلیم کرتی ہے کہ تمام قدرتی عوامل، مختلف زاویے سے ان اصولوں کے تحت ثابت کیے جاسکتے ہیں۔ ایمپیڈوکلس نے یہ سوال بھی اٹھایا کہ اگر کس بات کو صرف محسوس کرتے ہیں تو یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ ''میں ایک پھول کو دیکھ رہا ہوں''۔ سوفی! کیا کبھی تم نے اس بات پر غور کیا ہے۔

ایمپیڈوکلس اس خیال میں بھی پرعزم تھا کہ آنکھیں بھی زمین، ہوا، پانی اور آگ کا امتزاج ہیں، جیسا کہ قدرت کی ہر شے۔ چنانچہ آنکھ کی زمین اپنے اردگرد کی زمین کو اپنے اندر جذب کرلیتی ہے۔ ہوا جذب کرتی ہے ہوا کو، آگ، آگ کو اور پانی، پانی کو۔ کیا ہم ان چار عناصر کی حقیقت سے انکار کرسکتے ہیں؟

Marfat.com

کچھ نہ ہوتا تو کیا ہوتا

اناکسوگوراس (BC 500-428) وہ دوسرا فلسفہ دان تھا کہ صرف ایک بنیادی عنصر، مثلاً پانی، کسی چیز کی ماہیت تبدیل کرسکتا ہے۔ نہ ہی اس نے یہ تسلیم کیا کہ مٹی، ہوا اور آگ اور پانی، خون اور ہڈی میں تبدیل ہوسکتے ہیں۔ اناکسوگوراس کا نظریہ یہ تھا کہ قدرت نے ایسے بے شمار چھوٹے چھوٹے ذرات بنائے ہیں جو ہمیں نظر نہیں آتے۔ اس کے علاوہ ہر چیز کو کئی حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ لیکن کئی مختصر حصے ایسے بھی ہیں جو دکھائی نہیں دیں گے۔ اگر جلد اور ہڈی کسی اور چیز کی قلب ماہیت سے پیدا نہیں ہوئی، تو اس کا مطلب ہے کہ جلد اور ہڈی پہلے ہی وہاں موجود تھی۔

موجودہ دور میں اس کی کئی مثالیں موجود ہیں جو اناکسوگراس کے خیالات کی تائید کرتی ہیں۔ جدید ترین لیزر ٹیکنالوجی میں اس کی مثال موجود ہے۔ اگر ایک ذرہ کار کی تصویر دیکھتا ہے اور اس ذرے کو الگ کردیا جائے تو ہم پوری کار دیکھنے پر قادر ہوسکیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس مختصر سے ذرے میں پورا وجود پوشیدہ ہے۔

دوسرے معنوں میں ہمارا وجود اس طرح بنایا گیا ہے کہ اگر ہماری انگلی کی ایک مختصر سی جلد بھی جدا ہوجائے تو مرکزی حصہ جلد کے ذرے ذرے کو قابو میں رکھے گا بلکہ اس خلیے کو فوراً پر کردے گا۔ اسی طرح وہی خلیہ میری آنکھوں میں شامل ہوجائے گا۔ یہی حال بالوں کا بھی ہے اور اس طرح دوسرے حصوں کا عمل بھی ایسا ہی ہوگا۔ انسانی جسم کا ہر خلیہ دوسرے انحصار کا ایک خلیہ محفوظ رکھتی ہے۔ چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ "کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر ہے۔"

اناکساگوراس اس چھوٹے چھوٹے خلیوں کو بیج سے مشابہت دیتا تھا۔ لیکن یاد رہے کہ ایمپیڈوکلس کے خیال میں یہ "محبت" تھی جس نے ایک ایک خلیے کو تمام جسم سے جوڑ کر رکھا ہوا تھا۔ اناکسوگوراس نے بھی یہی نتیجہ نکالا کہ "حکم" انسانوں اور جانوروں کے درمیان موجود ہے اور اسی طرح پھولوں اور درختوں میں بھی۔ اس چیز کو اس نے طاقت یا ذہانت سے تعبیر کیا ہے۔

اناکساگوراس اس لحاظ سے بھی ایک دلچسپ شخصیت ہے کہ ایتھنز میں اس کا نام پہلے سنا گیا۔ وہ ایشیائے کوچک سے تعلق رکھتا تھا لیکن چالیس سال کی عمر میں وہ ایتھنز منتقل ہوگیا مگر

Marfat.com

ایتھنز والوں نے اس پر کوئی تہمت لگا کر شہر بدر کر دیا۔ دوسرے عقائد کے علاوہ اس نے یہ بھی کہا کہ سورج کو خدا نہیں ماننا چاہیئے۔ وہ بس سرخ شعلوں میں لپٹا ہوا ایک پتھر ہے۔

انا کسا گوراس کو علم ہیئت میں بھی بے حد دلچسپی تھی۔ اس کو یقین تھا کہ آسمانی مخلوق بھی انہی اجزائے ترکیبی سے بنے ہیں جن سے زمین کے باشندے۔ اس نے یہ نتیجہ ایک ہجر شہابی کے مطالعے سے اخذ کیا۔ چنانچہ وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ دوسرے سیاروں پر بھی انسانی زندگی موجود ہے۔ اس نے اس بات کی بھی نشان دہی کی کہ چاند خود اپنی روشنی اور جگمگاہٹ کا مالک ہے اور یہ روشنی زمین کی بخشش ہے۔ سورج اور سورج گرہن کی طرف بھی اس نے اشارہ کیا۔

مزید اضافہ

سوفی! تم نے بڑی توجہ سے میری باتیں سنیں۔ میں اس کیلئے تمہارا بے حد شکر گزار ہوں۔ شاید تمہیں یہ سب کچھ ٹھیک طرح سے سمجھنے کیلئے دو یا تین بار پڑھنا پڑے، کیونکہ بات کی تہہ تک پہنچنے کیلئے کافی محنت اور ذہانت کی ضرورت ہوتی ہے۔ میرے خیال میں جو لوگ غیر معمولی صلاحیتوں کے حامل ہوں، انہیں ضرور سراہنا چاہیئے۔

اب کل تمہاری ملاقات ڈیموکریٹس سے ہوگی اور تمہارے بقیہ سوالات کا جواب مل جائے گا۔

سوفی اپنی پناہ گاہ میں بیٹھی ایک مختہ رسے سوراخ سے باغ کا جائزہ لے رہی تھی اور ساتھ ہی ساتھ ان باتوں پر بھی غور کر رہی تھی جو اس نے اب تک پڑھا تھا۔

روز روشن کی طرح یہ بات تو عیاں تھی کہ عام سادہ پانی دھوئیں کے علاوہ اور کوئی شکل اختیار نہیں کر سکتا۔ پانی تربوز بھی نہیں بن سکتا، اگرچہ تربوز کا زیادہ تر حصہ پانی پر مشتمل ہوتا ہے۔ لیکن پھر بھی نہ جانے اسے یقین تھا کہ ایسا ہو سکتا ہے کیونکہ اس نے اب تک یہی پڑھا تھا۔ مثلاً برف محض پانی ہے۔ اب اس کو مزید مطالعہ کرنا تھا کہ پانی کیسے جم کر برف بن گیا اور کیسے دوبارہ پانی ہو جاتا ہے۔

پرمینڈیس نے اس نظریے کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا کہ کوئی چیز کسی دوسری شکل میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ وہ جتنا بھی اس مسئلے پر سوچتی گئی، وہ اس سے متاثر ہوتی چلی گئی۔ پرمینڈیس

Marfat.com

ان بات اس بات کو قبول نہ کر سکی کہ کوئی چیز یکدم کایا پلٹ کر سکتی ہے۔ اس بات کو تسلیم کرنے کے لیے بڑے دل گردے کی ضرورت تھی۔ اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے تو گویا فطرت کی تمام باتوں سے اختلاف کیا جائے گا۔ لوگ تو یہ بات سن کر ہنسیں گے۔

اور ایمپیڈ وکلس بھی کافی ہوشیار ہے۔ اس نے یہ ثابت کیا کہ دنیا ایک سے زیادہ عناصر پر مشتمل ہے جس کی وجہ سے کسی اور شے کے دخل کے بغیر ہر طرح کی تبدیلی ممکن ہے۔ ایمپیڈ وکلس نے مختلف وجوہات کی بنا پر یہ جان لیا تھا۔ یقیناً اس نے فطرت کا مطالعہ اچھی طرح کیا تھا لیکن اس کے پاس وہ ساز و سامان نہیں تھا کہ وہ سائنسی طور پر تحقیقات کر سکتا۔

سوفی خود غیر مطمئن تھی کہ کیا وہ اس بات پر یقین رکھتی ہے کہ ہر چیز کے وجود میں آنے کا موجب، مٹی، ہوا، آگ اور پانی ہی ہیں۔ سوفی کو فلسفے کا یہ کھیل کچھ عجیب و غریب سا لگا۔ وہ ہر فلسفی کے خیالات سے تھوڑا بہت متفق تھی لیکن پھر بھی اس نے یہی فیصلہ کیا کہ وہ صرف اپنی عقل کی بات مانے گی۔ فلسفہ ایسی چیز نہیں ہے جسے باقاعدہ سیکھا جائے لیکن فلسفیانہ انداز میں سوچا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

ڈیموکریٹس
(DEMOCRITUS)
(370-460 BC)

سوفی نے وہ تمام ٹائپ شدہ صفحات جو کسی نامعلوم فلسفہ داں کی جانب سے موصول ہوئے تھے، ٹن کے ایک ڈبے میں بند کر دیئے۔ وہ رینگتی ہوئی اپنی پناہ گاہ سے باہر نکلی اور کھڑی ہو کر باغ کے اطراف کا جائزہ لینے لگی۔ اس نے گزشتہ روز کے بارے میں سوچا۔ اس کی ماں نے اسے طعنہ دیا تھا کہ ''پیار بھرے خطوط'' اس کے پاس آ رہے ہیں۔ وہ مسکرائی اور تیزی سے میل بکس کی طرف چل پڑی۔ دو دن وہ مسلسل ''پیار بھرے خطوط'' وصول کرتی رہی ہے، اور آج بھی امکان ہے۔

ایک سفید لفافہ اس کا منتظر تھا۔ سوفی نے یہ اندازہ لگانے کی کوشش شروع کر دی کہ خاکی لفافے اور سفید لفافے میں کیا فرق ہے اور کیا دونوں لفافے لانے والا ایک ہی شخص ہے؟ اس طرح سوفی یہ بھی معلوم کر سکتی ہے کہ وہ کون ہے۔ اگر وہ مرد ہے تو وہ اپنے کمرے کی کھڑکی سے اسے دیکھ سکتی ہے اور وہ پراسرار فلسفی کا دیدار کر سکتی ہے۔ یہ لفافے اڑ کر تو نہیں آ سکتے۔

سوفی نے تہیہ کر لیا کہ اگلے دن ضرور وہ اپنے منصوبے پر عمل کر لے گی۔ کل جمعہ کا دن ہوگا اور اس کے پاس پورا ویک اینڈ باقی بچے گا۔ وہ اپنے کمرے میں آئی اور لفافہ کھولا۔ آج کے دن صرف ایک سوال تھا، لیکن بے حد اہم سوال۔

لیگو ایک انوکھا اور دلچسپ کھلونا کیوں ہے؟

پہلے پہل تو سوفی کو اس بات سے اتفاق ہی نہیں تھا۔ کئی سال گزر گئے جب وہ پلاسٹک

Marfat.com

کے چھوٹے چھوٹے بلاک سے کھیلا کرتی تھی۔اس وقت اس کے ذہن میں ذرا بھی یہ بات نہیں آئی کہ لیگو فلسفے میں بھی کوئی کردار ادا کرسکتا ہے۔لیکن وہ ایک ہونہار اور ذہین شاگرد تھی۔اپنی الماری کے اوپر کے حصے کو کھنگالتے ہوئے اسے ہر جسامت سے بھرا ہوا لیگو کے بلاک کا ایک تھیلا مل ہی گیا۔کافی عرصے بعد اس نے دوبارہ ان سے کھیلنا شروع کردیا۔جیسے جیسے وہ اس کھیل میں ڈوبتی چلی گئی،اسے نئے نئے خیالات سوجھتے چلے گئے۔

ان کو ترتیب دینا اور ان سے کوئی چیز بنانا تو نہایت آسان ہے،اس نے سوچا۔اگرچہ وہ ایک دوسرے سے مختلف نظر آتے ہیں،مگر اصل میں سب ایک ہیں اور فوراً ایک دوسرے میں جڑ جاتے ہیں۔اور ٹوٹنے پھوٹنے والے بھی نہیں ہیں۔اس نے آج تک کوئی بلاک ٹوٹا ہوا نہیں دیکھا تھا۔سب بلاک روشن اور بالکل نئے لگتے تھے،جیسے کہ آج ہی خریدے گئے ہیں۔اس کھیل کا سب سے بڑا فائدہ یہ تھا کہ وہ ان کے ذریعے کوئی بھی نمونہ تیار کرسکتی تھی۔بعد میں ان سب کو ایک دوسرے سے جدا کرکے کوئی اور چیز بھی بن سکتی تھی۔

اتنی خوبیوں کے ساتھ اور کون سا کھلونا ہوسکتا ہے؟ سوفی نے آخری فیصلہ دے دیا کہ اس سے بہتر شاندار کھلونا دنیا میں کوئی اور نہیں،لیکن فلسفے کے میدان میں اس کا کیا کام ہے؟ ایک طویل وعریض گڑیا گھر وہ تقریباً مکمل کرچکی تھی اور اس نے جان لیا تھا کہ عمر کے مختلف مراحل ہیں بچوں کی دلچسپیاں بھی بدلتی رہتی ہیں۔جیسے جیسے بچے بڑے ہوتے جاتے ہیں،کھیل میں ان کی دلچسپی کم ہوتی چلی جاتی ہے۔

جب اس کی ماں گھر واپس آئی،اس نے دیکھا کہ سوفی لیگو کھیل رہی ہے۔وہ بے ساختہ چلا اٹھی۔''واہ واہ! کیا بات ہے۔میں تو سمجھ رہی تھی کہ تم اب بڑی ہوگئی ہو،مگر تم تو ابھی تک بچی ہی ہو۔''

''میں کھیل نہیں رہی ہوں''۔سوفی نے ذرا ترش لہجے میں کہا۔''میں فلسفے کا ایک بے حد مشکل سوال حل کرنے کی کوشش کررہی ہوں''۔

Marfat.com

جوہری توانائی کا نظریہ

سوفی! میں پھر تمہیں تنگ کرنے آگیا ہوں۔ آج کے سبق میں تمہیں چند فطرتی فلسفہ دانوں کے بارے میں کچھ معلومات حاصل ہوں گی۔ یہ سب اپنے دور کے عظیم فلسفہ داں گزرے ہیں۔ پہلا فلسفی ڈیموکریٹس ہے جس کا عرصہ 370 سے 410 قبل مسیح ہے۔ وہ جنوبی قبائلی شہر ابدیرا میں پیدا ہوا۔

اگر تم نے لیگو کے بارے میں کئے گئے سوال کا جواب دے دیا ہے۔ تو تمہیں یہ سمجھنے میں ذرا بھی مشکل پیش نہیں آئے گی کہ مذکورہ فلسفی کا خیال کیا تھا۔ ڈیموکریٹس اپنے پیش رو فلسفہ دانوں سے متفق تھا کہ فطرت میں کایا پلٹ اس طرح نہیں ہو سکتی ہے کہ ہر چیز یکسر تبدیل ہو جائے۔ اس کا خیال تھا کہ ہر چیز چھوٹے چھوٹے اور ان دیکھے بلاک میں بٹی ہوئی ہے اور یہ سب کے سب ازلی طور پر یک جان بھی ہیں۔ ڈیموکریٹس ان ذرات کو جوہر کہتا ہے۔

جوہر یا ایٹم کا لفظ یہ معنی رکھتا ہے کہ اسے کسی بھی صورت میں کاٹا یا جدا نہیں کیا جا سکتا۔ ڈیموکریٹس کی نظر میں ایک ایک ذرہ اس طرح ترتیب دیا گیا ہے کہ یہ تقسیم نہیں ہو سکتا، خواہ وہ کتنا ہی مختصر ذرہ کیوں نہ ہو۔ اگر ایسا ممکن ہوتا تو وہ بلاک کی صورت میں استعمال نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اگر جوہر کو چھوٹے چھوٹے ذرات میں تقسیم کیا جا سکتا تو فطرت کافی مشکلات میں گرفتار ہو سکتی تھی۔

اس کے علاوہ قدرت کے بلاک کو غیر فانی ہونا چاہیئے کیونکہ صفر سے صفر ہی برآمد ہو سکتا ہے۔ اس معاملے میں وہ پرمینڈس اور ایلیاٹکس سے متفق ہے۔ علاوہ ازیں اس کو یہ بھی یقین ہے کہ تمام جوہر بالکل ٹھوس اور سالم ہیں، لیکن پھر بھی وہ ایک جیسے نہیں ہیں۔ اگر تمام ذرات یکساں ہوں تو پھر اس بات کا کوئی مدلل جواب نہیں تھا کہ وہ کیسے پوست، یا درخت یا انسانی بال میں تبدیل ہو سکتے ہیں۔

Marfat.com

ڈیموکریٹس کو یقین تھا کہ قدرت کے پاس ذرات اور جوہر کی لاتعداد قسمیں موجود ہیں۔ کچھ گول ہیں اور کچھ ہموار، چند ایک دندانے دار اور ناہموار۔ اور واضح طور پر ہو بہوتا کہ جہاں ضرورت ہو وہاں ان کو جوڑا جا سکے۔ بہرحال تعداد اور شکل میں وہ کتنے بھی زیادہ ہوں، غیر متزلزل اور دوامی ہوں گے اور ناقابل تقسیم۔

جب ایک جسم، ایک درخت یا ایک جانور، مثال کے طور پر، مرجاتا ہے یا منتشر ہو جاتا ہے تو اس کے پراگندہ اجزاء نئے اجسام میں دوبارہ ڈالے جا سکتے ہیں۔ ذرات آسماں میں بکھرے ہوئے ہوتے ہیں، مگر چونکہ ان کے اندر کانٹے اور ریشے بھرے ہوتے ہیں تو وہ بہ آسانی آپس میں جڑ جاتے ہیں اور ہم انہیں اپنے اس پاس دیکھ سکتے ہیں۔

چنانچہ اب تمہاری سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ لیگو کے بلاک کتنے کارآمد ہیں۔ ان کے اندر وہ تمام خوبیاں بدرجہ اتم موجود ہیں جن کا ذکر ڈیموکریٹس نے کیا ہے۔ تم جس قدر اس سے نئی نئی چیزیں بناتی جاؤ گی۔، اتنا ہی تمہیں مزہ آئے گا اور اسی قدر زیادہ تم سیکھ سکو گی۔ یہ مختلف شکل اور جسامت میں ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ٹھوس اور ٹوٹنے پھوٹنے سے محفوظ ہوتے ہیں۔ ان کے اندر کانٹے اور ریشے ہوتے ہیں تا کہ ایک دوسرے میں پیوست ہو جائیں۔ ان کو علیحدہ کرنا بھی آسان ہے اور پھر ان سے دوسرے اجسام بھی بنائے جا سکتے ہیں۔

درحقیقت یہ بار بار استعمال ہو سکتے ہیں، اسی وجہ سے لیگو دنیا میں مقبول ہے۔ ایک ہی بلاک آج کسی ٹرک میں لگا ہوا ہے۔ اور دوسرے دن کسی محل کا حصہ بن جاتا ہے۔ چنانچہ اس کو ''دائمی'' یا ''ازلی'' بھی کہہ سکتے ہیں۔ ایک بچہ آج جس سے کھیل رہا ہے، کل کو اس کے والدین نے انہی بلاکس سے کھیلا ہوگا اور کل بھی بچے اسی سے کھیلیں گے۔

ہم بہت سی اشیاء مٹی سے بھی بنا سکتے ہیں لیکن یہ بار بار استعمال نہیں ہو سکتے، کیونکہ یہ فوراً ٹوٹ کر چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں اور پھر انہیں آپس میں جوڑا نہیں جا سکتا۔

آج ہم یہ بات مان سکتے ہیں کہ ڈیموکریٹس کا جوہری توانائی کا نظریہ، کم یا زیادہ درست تھا۔ فطرت مختلف جوہر کا مجموعہ ہے جو کہ جڑ بھی سکتے ہیں اور جدا بھی ہو سکتے ہیں۔ ہائیڈروجن کا ایک ذرہ جو میری ناک میں موجود ہے، کبھی ہاتھی کی سونڈ کا حصہ تھا۔ کاربن کا کوئی ذرہ جو میرے قلب کے کسی رگ میں پیوست ہے۔ کبھی کسی ڈائنوسار کی دم میں شامل رہا ہوگا۔

Marfat.com

آج کے ترقی یافتہ دور میں سائنس دانوں نے یہ نئی دریافت کی ہے کہ ذرات مزید کئی ٹکڑوں میں تقسیم ہو سکتے ہیں۔ ہم ان عناصر کو بنیادی پروٹون، نیوٹرون اور رالیکٹرون کا نام دے سکتے ہیں۔ کبھی نہ کبھی یہ ضرور مزید حصوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ مگر فلسفہ داں اس بات پر متفق ہیں کہ ہر چیز کی آخر کوئی حد بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ کوئی نہ کوئی ایسا چھوٹا ذرہ ہوگا جو فطرت کے ہم آہنگ ہوگا۔

ڈیموکریٹکس کے پاس نئے نئے انداز اور ساز و سامان بے شک نہیں ہوں گے۔ لیکن اس کا دماغ سب کچھ تھا۔ لہٰذا اس نے جو کچھ کہہ دیا وہ ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا۔ جب یہ بات مان لی گئی ہے کہ کوئی شے تبدیل نہیں ہو سکتی، کوئی چیز کسی صفر میں سے برآمد نہیں ہو سکتی، اور صفر بھی اپنی جگہ پر قائم ہے، تب فطرت بھی کئی، مختصر سے بلاکوں میں تقسیم ہوگی جو کہ جوڑے بھی جا سکتے ہیں اور جدا بھی ہو سکتے ہیں۔ ڈیموکریٹس کسی ''طاقت'' یا ''روح'' پر اعتقاد نہیں رکھتا تھا جو کسی قدرتی انداز پر اثر انداز ہو سکے۔ اسے صرف ذرات اور خلیات پر یقین تھا۔ جب سے اس نے مادی چیزوں کو ماننا شروع کر دیا تھا، اسے مادہ پرست کہا جانے لگا۔

ڈیموکریٹس کے کہنے کے مطابق ذرے کی حرکتوں میں کوئی خاص بات نہیں ہے۔ فطری طور پر ہر بات حسب معمول ہوتی رہتی ہے۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اوٹ پٹانگ بھی بہت سے کام ہو جاتے ہیں۔ ہر چیز قدرت کے نظام کے تحت چلتی رہتی ہے۔ ڈیموکریٹس نے ایک بار کہا کہ وہ ایک نہ ایک دن قدرت کا کوئی نیا راز دریافت کر لے گا اور پھر شاید وہ ایران کا بادشاہ بن جائے۔

ڈیموکریٹس نے مزید کہا کہ ذرے کا نظریہ ہماری فہم و ادراک کی صلاحیت کو ظاہر کرتا ہے۔ جب ہم کوئی بات محسوس کرتے ہیں، تو یہ خلا میں کسی ذرے کی حرکت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جب چاند نظر آتا ہے، اس کا مطلب ہے کہ چاند کا کوئی ذرہ ہماری آنکھوں میں داخل ہو رہا ہے۔ لیکن پھر روح کا مطلب کیا ہے۔ لازمی طور پر وہ ذروں پر مشتمل نہیں ہے یا کوئی مادی شے نہیں ہے۔ ڈیموکریٹس پر اعتماد تھا کہ روح بہت ہی خاص گول مٹول، اور ہموار ''روحانی ذرات'' پر مشتمل ہے۔ جب کوئی شخص وفات پا جاتا ہے روح کے ذرات بکھر جاتے ہیں، اور پھر دوبارہ ایک نئی روح کی تیاری میں لگ جاتے ہیں۔

Marfat.com

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ انسان کی روح لافانی نہیں ہے۔ بہت سے انسان اس نظریے سے اتفاق کرتے ہیں۔ ڈیموکریٹس کی طرح وہ بھی یہ نظریات رکھتے ہیں کہ ''روح'' دماغ سے جُڑی ہوئی ہے اور اگر مغز جدا ہو جائے تو ہم کسی کام کے قابل نہیں رہتے۔

ڈیموکریٹس کے نظریات نے وقتی طور پر یونانی فطری فلسفے کو ماند کر دیا۔ اُسے ہیراکلیٹس سے بھی اتفاق تھا کہ فطرت ہر شے میں داخل ہے۔ لیکن ہر چیز جو داخل ہوئی ہے۔ اس میں کچھ نہ کچھ دائمی اور غیر متغیر چیز ابھی داخل ہونا باقی ہے۔ اسی چیز کو ڈیموکریٹس نے خلیہ کہا ہے۔

سوفی پڑھنے کے دوران بار بار کھڑکی سے باہر بھی جھانک رہی تھی کہ وہ پراسرار نامہ نگار میل بکس کی طرف کب آتا ہے۔ اُس کی طرف سے ناامید ہو کر وہ اُن باتوں پر غور کرنے لگی جو اُس نے اب تک پڑھی تھیں۔ اُس نے محسوس کیا کہ ڈیموکریٹس کے خیالات نہایت ہی آسان اور سادہ تھے۔ اس نے ''بنیادی تجسیم اور کایا پلٹ'' کا مکمل حل پیش کر دیا تھا۔ اُس کے پیش رو اِس معاملے میں کافی الجھن کا شکار رہے لیکن ڈیموکریٹس نے بہ آسانی یہ معما سلجھا دیا۔

سوفی اپنی مسکراہٹ کو نہ روک سکی۔ یہ بھی ایک ثبوت تھا کہ فطرت کی بناوٹ مختلف جزویات پر مشتمل ہے جو کبھی تبدیل نہیں ہو سکتے۔ ہر کلیٹسک ایہ خیال بھی درست تھا کہ فطرت ہر حال میں اپنے آپ کو ثابت کرتی رہتی ہے۔ ہر شخص کو موت کا مزہ چکھنا ہوتا ہے، جانور بھی مر ہی جاتے ہیں، یہاں تک کہ پہاڑی سلسلے بھی منتشر ہوتے رہتے ہیں۔ یہ نقطۂ قابل غور ہے کہ پہاڑی سلسلے چھوٹے چھوٹے ناقابل تقسیم حصوں پر مشتمل ہوتے ہیں جو کہ کبھی ختم نہیں ہوتے۔

لیکن دوسری طرف ڈیموکریٹس نے بھی چند نئے سوالات پیش کیے ہیں۔ مثال کے طور پر اُس کا کہنا ہے کہ ہر چیز ایک خاص نظام کے تحت چلتی ہے۔ اُس نے یہ کبھی نہیں کہا کہ زندگی میں کوئی روحانی قوت بھی موجود ہے۔ جیسا کہ ایمپیڈوکلس اور اناکساگوراس کا کہنا تھا۔ ڈیموکریٹس کا یہ بھی نظریہ تھا کہ انسان کے اندر کوئی لافانی روح نہیں ہے۔

Marfat.com

تقدیر

سوفی ہوا خوری کے لیے باغ کے دروازے تک آ گئی۔ جب اس نے سامنے کا دروازہ کھولا تو وہاں ایک چھوٹا سا لفافہ رکھا ہوا تھا اور یہ سوفی آمنڈسین کے نام ہی تھا۔ وہ آدمی آج پھر سوفی کو دھوکا دے گیا تھا۔ وہ سارا دن میل بکس پر نظریں جمائے رہی تھی۔ لیکن وہ پراسرار بندہ کسی دوسرے راستے سے آ کر چپ چاپ یہ لفافہ اس کے سر منڈھ کر چلا گیا۔ لعنت ہو کم بخت پر۔

اس کو یہ کیسے معلوم ہو گیا کہ سوفی آج میل بکس کی نگہبانی کر رہی ہے؟ کیا اس نے اس کو کھڑکی میں سے جھانکتے ہوئے دیکھ لیا تھا؟ بہرحال، اس نے شکر ادا کیا کہ ماں کے آنے سے پہلے ہی اس نے لفافہ اٹھا لیا تھا۔ وہ اسے لے کر اپنے کمرے میں آئی اور لفافہ کھول لیا۔ لفافہ کناروں سے کچھ گیلا گیلا سا تھا اور دونوں طرف مختصر سے دو سوراخ بھی تھے۔ ایسا کیوں ہوا؟ کئی دنوں سے تو بارش بھی نہیں ہوئی ہے۔ اندر مختصر سا مضمون تھا۔

کیا تم قسمت پر یقین رکھتی ہو؟

بیماری کو خدا کی طرف سے دی گئی سزا سمجھتی ہو؟

تاریخ کن لوگوں پر ناز کرتی ہے؟

کیا سوفی کو تقدیر پر بھروسہ تھا؟ اسے تو خود اپنے آپ پر بھی اعتماد نہ تھا۔ لیکن وہ ایسے بہت سے افراد کو جانتی تھی جو اس بات کے قائل تھے۔ اس کے کلاس میں ایک لڑکی تھی جو ستاروں کا حال بڑے ذوق و شوق سے پڑھا کرتی تھی۔ لیکن کیا سب لوگ علم النجوم اور جوتش پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ تقدیر تو اٹل ہے، کیونکہ علم فلکیات کے ماہر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ستاروں کی رفتار اور ان کے ہلنے جلنے کا اثر زمین پر زندہ رہنے والوں پر کافی اثر انداز ہوتا ہے۔

Marfat.com

مگر سوچنے کی باتیں بھی کچھ ایسی ہیں جو عقل کو حیران کر دیتی ہیں۔ یا ایسا ہو سکتا ہے کہ اگر کالی بلی راستہ کاٹ جائے تو یہ بدبختی کی علامت ہے۔ اُس کے سامنے کئی اور بھی مثالیں آتی رہیں۔ جو لوگ کسی تختے پر نشان ثبت کرتے ہیں، وہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ اور تیرہ تاریخ کو منحوس سمجھتے ہیں۔ اس کے علاوہ تیرہ تاریخ کو اگر جمعہ آ جائے تو وہ دن بھی برباد ہی سمجھو۔ سوفی جانتی تھی کہ بہت سے ہوٹل والے تیرہ نمبر کا کوئی کمرہ رکھتے ہی نہیں تھے۔ ایسا وہ اُن لوگوں کو خوش کرنے کے لئے کرتے جو تیرہ نمبر پسند نہیں کرتے تھے۔

''توہم پرستی'' ایک عجیب و غریب لفظ ہے۔ اگر آپ عیسائیت یا اسلام کے ماننے والے ہیں تو اسے مقدر کہا جائے گا۔ لیکن اگر آپ کو علم النجوم پر بھروسہ ہے تو پھر ''جمعہ کا دن'' یا ''تیرہ'' کے ہندسے کو ضعیف الاعتقادی کے زمرے میں شمار کیا جائے گا۔

بہر حال، سوفی صرف ایک بات پر مطمئن تھی۔ ڈیموکریٹس کو قسمت یا تقدیر پر بھروسہ نہیں تھا۔ وہ ایک مادہ پرست شخص تھا اور صرف خلیات اور خلائے بسیط کا ماننے والا تھا۔

اب سوفی نے دوسرے دو سوالات پر غور کرنا شروع کر دیا۔ ''کیا بیماری خدا کی طرف سے آپ کے کسی گناہ کی سزا ہے؟ شاید آج کے جدید دور میں اس بات پر کوئی یقین نہیں کرے گا۔ لیکن اُس نے کتنے ہی افراد کو صحت یابی کے لئے دعائیں مانگتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ انہیں معلوم ہے کہ خدا کے پاس ایسی قوت ہے جس کا تعلق انسان کی صحت سے ہے۔

آخری سوال کا جواب ذرا مشکل تھا۔ سوفی نے تاریخ کے موضوع پر اسکول میں بھی کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی۔ یقیناً ایسے نامور اور نیک نام لوگ موجود ہوں گے۔ لیکن یہ خدا کی مہربانی ہے یا قسمت کی۔ آدمی کے اپنے بس میں نہیں ہے۔

لیکن آزادانہ خواہش یا اپنی مرضی کے الفاظ پر سوفی نے غور کرنا شروع کر دیا۔ وہ نامعلوم فلسفہ داں اس کے ساتھ چوہے بلی کا کھیل رہا ہے۔ یا کھیل رہی ہے۔ کیا میں اسے ایک خط لکھوں؟ ممکن ہے کہ وہ رات میں یا کل صبح ایک اور بڑا لفافہ میرے نام میل بکس میں چھوڑ دے، اور تب اسے میرا لفافہ بھی مل جائے گا۔

سوفی نے خط کا مضمون سوچنا شروع کر دیا۔ اسے تو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ وہ مرد ہے یا عورت۔ جوان ہے یا عمر رسیدہ۔ بہر حال اس نے لکھا۔

Marfat.com

جناب عزت مآب فلسفہ داں!

آپ کے بیش بہا اور قیمتی مراسلات برابر مل رہے ہیں۔ جن کے اندر فلسفے کی گراں قدر معلومات مہیا کی جاتی ہیں۔ میں ان کی بے حد قدر دان ہوں۔ مگر یہ بات مجھے کچھ پسند نہیں آئی کہ میں آپ کو جانتی تک نہیں ہوں اور نہ ہی کبھی دیکھا ہے۔ بلکہ آپ کا اسم گرامی بھی معلوم نہیں۔ اگر خط کے جواب میں آپ بذات خود تشریف لائیں اور مجھے مہمان نوازی کا موقع دیں تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔ بہتر ہے کہ آپ اس وقت آنے کی زحمت گوارا کریں جب میری والدہ بھی گھر پر موجود ہوں۔ وہ روزانہ صبح ساڑھے سات بجے کام پر چلی جاتی ہیں اور شام پانچ بجے واپس آتی ہیں، سوائے ہفتہ اور اتوار کے۔ میں بھی اسکول میں ہوتی ہوں مگر دو سوا بجے تک گھر آجاتی ہوں۔ اخلاقاً آپ کو یہ بتادوں کہ میں کافی بہت اچھی بناتی ہو۔

آپ کی نیک اور ذہین شاگرد

سوفی آمنڈسین۔ عمر چودہ سال

نیچے اس نے (R.S.V.P) جواب کیلئے شکریہ، بھی لکھ دیا۔ لفافے پر وہ کیا نام درج کرے؟ بہت سوچنے سمجھنے کے بعد اس نے ''عظیم فلسفی کے نام'' لکھ دیا۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ یہ خط کہیں اس کی ماں کے ہاتھ نہ لگ جائے۔ چنانچہ اس نے فیصلہ کیا کہ ماں جب گھر میں ہوگی تب وہ اسے میل بکس میں رکھ آئے گی۔

اس شام سوفی ذرا سویرے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ حالانکہ یہ جمعہ کا دن تھا۔ اس کی ماں نے اسے پیزا اور ایک فلم کا لالچ دیا، مگر سوفی نے تھکاوٹ کا بہانہ کر دیا۔ جب اس کی ماں ٹی وی کے سامنے اطمینان سے بیٹھ گئی تو وہ چپکے سے میل بکس کی طرف گئی اور اپنا خط ڈال آئی۔ جب گیارہ بجے کے قریب اس کی ماں اوپر آئی، اس وقت سوفی کھڑکی میں کھڑی باہر کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''تم اتنی رات گئے بھی میل بکس کو ہی دیکھ رہی ہو؟'' ماں نے کہا۔

''میری مرضی۔ مجھے جو پسند ہے وہی دیکھوں گی۔'' سوفی نے جز بز ہو کر کہا۔

''تب تو میرا خیال درست ہے کہ تمہیں کسی سے محبت ہوگئی ہے۔ لیکن اگر واقعی اسے تمہارے نام کوئی خط دینا ہے تو بھی اتنی رات گئے وہ نہیں آئے گا۔''

Marfat.com

سوفی کو اگرچہ یہ باتیں پسند نہیں تھیں، لہٰذا اس نے سوچا کہ ماں کو یہی سمجھ لینے دو۔ خواہ مخواہ بات کو طول دینے کا فائدہ؟

''کیا یہ وہی شخص ہے جس نے تم کو خرگوش اور چھتری کی کہانی سنائی تھی؟'' ماں نے پوچھا۔

سوفی نے ہاں میں گردن ہلا دی۔

''مجھے تو لگتا ہے کہ وہ نشہ باز ہے؟ ماں نے تبصرہ کیا۔

اب سوفی کو اپنی ماں کی ذہنیت پر افسوس ہونے لگا۔ اسے اس طرح آزادی کے ساتھ کسی شریف آدمی کے بارے میں رائے زنی نہیں کرنی چاہیئے تھی۔ اس سے برداشت نہ ہو سکا اور وہ بول پڑی۔ ''ماں! میں نے آپ سے کہا تھا کہ میں اس قسم کی لڑکی نہیں ہوں، اور وہ بھی ایسا ویسا نہیں ہے۔ وہ بے چارہ تو بس فلسفے کا مارا ہوا ہے اور ہر دم فلسفے کی باتیں کرتا رہتا ہے۔''

''کیا وہ عمر میں تم سے بڑا ہے؟''

سوفی نے نفی میں سر ہلایا''۔ میرا ہم عمر ہے''۔

''اوہ۔ تب تو وہ واقعی بڑا پیارا لڑکا ہوگا۔ بہر حال، اس وقت تم سو جاؤ۔ کافی رات گزر چکی ہے۔'' ماں اسے نصیحت کر کے چلی گئی۔

لیکن سوفی اسی طرح کھڑکی کے پاس بیٹھی رہی۔ نیند سے اس کی آنکھیں بوجھل ہو رہی تھیں اور اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے نہ جانے کتنی صدیاں بیت گئی ہوں۔ ایک بجے تک وہ بمشکل جاگتی رہی۔ اب وہ اپنے بستر پر جانے کا ارادہ کر ہی رہی تھی کہ اچانک لکڑی کے جھنڈ میں ایک جھلک سی نظر آئی۔ اگرچہ باہر تاریکی تھی لیکن اس نے اندازہ لگا لیا کہ وہ کوئی انسان ہی تھا۔

سوفی نے یہ بھی اندازہ لگایا کہ وہ کافی عمر رسیدہ ہے اور ملٹری والوں کی ٹوپی اس نے پہنی ہوئی تھی۔

سوفی نے یہ بھی اندازہ لگایا کہ اس نے ضرور کھڑکی پر ایک نظر ڈالی ہوگی مگر سوفی نے روشنی بجھا دی تھی۔ وہ آدمی سیدھا میل بکس کی جانب گیا اور ایک بڑا لفافہ اندر ڈال دیا۔ جیسے ہی وہ واپس مڑا، اس نے سوفی کا خط بھی دیکھ لیا۔ اس نے جلدی سے خط جھپٹ لیا اور تیزی سے درختوں میں غائب ہو گیا۔

سوفی کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ پہلے تو اس نے سوچا کہ اسی شب خوابی کے لباس میں

Marfat.com

وہ اس کا پیچھا کرڈالے مگر پھر اس کی ہمت جواب دے گئی۔ اتنی رات گئے ایک اجنبی مرد کا تعاقب کرنا اسے بیہودہ سا لگا۔ لیکن آخر اسے وہ تازہ لفافہ تو لینا ہی تھا۔ دو تین منٹ حالات کا جائزہ لینے کے بعد وہ نیچے اترنے لگی۔ آہستگی کے ساتھ باہر کا دروازہ کھولا اور میل بکس کی طرف دوڑ پڑی۔ ایک ہی چھلانگ میں وہ واپس اپنے کمرے میں تھی۔ بستر پر بیٹھ کر اس نے اپنی سانسوں کو قابو میں کیا۔ جب اسے اطمینان ہوگیا کہ گھر میں سب خیریت ہے، اس نے لفافہ کھولا اور پڑھنا شروع کردیا۔ اتنا تو وہ جان گئی تھی کہ یہ اس کے خط کا جواب نہیں ہوسکتا۔

قسمت

مائی دیئر سوفی! ایک بار پھر صبح بخیر۔

اگر تم تعلقات خوش گوار رکھنا چاہتی ہو تو آئندہ میری سرگرمیوں پر نظر رکھنے کی کوشش مت کرنا۔ ہم ایک دن ضرور ملاقات کریں گے لیکن یہ میرا فیصلہ ہوگا کہ کب اور کہاں۔ یہ بات حتمی طور پر طے ہے اور تمہیں میرے حکم کی خلاف ورزی کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ کیا تم میری بات ماننے کیلئے تیار ہو؟

اب ہم بات کرتے ہیں فلاسفروں کے بارے میں۔ تم نے دیکھا کہ وہ لوگ فطرت کی تشریح اور کایا پلٹ کے معاملے میں کس قدر سنجیدہ ہیں۔ قبل ازیں یہی باتیں دیومالائی کہانیوں کے ذریعہ بتلائی جاتی تھیں۔ قدیم توہم پرستی کا دور گزر گیا۔ ہم اب صرف صحت اور بیماری کے علاوہ تھوڑا بہت کچھ سیاست کی کارروائیوں میں دیکھتے ہیں۔ ان دونوں شعبوں میں ہم یونانی مسئلہ قضا وقدر کو زیادہ مانتے ہیں۔ مسئلہ تقدیر اس اعتماد اور یقین کو کہتے ہیں جو پہلے سے مقرر ہے۔ یہ اعتقاد دنیا بھر میں عام ہے اور یہ تاریخ سے بھی ثابت ہے۔ بلکہ دیکھا جائے تو ہماری سرشت میں بھی شامل ہے۔ ناروے کے آس پاس کے علاقے میں ''لگناوان'' یا قسمت پر بھروسہ ایک مضبوط عقیدہ ہے۔ سوئیڈن، ناروے اور آئس لینڈ میں ایسی داستانیں آج بھی مقبول ہیں جس میں بادشاہوں کے کارنامے بیان کیے گئے ہوں۔

پرانے یونان اور دنیا کے کئی حصوں میں ایسے لوگ بہ آسانی مل جاتے ہیں جو دیوتاؤں سے مشورہ کرتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ کسی انسان یا ملک کی قسمت کا

Marfat.com

حال مختلف بہانوں سے معلوم کیا جاسکتا ہے۔

دنیا میں ایسے بے شمار افراد موجود ہیں جو دست شناسی کے ماہر ہیں۔ ستارہ شناس لوگ بھی موجود ہیں اور وہ بھی جو دعوے کے ساتھ کہتے ہیں کہ وہ تاش کے پتوں کے ذریعہ قسمت کا حال بتا سکتے ہیں۔ ناروے میں ایک بہت ہی خاص طریقہ عام ہے جس میں کافی کے کپ کے ذریعہ بھی قسمت بتائی جاتی ہے۔ جب پیالے میں کافی ختم ہو جاتی ہے تو چند ذرات پیندے میں لگے ہوتے ہیں۔ یہ دانے آپس میں مل کر ایک خاص انداز اختیار کر لیتے ہیں۔ اب اس پر ایک تصوراتی نظر ڈالی جائے۔ اگر پیالی کی سطح پہ دانے کار کی شکل میں نظر آئیں تو اس کا مطلب ہے کہ وہ شخص جس نے یہ کافی پی ہے، ایک لمبی ڈرائیو پر جانے والا ہے۔

اسی طرح قسمت کا حال بتانے والے دیگر چیزوں سے اندازہ لگا لیتے ہیں یا ایک خیالی تصویر بنا لیتے ہیں جو کہ کسی کے تصور میں بھی نہیں۔ چونکہ یہ باتیں گول مول سی ہوتی ہیں لہٰذا آپ دست شناس کی بات کو جھٹلا نہیں سکتے۔ اسی طرح جب ہم ستاروں کو بغور دیکھتے ہیں تو اس میں کئی گڈمڈ سی لہریں نظر آتی ہیں اور انہی لہروں سے دست شناس کچھ نہ کچھ اخذ کر لیتے ہیں۔ اس کے باوجود ہر زمانے میں یہ اعتقاد عام ہے کہ ستارے یہ طاقت رکھتے ہیں کہ وہ زمین پر رہنے والوں کے بارے میں بہت کچھ پیش گوئی کر سکتے ہیں۔ آج کے جدید دور میں بھی ہمارے بعض سرکردہ رہنما اور تاجر حضرات ستاروں کے علم کی روشنی میں اپنا اگلا قدم اور اگلی منزل طے کرتے ہیں۔

الہام ربانی اور غیبی آواز

قدیم یونانیوں کا عقیدہ تھا کہ وہ دیوتاؤں سے بات چیت کر کے قسمت کا حال معلوم کر سکتے تھے۔ اپولو جو دیوتاؤں کا سرغنہ تھا، اپنے خاص پیشوا ہونے کی وجہ سے غیبی آواز میں پیغام دے سکتا ہے۔ وہ ایک خاص اونچائی پر متمکن ہے۔ جہاں سے اس کی نگاہیں ہر شے کو بہ آسانی دیکھ سکتی ہیں۔ چنانچہ اسے دیوتاؤں کے ترجمان کا رتبہ بھی حاصل ہے۔ جب لوگ غیبی آواز والے ستون کے پاس پہنچتے ہیں تو وہ اپنا سوال لکھ کر ترجمان کے ذریعہ دیوتا کے حضور میں پیش کر دیتے ہیں۔ جواب اس قدر غیر مبہم ہوتا ہے کہ پیشوا کو اس کا ترجمہ کرنا پڑتا ہے۔ اس

Marfat.com

صورت حال میں لوگ اپولو کی ذہانت کے قائل ہو جاتے ہیں اور یہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ ہر بات جانتا ہے اور مستقبل کے بارے میں بھی بتا سکتا ہے۔

ایسے سربراہان مملکت بھی گزرے ہیں جو جنگ چھیڑنے یا کوئی اور خاص قدم اٹھانے سے قبل دیوتاؤں کی منظوری نہ لے لیں۔ غیبی آواز کے گنبد کے داخلے پر ایک کتبہ نصب ہے۔ ''اپنے آپ کو پہچان لو'' یہ زائرین کو یاد دلاتا ہے کہ ہر انسان فانی ہے۔ اور کوئی اپنے مقدر کو ٹال نہیں سکتا۔

یونانیوں نے ایسی کئی داستانیں محفوظ رکھی ہوئی ہیں جس میں تقدیر کا دخل شامل ہے۔ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا، بے شمار المیہ کہانیوں اور ڈراموں میں اس طرح کا اظہار کیا گیا۔ ان میں سب سے مقبول اور معروف ڈرامہ شاہ اوئیڈیپس کی المناک زندگی پر لکھا گیا۔

تاریخی ناٹک اور علم طب

لیکن یہ بات درست ہے کہ قسمت افراد کی زندگی پر کوئی اثر نہیں ڈالتی۔ یونانی یہ اعتقاد تو ضرور رکھتے ہیں کہ قسمت نے تاریخ میں کئی مواقع پر اثر انداز ہونے کی کوشش کی ہے اور جنگ اکثر ڈانواں ڈول صورت حال اختیار کرتی رہی ہے، اور یہ سب کچھ دیوتاؤں کی مرضی سے ہوتا آیا ہے۔ آج بھی بے شمار لوگ ہیں جو یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ تاریخی اعتبار سے جو اونچ نیچ ہوتی ہے، اس کی باگ ڈور دیوتاؤں کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔

ایسے ہی دور میں یونانی فلسفہ دان قدرتی ذرائع کی تحقیق میں مصروف تھے اور تاریخ داں بھی تاریخی اعتبار سے اسی کھوج میں لگے ہوئے تھے۔ انہی دنوں ایک ملک جنگ ہار گیا تو خداؤں کے انتقامی جذبے کا نزلہ دوسرے ملک پر گرا۔ یونان میں دو مورخ زیادہ معروف ہوئے۔ ایک ہیروڈوٹس (484-424 قبل مسیح) تھا اور دوسرا تھوسی ڈائی ڈس (400 سے 460 قبل مسیح)۔

یونانی مانتے تھے کہ بیماری خداوند کی طرف سے ایک سزا ہے۔ دوسری جانب اگر قربانی دی جائے تو یہ سزا معاف بھی ہو سکتی ہے۔

یہ خیال یونانیوں کیلئے کوئی انوکھا نہیں تھا۔ جدید علم طب کی دریافت سے قبل یہ عقیدہ تسلیم

Marfat.com

شدہ تھا کہ بیماریاں کسی بالاتر قوت کا نتیجہ ہوتی ہیں۔لفظ 'انفلوئنزا'' کا مطلب یہ تھا کہ ستاروں نے کوئی مضرت رساں اثر ڈالا ہے۔آج بھی کئی افراد یہ یقین رکھتے ہیں کہ بعض بیماریاں..... مثلاً ایڈز، خدا کی دی ہوئی سزا ہے۔ایک اعتقاد یہ بھی ہے کہ کسی بالاتر قوت کی مدد سے ہی بیماری کو بھگایا جاسکتا ہے۔

یونانی فلسفے میں متفقہ طور پر ایک طبی نظریہ منظر عام پر آیا جس میں فطری تشریح بیماری اور صحت کے بارے میں تلاش کی گئی ہے۔یونانی دواؤں کے بنانے والوں کا کہنا ہے کہ یہ سب کچھ ہپوکریٹس کی ہدایت کے مطابق بنائی گئی ہیں۔یہ شخص کوس کے جزیرے میں 460 قبل مسیح پیدا ہوا۔حفظان صحت کے اصول کے تحت ہپوکریٹس کے طبی اصول زیادہ جدید اور بہترین ہیں۔

سینچر کی صبح صبح سوفی کی آنکھ کھل گئی۔کیا یہ ایک خواب تھا یا واقعی اس نے اس فلاسفر کو دیکھا تھا؟ اس کے ایک ہاتھ میں تازہ لفافہ تھا جو رات میں ہی اسے ملا تھا۔لہٰذا یہ کوئی خواب نہیں تھا۔ یقیناً اس نے اس فلسفی کو دیکھا تھا اور اپنا خط بھی اسے لے جاتے ہوئے دیکھا تھا۔

وہ نیچے اتر آئی اور بستر کے نیچے دیے ہوئے تمام ٹائپ شدہ کاغذات کو باہر نکال لیا۔لیکن یہ کیا ہے؟ دیوار کے قریب ایک سرخ رنگ کا اسکارف پڑا ہوا تھا۔سوفی بستر کے نیچے گھس گئی اور اس سرخ اسکارف کو کھینچ لیا۔یہ تو اس کو یقین تھا کہ یہ اسکارف پہلے یہاں موجود نہیں تھا۔اس نے اسکارف کو اچھی طرح دیکھا اور یہ دیکھ کر وہ حیران و پریشان ہوگئی کہ اس کے ایک کونے پر روشنائی سے ہلڈی لکھا ہوا تھا۔

مگر ہلڈی کون ہے؟ وہ یہاں تک کن راستوں سے پہنچ گئی؟

Marfat.com

سقراط
(SOCRATES)

سوفی نے جلدی جلدی ایک ہلکا پھلکا لباس زیب تن کیا اور کچن کی طرف دوڑی۔ اس کی ماں کچن کی میز کے پاس ہی کھڑی تھی۔ سوفی نے سوچا کہ ماں کو سرخ اسکارف کے بارے میں کچھ نہ بتایا جائے۔

''کیا تم میرا اخبار نہیں لائیں؟'' اس کی ماں نے ناراضگی سے پوچھا۔ ''جاؤ! جلدی سے لے کر آؤ''۔

سوفی ایک جھماکے کے ساتھ دروازے سے باہر نکل گئی۔ اس نے اخبار اٹھایا۔ سرخی تھی کہ ناروے کی یو این بٹالین لبنان پہنچ گئی ہے۔

ہلڈی کے باپ نے جو کارڈ بھیجا تھا اس پر یو این بٹالین کی مہر نہیں تھی، مگر ڈاک ٹکٹ ناروے کی ہی تھی۔ ممکن ہے کہ ناروے کے یو این سپاہیوں کا اپنا علیحدہ پوسٹ آفس ہو۔

''آج تو تم اخبار میں کھوئی ہوئی ہو، کیا کوئی خاص خبر ہے؟''

سوفی کو دیکھتے ہی اس کی ماں بولی۔ خوش قسمتی سے ماں نے میل بکس اور اس میں سے نکالے ہوئے لفافوں کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا۔ جب ماں بازار کو نکل گئی تو سوفی ''قسمت'' والا لفافہ لے کر اپنی پناہ گاہ کی جانب چل پڑی۔ وہ یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی کہ اس خط کے علاوہ ایک اور مختصر سا سفید لفافہ بھی موجود تھا۔ سوفی کو یقین تھا کہ یہ تازہ لفافہ ہے اور اس نے اسے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ لفافے کے کنارے ابھی گیلے ہی تھے۔ کیا وہ فلاسفر یہاں آیا تھا؟ کیا وہ سوفی کی اس خفیہ پناہ گاہ کے بارے میں جانتا ہے؟ لفافہ گیلا کیوں تھا؟ ان تمام سوالات نے اس کے جسم میں ایک چبھن سی پیدا کر دی۔ بہر حال اس نے لفافہ کھولا اور پڑھنا شروع کر دیا۔

Marfat.com

ڈیئر سوفی!

میں نے تمہارا خط خوب مزے لے لے کر پڑھا۔ میں بلا کسی معذرت کے بڑی بے تکلفی کے ساتھ کہنا چاہتا ہوں کہ میں تمہاری دعوت قبول نہیں کر سکتا۔ ہم ایک دن ضرور ملیں گے۔ لیکن یہ وہ دن ہوگا جب میں اپنی ذمہ داریوں سے آزاد ہو جاؤں گا۔

میں تمہیں یہ بھی بتائے دیتا ہوں کہ آج کے بعد میں بذات خود خط دینے نہیں آؤں گا کیونکہ ایسا کرنا میرے لئے مشکل ہو گیا ہے۔ آئندہ میں اپنے کسی نمائندے کے ہاتھ لفافے بھیجا کروں گا جو تمہاری خفیہ پناہ گاہ میں جا کر رکھ آیا کرے گا۔

بہر حال میری طرف سے یہ پیش کش موجود ہے کہ جب بھی تم ضرورت محسوس کرو، مجھ سے رابطہ کر سکتی ہو۔ ایسا کرتے وقت گلابی لفافہ استعمال کرو اور اُس میں ایک بسکٹ یا کوئی میٹھی چیز رکھ دیا کرو۔ جب میرا پیغام بر یہ لفافہ دیکھے گا تو سیدھا میرے پاس لے آئے گا۔

ضروری نوٹ

ایک نوجوان خاتون کی دعوت کو ٹھکرانا بڑا ہی ناگوار اور مشکل کام ہے۔ لیکن کیا کروں۔ میری مجبوریاں اجازت نہیں دیتیں۔

مزید ضروری نوٹ

اگر کبھی تمہیں سرخ ریشمی رومال یا اس قسم کی کوئی چیز ملے تو اُسے سنبھال کر رکھنا۔ ایسی چیزیں کبھی کبھی اِدھر اُدھر ہو ہی جاتی ہیں۔ خاص طور پر اسکول یا ایسی ہی کسی جگہ پر۔ دھیان رہے کہ یہ فلسفے کا اسکول ہے۔

تمہارا خیر خواہ

البرٹو نوکس

سوفی اب تک اپنی زندگی کے تقریباً پندرہ سال گزار چکی تھی اور اس دوران بے شمار خطوط اس نے وصول کیے تھے، خاصل طور پر سالگرہ اور کرسمس میں۔ لیکن یہ خط بڑا ہی انوکھا اور دل نشین انداز لیے ہوئے تھا۔ اس پر کوئی ڈاک ٹکٹ بھی نہیں تھی اور نہ ہی یہ میل بکس کے ذریعہ آیا

Marfat.com

تھا۔ یہ براہ راست اس کی خفیہ پناہ گاہ تک لایا گیا تھا۔ خشک موسم میں بھی یہ کچھ بھیگا بھیگا سا تھا اور کسی حد تک مذاق کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔

سب سے حیرت انگیز بات تھی کہ اس میں ریشمی رومال کا ذکر موجود تھا۔ اس کا مطلب یہ کہ اس فلسفی کے اور بھی شاگرد تھے۔ ان میں سے کسی شاگرد کا سرخ رومال گم ہو گیا تھا۔ مگر وہ سوفی کے بستر تک کیسے پہنچا؟

مزید برآں، البرٹو نوکس۔ یہ کس قسم کا نام ہے؟ اب یہ ثابت ہو چکا تھا کہ فلسفی اور ہلڈی مولر کانگ کے درمیان کوئی رابطہ ہے۔ مگر کیا ہلڈی کا باپ پتے کے بارے میں کچھ شش و پنج کا شکار ہے یا اس کی سمجھ سے بالاتر ہے۔

اس نے خط کو پلٹا۔ دوسری طرف بھی چند جملے لکھے ہوئے تھے۔

کیا فطری شرم وحیا سے بھی بڑھ کر کوئی بات ہے؟

عقل مند وہ ہے جو یہ جانتا ہے کہ وہ کچھ بھی نہیں جانتا۔

سچ اپنے اندر سے خود بخود ابھرتا ہے۔

جو سچ کا پرستار ہے وہ ہمیشہ سیدھے راستے پر چلے گا۔

سوفی جان گئی کہ یہ چھوٹے چھوٹے جملے ہراول دستے کے طور پر ہیں، تاکہ وہ ایک بڑے اور دقیق مضمون کی تیاری کر لے جو کہ جلد ہی پہنچنے والا ہے۔ سوفی کو ایک خیال سوجھا۔ اگر وہ پیغام برخا کی لفافہ لے کر یہاں آتا ہے تو سوفی کو یہیں انتظار کرنا چاہیئے۔ اور اگر وہ کوئی لڑکی ہے تو سوفی اس وقت تک اسے نہیں چھوڑے گی جب تک کہ وہ اس فلسفی کے بارے میں کچھ اگل نہ دے۔ خط میں ذکر تھا کہ پیغام بر ایک بچہ ہوگا۔

کیا فطری شرم وحیا سے بھی بڑھ کر کوئی بات ہے؟

سوفی جانتی تھی کہ لفظ شرم وحیا پرانے زمانے کی دقیانوسی بات ہے۔ مثلاً کوئی کسی کو برہنہ دیکھ لے۔ مگر فطرتاً اس میں کئی الجھاؤ ہیں۔ اگر کوئی چیز فطرتی ہے۔ تو یہ سبھوں کے لئے برابر ہے۔ دنیا کے کئی مقامات پر برہنہ رہنے کو فطرت کے قریب تر سمجھا گیا ہے۔ چنانچہ اب معاشرے پر منحصر ہے کہ وہ اس بات کا فیصلہ کرے کہ کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا ہے۔

دوسرا جملہ تھا۔ عقل مند وہ ہے جو یہ جانتا ہے کہ وہ کچھ بھی نہیں جانتا۔ زیادہ عقل مند، مگر

Marfat.com

کس سے؟ اگر فلاسفر کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ہے جو اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ سوفی کچھ نہیں جانتی، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ سوفی سے زیادہ کچھ جانتا ہے۔ اس بات پر زیادہ دماغ کھپانے کی ضرورت نہیں ہے۔ سوفی اپنے بارے میں جانتی ہے کہ وہ کچھ نہیں جانتی۔ اگر کوئی اپنے بارے میں جان لے کہ اُسے کچھ نہیں معلوم، تو یہ بھی ایک علم ہے۔ سب سے زیادہ احمقانہ بات جو اُسے لگتی تھی وہ یہ تھی کہ بعض لوگ کچھ نہیں جانتے ہیں مگر یہ دکھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ سب کچھ جانتے ہیں۔

اگلی تحریر یہ کہہ رہی تھی کہ سچ اپنے اندر سے خود بخود ابھرتا ہے۔ مگر سچ تو یہ ہے کہ ہر علم باہر سے نہیں آتا۔ سوفی کو وہ مواقع یاد آئے جب اُس کی ماں یا ٹیچر اُسے وہ سبق سکھانے کی کوشش کرتی تھیں جن سے اُسے کوئی دلچسپی نہ تھی تو اُس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا۔ اور جب اُسے کوئی بات اچھی لگتی تھی تو وہ خود اسے سیکھنے کی کوشش کرتی تھی۔

سوفی کو خوشی ہوئی کہ اُس نے تینوں سوالات کے جوابات تسلی بخش دے دیئے ہیں۔ لیکن چوتھا سوال دیکھ کر وہ مسکرا اُٹھی۔ ''جو سچ کا پرستار ہے، وہ ہمیشہ سیدھے راستے پر چلے گا۔'' گویا اگر کوئی لٹیرا بینک لوٹ لے تو کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کے پاس اور کوئی چارۂ کار ہی نہ تھا؟ یہ بات کسی بھی طرح درست نہیں مانی جا سکتی۔ اس کے برخلاف اگر ایسا ہو کہ ایک بچہ اور ایک جوان دونوں کوئی احمقانہ حرکت کرتے ہیں اور بعد میں معافی مانگ لیتے ہیں تو کیا یہ درست مانا جائے گا کہ انہوں نے ضمیر کی سرزنش کی وجہ سے معافی مانگ لی ہے۔

جس دوران وہ ان الجھنوں کو سلجھانے میں لگی ہوئی تھی، اسے کچھ سرسراہٹ یا کھڑکھڑاہٹ کی آواز سنائی دی۔ کہیں یہ وہی پیغام بر تو نہیں؟ اس کے دل کی دھڑکن تیز تر ہوگئی۔ مگر ہانپنے کی آواز تو کسی جانور کی تھی۔ اگلے ہی لمحے ایک بڑا سا شکاری کتا نمودار ہوا۔ اس کے منہ میں ایک خاکی رنگ کا لفافہ دبا ہوا تھا۔ اس نے آتے ہی یہ لفافہ سوفی کے قدموں میں ڈال دیا۔ یہ سب کچھ اس قدر تیزی سے ہوا کہ سوفی حواس باختہ ہو کر رہ گئی۔ شکاری کتا اپنا فرض انجام دے کر درختوں کے جھنڈ میں غائب ہو چکا تھا۔

سوفی کے ہوش ٹھکانے آگئے اور اس نے چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ خاموش تو آخر ہونا ہی تھا۔ اب سوفی نے اس لفافے کا جائزہ لینا شروع کیا۔ ''تو یہ تھا خصوصی پیغام بر'' سوفی نے

Marfat.com

اطمینان کا سانس لیا۔اب اس کی عقل میں آیا کہ لفافے کے کنارے گیلے کیوں تھے اور اس کے اطراف میں دو سوراخ ہونے کی وجہ کیا تھا۔فلسفی کے یہ لکھنے کی تک بھی سمجھ میں آ گئی کہ اگر وہ کوئی خط لکھے تو اس میں بسکٹ یا کوئی میٹھی چیز ڈال دیا کرے۔سوفی نے لفافہ کھولا اور پڑھنا شروع کر دیا۔

ایتھنز والوں کا فلسفہ

ڈیئر سوفی! جب تمہارے پاس یہ لفافہ پہنچا ہوگا تو یقیناً اس وقت تک تمہاری ملاقات ہرمز سے ہو چکی ہوگی۔ اگر تمہاری سمجھ میں نہیں آیا تو میں بتا دوں کہ یہ ایک شکاری کتا ہے۔مگر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔وہ بہت ہی شریف النفس، اعلیٰ اقدار و اخلاق کا مالک اور بے حد ذہین ہے۔ بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ وہ بہت سے انسانوں سے بہتر ہے تو بے جا نہ ہوگا۔وہ کسی بھی حالت میں جانوروں جیسی حرکت نہیں کرتا۔

اس کا یہ نام بھی نہایت معنی خیز ہے۔ یونانی دیو مالائی داستانوں میں ہرمز خداؤں کے پیغام بر کا نام ہے۔وہ بحری سیاحوں کا خدا بھی تھا۔مگر ہمیں ان باتوں سے کوئی غرض نہیں رکھنی چاہیئے۔ یہ بھی جان لو کہ اس کا مطلب پوشیدہ اور نا قابل حصول بھی ہے۔ ہرمز کی ایک ذمہ داری یہ بھی ہے کہ رازداری کو وہ اپنا فرض گردانتا ہے۔ میں نے اپنے نامہ بر کا تعارف اچھی طرح کرا دیا ہے۔وہ اپنے نام کی مکمل تصویر ہے۔

اب ہم واپس فلسفے کی طرف پلٹتے ہیں۔ہم نے اپنے اسباق کا پہلا دور مکمل کر لیا ہے جس میں فطری فلسفہ دانوں اور ان کے فیصلہ کن باتوں کا ذکر ہے۔مزید یہ کہ دیو مالائی دنیا کا پورا نقشہ بھی ہمارے سامنے آ جاتا ہے۔اب ہم تین عظیم مستند فلسفہ دانوں سے ملاقات کرنے جا رہے ہیں، جن کے نام ہیں، سقراط (Socrates) افلاطون (Plato) اور ارسطو (Aristotle) اپنے اپنے انداز میں ان تینوں نے مغربی تہذیب پر نہایت طاقتور اور خوشگوار اثرات مرتب کیے ہیں۔

فطری فلاسفران کو کہا جا سکتا ہے جو سقراط سے قبل نام پیدا کر گئے۔ یہاں تک کہ ڈیمو کریٹس سقراط کی زندگی میں موجود تھا لیکن اس کا تمام علم اور فلسفہ سقراط کے میدان عمل میں

Marfat.com

آنے سے پہلے کا تھا۔ سقراط نے ایک نئے دور کی تاریخ اجاگر کی۔ ایتھنز میں پیدا ہونے والے فلسفہ دانوں میں وہ پہلا عظیم فلسفہ دان تھا۔ اس کے دونوں شاگرد بھی وہیں پیدا ہوئے اور وہیں اپنا علم بکھیرتے رہے۔ یہاں اناکسوگراس کا ذکر بھی کیا جا سکتا ہے۔ کہ اس نے کچھ عرصہ ایتھنز میں گزارا لیکن جلد ہی وہ عتاب کا شکار ہو گیا اور اسے وہاں سے نکال دیا گیا کیونکہ اس نے سورج کو سرخ رنگ کا گرم پتھر کہہ دیا تھا۔

سقراط کے دور میں ایتھنز تہذیب و ثقافت کا گڑھ تھا۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ فلسفیانہ انداز کی تبدیلی سقراط ہی لے کر آیا۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم سقراط کے بارے میں مزید کچھ جانیں، ہمیں نام نہاد سوفسطائیوں (دھوکا دینے والوں) کے بارے میں بھی کچھ جان لینا چاہیئے جو سقراط کے زمانے میں ایتھنز کے آسمان پر چھائے ہوئے تھے۔

سوفی! دھیان رکھو، اب پردہ اٹھنے والا ہے۔ تاریخ کے پردے سے کئی راز افشا ہونے والے ہیں۔

مرکزی شخصیت

اندازاً چار سو پچاس سال قبل مسیح میں ایتھنز یونانی دنیا کا تہذیبی مرکز مانا جاتا تھا۔ اسی دور میں فلسفہ نے ایک نیا موڑ لیا۔ فطری فلسفہ دانوں کا خاص تعلق طبیعات کی دنیا سے تھا جس نے ان کو سائنس کی تاریخ میں مرکزی حیثیت دے دی۔ اب ایتھنز میں لوگوں کی اکثریت ان افراد کی طرف مرکوز ہو گئی جو معاشرے میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ رفتہ رفتہ جمہوریت زور پکڑتی گئی اور قانونی عدالتیں وجود میں آئیں۔

جمہوریت کے جڑ پکڑنے کے باعث رفتہ رفتہ تعلیم عام ہوتی چلی گئی۔ اسی اثناء میں خانہ بدوش معلموں اور فلسفیوں کا ایک گروہ، جو مختلف یونانی نوآبادیوں سے تعلق رکھتا تھا، ایتھنز میں گھس آیا۔ وہ اپنے آپ کو سوفسطائی کہتے تھے۔ ''سوفسطائی'' کے لفظی معنی ہیں ایک ذہین اور باخبر انسان۔ ایتھنز میں یہ لوگ وہاں کے باشندوں کو آمدنی کے ذرائع اور مختلف طریقوں سے رقم بٹورنے کے طور طریقے سکھانے لگے۔

سوفسطائی لوگوں کی ایک خصوصیت مشترکہ تھی۔ وہ لوگ فطری فلسفہ کے بارے میں بے

Marfat.com

حد تنقیدی اور روایتی رویہ اختیار رکھتے تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے فلسفیانہ انداز کو بے فائدہ قرار دے کر اس کو مسترد کر دیا۔

اُن کا نظریہ یہ تھا کہ فلسفیانہ سوالات کوئی وجود رکھتے ہیں اور آدمی کو اعتراض کرنے کا اختیار نہیں۔ فلسفے میں اس طرح کے خیالات کو مشکوک ذہن کی پیداوار کہتے ہیں۔

بہر حال چونکہ ہم ان تمام فلسفیانہ جواب کے بارے میں علم نہیں رکھتے۔ ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ لوگوں کو مشترکہ طور پر یہ کیسے رہنا چاہیئے، یہ انہیں سیکھنا پڑے گا۔ سوفسطائی لوگ بھی جانتے ہیں کہ معاشرے میں مل جل کر کیسے رہا جائے۔

''توازن برقرار رکھنے والی شخصیت'' جس کا نام پروٹو گاراس ہے، (B.C. 485-410) سوفسطائیوں کا ایک فلسفہ دان کا کہنا ہے کہ یہ جانچنا کہ کوئی چیز درست ہے یا غلط، اچھی یا بری، کا فیصلہ ضرورت کے مطابق ہوتا ہے۔ یہ پوچھے جانے پر کہ کیا وہ یونانی خداوں پر اعتقاد رکھتا ہے؟ اُس نے جواب دیا ''سوال پیچیدہ ہے اور زندگی بہت کم'' ایک شخص جو اس بات کا بھی واضح جواب نہ دے سکے کہ تم خدا کو مانتے ہو یا نہیں، اُسے متشکک (جس کا اعتقاد یہ ہو کہ خدا کے بارے میں ہمیں علم ہی نہیں کہ وہ ہے بھی یا نہیں) قرار دے دینا چاہیے۔

سوفسطائی افراد آزاد مزاج لوگ تھے۔ انہوں نے دنیا دیکھی تھی اور مختلف حکومتوں کے طریقہ کار کا مطالعہ کیا تھا۔ وہ قوانین سے واقف تھے۔ اسی علم کی بنیاد پر وہ یہ سوال اُٹھانے میں حق بجانب تھے کہ سماجی طور پر کیا بہتر ہے۔ اُن کے اسی قسم کے مجہول خیالات نے ایتھنز کی شہری زندگی پر بہت برا اثر ڈالا۔

دوسری طرف سقراط نے بھرپور کوشش کی کہ بین الاقوامی طور پر کوئی معیاری نمونہ سامنے لایا جائے جس پر سب لوگ متفق ہوں۔

Marfat.com

سقراط کون تھا

(SOCRATES)
(399-470BC)

فلسفے کی تاریخ میں سقراط کی حیثیت ایک چیستان کی طرح ہے۔اس کی کوئی تحریر دنیا میں موجود نہیں ہے۔اس کے باوجود وہ ان فلسفہ دانوں میں سے ایک ہے جس نے مغربی دنیا کے اذہان پر ایک انمٹ نقش قائم کر دیا، خصوصاً اپنی ڈرامائی موت کی وجہ سے بھی۔

وہ ایتھنز میں پیدا ہوا اور زندگی کا بیشتر حصہ چوراہوں اور بازاروں میں اپنے افکار پھیلاتے ہوئے گزار دیا۔اس کے ماننے والے ان ہی جگہ پر اس سے آکر ملتے تھے اور اس کی باتیں سنتے تھے۔''یہ مضافاتی علاقے کے درخت مجھے کچھ نہیں سکھا سکتے۔'' وہ کہا کرتا تھا۔وہ اکثر اپنے خیالوں میں کھو جاتا اور گھنٹوں دنیا و مافیہا سے بے خبر رہا کرتا۔

اپنی تمام زندگی وہ لوگوں کے لیے ایک معما بنا رہا۔لیکن خوبی قسمت سے اپنی موت کے بعد اسے مختلف فلسفیانہ خیالات کا استاد تسلیم کر لیا گیا۔اس کی گنجلک شخصیت نے اسے اس قدر مقبول بنا دیا تھا کہ ہر مکتبۂ فکر والوں نے دعویٰ کر دیا کہ وہ ہمارا آدمی تھا۔

شکل وصورت کے لحاظ سے وہ انتہائی بھدا آدمی تھا۔پستہ قد، فربہ اندام، آنکھیں بڑی بڑی اور میلی کچیلی، بھدی موٹی ناک۔لیکن انتہائی خوش اخلاق، بذلہ سنج اور ہمدرد۔اس کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ تم اس سے کمتر کو پا سکتے ہو؟ برتر کو بھی پا سکتے ہو، مگر اس کے برابر کا کوئی نہیں ملے گا۔اس کے باوجود اس کو سزائے موت دے دی گئی، وجہ؟ صرف اس کے فلسفیانہ خیالات اور سرگرمیوں کی بنا پر۔

سقراط کے بارے میں ہمیں اس کے شاگرد افلاطون کی تحریروں سے معلومات حاصل

Marfat.com

ہوتی ہیں۔افلاطون اپنے دور کا بلند پایہ فلسفہ دان تسلیم کیا گیا ہے۔اس نے مکالموں پر مشتمل کئی کتابیں لکھیں۔اور فلسفیانہ انداز میں ڈرامے تشکیل دیے۔اس کی تمام تحریروں میں سقراط کا ذکر بڑی عقیدت کے ساتھ کیا گیا ہے اور وہ سقراط کو اپنا استاد تسلیم کرتا ہے۔ڈراموں میں اُس نے سقراط کو ہی مرکزی کردار دیا ہے اور سب کچھ اس کے منہ سے ہی کہلوایا ہے۔ایک لحاظ سے یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ افلاطون نے اپنا فلسفہ سقراط کے منہ میں ڈال دیا ہے۔یہ بات یقین سے نہیں کہی جاسکتی کہ جو مکالمے سقراط نے ادا کیے ہیں، کیا وہ واقعی اسی کے تھے یا افلاطون کے۔ بالکل یہی صورت بعض دیگر دانشوروں اور تاریخی شخصیات کے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہے جنہوں نے اپنی کوئی تحریر نہیں چھوڑی۔ایک مستند مثال حضرت عیسیٰ کی ہے۔ہم پورے اعتماد کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ عظیم المرتبت حضرت عیسیٰ نے درحقیقت وہی الفاظ ادا کیے ہیں جو میتھیو اور کیوک نے ان کی طرف منسوب کیے ہیں۔بالکل یہی حال عظیم اور تاریخی شخصیت سقراط کے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہے۔یہ ایک تاریخی راز ہے جو کبھی آشکارا نہیں ہوگا۔

تقریر یا تحریر کا فن

سقراط کی فطرت اور خصوصیت یہ نظر آتی ہے کہ وہ باقاعدہ لوگوں کو سبق دینے کا عادی نہیں تھا۔بلکہ لوگ خود اس کی باتوں سے اپنا مطلب اخذ کرتے تھے اور کچھ سیکھتے تھے۔لہٰذا کسی روایتی اسکول ماسٹر کی طرح اس نے کوئی لیکچر کبھی نہیں دیا۔بس بحث مباحثہ اور سوال جواب میں اپنا مقصد ظاہر کر دیتا تھا۔اگر وہ صرف دوسروں کی باتیں سنا کرتا اور اپنے خیالات کا اظہار نہ کرتا تو وہ اتنا بڑا اور مفکر اور فلاسفر کبھی نہیں بن سکتا تھا۔اور اس کے نتیجے میں سزائے موت نہ پاتا۔اس کا وتیرہ یہ تھا کہ شاگردوں کے سامنے بس ایک سوال رکھ دیتا تاکہ کچھ گپ شپ ہو جائے اور خود کو بالکل ایسا ظاہر کرتا گویا وہ بالکل جاہل ہے اور اسے کچھ بھی نہیں معلوم۔جب بات چیت آگے بڑھتی تو وہ اندازہ لگا لیتا کہ کس لڑکے میں صلاحیت موجود ہے، اور تب وہ ان کو علیحدگی میں یہی بات سمجھاتا کہ کیا غلط ہے اور کیا صحیح۔سقراط کی ماں ایک مڈوائف تھی۔اسی نسبت سے وہ کہا کرتا تھا کہ میرا فن مڈوائف کے پیشے سے ملتا جلتا ہے۔مڈوائف خود کسی بچے کو جنم نہیں دیتی ہے لیکن اس کی پیدائش کے عمل میں معاون ثابت ہوتی ہے۔اسی طرح سقراط بھی علمی صلاحیت

Marfat.com

بہم پہنچا کر ایک ہونہار شاگرد پیدا کرتا ہے۔ایسا انسان جو عام انداز میں نہیں پرورش پاتا ہے اور نہ ہی کوئی اس کو ایسی ترتیب دے سکتا ہے۔

پیدائش کی صلاحیت قدرتی ہے۔لیکن علم کا حصول کسبی ہے۔اسے محنت کر کے حاصل کرنا پڑتا ہے۔اپنی جہالت اور کم علمی دکھا کر سقراط لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرتا تھا کہ وہ اس کے سامنے اپنی قابلیت کا مظاہرہ کریں اور اپنی علمی استعداد کو بڑھائیں۔ہم اسے سقراط کا نفسیاتی گر کہہ سکتے ہیں۔ایسی صورت میں سقراط کو پورا موقع ملتا کہ وہ لوگوں کی سوچ اور ان کے خیالات کو پرکھ سکے،اور یہ کام عام گزرگاہ یا چوک وغیرہ میں ہی ہوسکتا تھا۔

چنانچہ یہ کوئی مقام حیرت نہیں کہ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا،لوگ اس کی علمی قابلیت سے مستفید ہوتے چلے گئے،خاص طور پر وہ لوگ جو معاشرے میں اونچا مقام رکھتے تھے۔''ایتھنز ایک کاہل اور سست گھوڑے کی طرح ہے۔'' لیکن میں تیز طرار ہوائی مکھی ہوں اور دوسروں کی زندگی میں جان ڈال سکتا ہوں۔

(سوفی!ہم لوگ عام زندگی میں مکھیوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں؟)

ایک مقدس آواز

کئی باتیں سقراط کے رقیبوں کیلئے سوہان روح بنی ہوئی تھیں لیکن سقراط اپنے نظریے میں ترمیم کرنے کو بالکل تیار نہیں تھا۔اس کا کہنا تھا کہ یہ باتیں اسے ایک مقدس آواز نے بتائی ہیں، یا یہ کہ اس کے دل کی آواز ہے۔مثال کے طور پر کہ موت کوئی چیز نہیں ہے،اور اس بات پر ڈٹے رہنے کی سزا اسے موت کی صورت میں ملی۔

399 قبل مسیح میں اس پر الزام عائد کیا گیا کہ اس نے چند نئے خدا متعارف کرائے ہیں اور نوجوانوں کو بداخلاقی پر اکسا رہا ہے۔مزید برآں کہ موجودہ خداؤں کو تسلیم نہیں کرتا ہے۔ پانچ سو سربرآوردہ افراد کی اکثریت نے اسے گنہ گار قرار دے دیا۔

اس نے رواداری اور رحم کے لئے کوئی درخواست نہیں دی۔اگر وہ جلاوطنی کی سزا بھی قبول کر لیتا تو اپنی زندگی سے محروم نہ ہوتا۔لیکن اگر وہ یہ شرائط تسلیم کر لیتا تو کیا وہ سقراط کہلانے کا مستحق ٹھہرتا؟اس نے اپنے نظریات کو حق پر سمجھا اور اپنی زندگی وار دی۔اس نے جیوری کو یقین

Marfat.com

دلانے کی پوری کوشش کی کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے، ملک کے مفاد میں کر رہا ہے۔ جیوری اپنی ضد پر اڑی رہی۔ چنانچہ اس نے اپنے دوستوں کی موجودگی میں زہر کا پیالہ پی لیا اور موت کو گلے لگا لیا۔

سوفی! کیا تم بتا سکتی ہو کہ اس نے موت کو ترجیح کیوں دی؟ آج تک دو ہزار سال سے زیادہ گزر جانے کے باوجود لوگ اس کا جواب تلاش نہیں کر پائے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ تاریخ میں وہ پہلا شخص نہیں تھا جو اپنے عقائد پر اٹل رہتے ہوئے موت سے دوچار ہوا۔ جیسا کہ میں حضرت عیسیٰ کا ذکر کر چکا ہوں۔ ان کے علاوہ چند اور نظیریں بھی مل سکتی ہیں۔

حضرت عیسیٰؑ اور سقراط تو اپنے ہم عصروں میں انتہائی پیچیدہ شخصیات تھیں اور نہ ہی دونوں نے کوئی تحریر چھوڑی، چنانچہ ہم ان خاکوں اور سنی سنائی باتوں سے نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں جو ان کے مریدوں اور شاگردوں کے ذریعہ ہم تک پہنچیں۔ مزید یہ کہ دونوں اپنی اپنی جگہ خطبات اور مکالمات ادا کرنے کے ماہر تھے۔ دونوں کی باتوں میں جادو تھا اور وہ لوگوں کو متاثر کرنا جانتے تھے۔ اس کے علاوہ ان کو یہ بھی اعتقاد تھا کہ وہ خود نہیں بول رہے ہیں بلکہ الفاظ کے پردے میں خدا بول رہا ہے۔ انہوں نے بداخلاقی اور ناانصافی کے خلاف ہر محاذ پر ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ مگر بالآخر بدمعاشوں اور شیطانوں کے مقابلے میں شکست کھا گئے۔

ایک بات مشترک یہ بھی ہے کہ رحم کی درخواست پیش کر کے وہ اپنی زندگی بچا سکتے تھے۔ لیکن جوان کی زندگی کا مقصد اور مطمع نظر تھا اور جس حق کیلئے وہ جیے ہوئے تھے، اس کی نفی ہو جاتی۔ بہادری اور جواں مردی سے موت کو گلے لگا کر انہوں نے تاریخ میں ایک مثال قائم کر دی اور اپنے ماننے والوں کو سبق دیا کہ حق اور سچ کے مقابلے میں زندگی کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

یہاں یہ نہیں بتایا جا رہا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اور سقراط ہم رتبہ تھے۔ میں صرف یہ کہنا چاہ رہا ہوں کہ دونوں کے پاس اپنا ایک نظریہ اور پیغام تھا اور یہ عقیدہ اسی قدر پختہ تھا کہ وہ اپنی بات سے سرمو پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھے۔

ایتھنز کا مسخرہ

سوفی! ابھی سقراط کا ذکر ختم نہیں ہوا۔ اب تک ہم اس کے طریق استدلال کے متعلق

Marfat.com

باتیں کرتے رہے ہیں، لیکن آخر اس کا فلسفہ کیا تھا؟

سقراط اس زمانے میں اپنا فلسفہ پیش کر رہا تھا جب سوفسطائی بھی سرگرم عمل تھے۔ انہی کی طرح سقراط کو ایک عظیم فلسفی قرار دیا گیا اور کہا گیا کہ سقراط وہ عظیم ہستی ہے جس نے فلسفے کی روشنی کو گھر گھر پھیلایا۔

لیکن سقراط اور سوفسطائیوں میں ایک بنیادی فرق تھا۔ اس نے کبھی اپنی زبان سے یہ نہیں کہا کہ وہ ایک بہت بڑا عالم اور بے حد ذہین شخص ہے۔ اس نے سوفسطائیوں کی طرح کبھی اپنے شاگردوں کو دولت حاصل کرنے کے لیے نہیں اکسایا..... جائز یا ناجائز۔ سقراط ایک سچا اور محبّ وطن شخص تھا اور ایک فلسفہ دان کہلانے کا جائز حق دار۔

سوفی! اب تم پوری توجہ اور دل سے تیار ہو جاؤ، آگے بڑھنے کیلئے کیونکہ یہ سبق اس قدر آسان نہیں ہے، اور جب تک تم پوری دلچسپی نہیں لوگی، بات اور حقیقت کو سمجھ نہیں پاؤ گی۔ اب ہم سوفسطائی لوگوں اور فلسفیوں کے درمیان فرق کا موازنہ کرتے ہیں۔ سوفسطائی افراد احکام ربانی میں موشگافی کرتے ہیں اور بال کی کھال نکالتے ہیں اور طرح طرح سے دھوکا دے کر اور لوگوں کو بے وقوف بنا کر ان سے رقم بٹورتے ہیں۔ یہ لوگ کبھی ایک جگہ نہیں ٹکتے، آتے اور جاتے رہتے ہیں، اور کوئی بھی انہیں نہیں جانتا۔ لیکن ایک حقیقی فلسفہ دان وہ صاف وشفاف ہستی ہے جو دور سے پہچانی جاتی ہے۔ ایک فلاسفر یہ جانتا ہے کہ ابھی وہ کچھ بھی نہیں جانتا، چنانچہ وہ علم حاصل کرنے کیلئے طرح طرح کی مصیبتیں جھیلتا ہے اور بے شمار کشٹ اٹھاتا ہے۔ سقراط ایسے ہی نایاب اور گوہر آبدار لوگوں میں سے ایک تھا۔ وہ اپنی علمی حیثیت کو کچھ بھی نہیں گردانتا تھا۔ وہ خود تسلیم کرتا تھا کہ اسے دنیا اور زندگی کی حقیقت کا ابھی تک سوفی صد ادراک نہیں ہے۔

اور اب اس سبق کا نازک موڑ آتا ہے۔ سقراط کو اس بات کا دکھ ستانے لگا کہ اس کا علم اتنا محدود کیوں ہے۔ سچا اور حقیقی فن کار وہی ہے جسے اپنے آپ پر فخر وغرور اور ناز نہ ہو۔ وہ ہمیشہ یہی سمجھتا رہے کہ ابھی وہ اپنے فن میں کچا ہے اور اسے مزید سیکھنے کی تگ ودو کرنی چاہیئے۔ ایسے ہی لوگوں کیلئے یہ مثال وضع کی گئی ہے۔ ''اسے معلوم ہے کہ وہ کچھ نہیں جانتا۔''

سقراط انہی الفاظ کو اسی طرح کہا کرتا تھا۔ ''ایک بات جس سے میں پوری طرح آگاہ ہوں، وہ یہ ہے کہ میں بالکل جاہل ہوں''۔

Marfat.com

یادرکھو کہ یہ بات سمجھنا اور اسے تسلیم کرنا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ صرف وہی لوگ ایسا کر سکتے ہیں جو اپنے علم اور مہارت کو مزید ترقی کی راہ پر گامزن دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہ کوئی ہتک کی بات نہیں کہ اگر تمہیں کوئی بات معلوم نہیں ہے اور اس ڈر سے کسی سے پوچھتے ہوئے شرم آتی ہو کہ وہ میرے بارے میں کیا سوچے گا؟ بے دھڑک ہو کر استاد سے سوالات کرو اور ان باتوں کو ذہن نشین کرو۔

کیا تمہیں اس بادشاہ کی کہانی معلوم ہے جس نے ایک نہایت عجیب اور نادر روزگار لباس سلوایا تھا؟ یہ ایک سراسر دھوکا تھا اور چند نوسر بازوں نے دولت اینٹھنے کیلئے بادشاہ کو بے وقوف بنایا تھا۔ اس مصنوعی لباس میں بادشاہ بالکل عریاں نظر آتا تھا۔ لیکن کسی میں ہمت نہ تھی کہ وہ بادشاہ کو حقیقت سے آگاہ کر سکے۔ لیکن سچ بھلا چھپ سکتا ہے؟ ایک بچہ یہ دیکھ کر اچانک چلا اٹھا۔ ''بادشاہ تو بالکل برہنہ ہے''۔ بچہ بڑا ہی حقیقت شناس تھا۔ اس نے جو دیکھا اور محسوس کیا، وہ سب کچھ بے دھڑک کہہ دیا۔ اسی طرح سقراط نے بھی یہ بتانے کی کوشش کی کہ ابھی انسان کا علم ادھورا ہے۔ بچے اور فلسفی فطرتاً بڑے معصوم اور بھولے ہوتے ہیں۔ وہ جو کچھ دیکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں، بلاکم وکاست اور بے تکلفی سے بیان کر دیتے ہیں، انجام کی پروا کیے بغیر۔

اگر حقیقت پسندی سے دیکھا جائے تو انسانی زندگی میں بے شمار دشوار گزار مراحل آتے ہیں اور ان کا حل کرنا بھی بظاہر مشکل نظر آتا ہے۔ ان کے سامنے دو ہی راستے ہوتے ہیں۔ یا تو ہم اپنے آپ کو لاعلم اور جاہل قرار دے دیں یا پھر دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونک کر الل ٹپ دلائل دے کر انہیں بے وقوف بنانے کی کوشش کریں۔

یہ کھیل بالکل تاش کے ایک دھوکہ باز کھیل کی طرح ہے۔ گڈی کو تم دو حصوں میں تقسیم کر دو۔ سیاہ رنگ کے کارڈ ایک طرف اور سرخ رنگ کے دوسری طرف۔ درمیان میں ایک جوکر دخل انداز ہو کر سب کچھ اَدھر اُدھر کر دیتا ہے۔ وہ جوکر نہ ہی پان ہے اور نہ چڑیا۔ وہ نہ اینٹ ہے اور نہ حکم۔ اسی طرح کا کردار سقراط کا بھی تھا۔ وہ پر اعتماد بھی نہیں تھا اور اسے اپنے آپ پر بھروسہ بھی تھا۔ وہ بس اتنا ہی جانتا تھا کہ وہ کچھ نہیں جانتا ہے، اور یہی بات اس کی زندگی کو 'اجیرن' کیے ہوئے تھی۔ وہ لوگ جو اپنی جدوجہد جاری رکھتے ہیں اور کبھی شکست تسلیم نہیں کرتے، وہ ایک نہ ایک دن کامیابی ضرور حاصل کر لیتے ہیں۔

Marfat.com

ایتھنز کے ایک دانش مند نے دیوتا ڈیلفی کی خدمت میں عرض کیا کہ ایتھنز کا سب سے زیادہ خردمند اور عقل مند شخص کون ہے؟ استخارے میں جواب آیا کہ زندگی کے ہر شعبے میں سب سے زیادہ زیرک اور ذہین سقراط ہے۔ جب سقراط کو یہ بات پتہ لگی تو وہ ہکا بکا رہ گیا۔ (ممکن ہے کہ وہ ہنسی سے دہرا ہو گیا ہو) وہ سیدھا اس دانش مند شخص کے پاس چلا گیا لیکن وہ سقراط کے سوالات کا اطمینان بخش جوابات نہ دے سکا۔ سقراط نے تسلیم کر لیا کہ استخارہ میں جو کچھ بتایا گیا ہے وہ واقعی درست تھا۔

حقیقی بصیرت .....صحیح رہنمائی کا راز

جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں، سقراط کا کہنا تھا کہ کوئی مقدس آواز اس کی رہنمائی کرتی ہے۔ اس کا ضمیر اس بات کی تصدیق کرتا ہے۔ ''وہ جو نیکی پر یقین رکھتا ہے، وہ نیک کام ہی کرے گا۔'' اس کا ایمان تھا۔ اس قول سے اس کا مطلب یہی تھا کہ حقیقت سیدھا راستہ دکھاتی ہے۔ اور دنیا میں وہی کامیابی حاصل کرتا ہے جو سیدھے راستے پر چلتا ہے۔ ''اگر ہم کوئی غلط قدم اٹھا لیتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ ہم سیدھا راستہ نہیں جانتے''۔ اسی لیے تلقین کی گئی ہے کہ علم حاصل کرو۔ سقراط اس کو اپنی ذمہ داری سمجھتا تھا کہ دنیا کے سامنے ثابت کر سکے کہ کیا سچ ہے اور کیا جھوٹ۔ سقراط کا خیال تھا کہ اگر آدمی دلی طور پر مطمئن نہ ہو تو وہ کبھی خوش نہیں رہ سکتا، اور جو یہ راز جانتا ہے کہ خوشی کیسے حاصل ہوتی ہے، وہ وہی طرز عمل اپنائے گا۔ چنانچہ ثابت ہوا کہ جو سچ کی پہچان رکھتا ہے، وہ صحیح راستے پر چلے گا۔ کوئی غیر مطمئن زندگی گزارنا آخر کیوں پسند کرے گا؟

سوفی! تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے؟ کیا تم اس طرح پرسکون زندگی گزار سکتی ہو جب کہ تم کو ہر دم کھٹکا لگا رہتا ہے کہ جو کچھ تم نے کیا ہے، وہ شاید غلط ہے۔ اس دنیا میں بے شمار ایسے لوگ موجود ہیں جو جھوٹ اور بے ایمانی کے سہارے زندگی گزار رہے ہیں اور بڑے دھڑلے کے ساتھ اول فول بکتے ہیں۔ انہیں یہ احساس ہی نہیں ہوتا کہ یہ سب کچھ نادانی ہے۔ شاید ان کا ضمیر مر چکا ہے۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ یہ لوگ پرمسرت اور مطمئن زندگی گزار رہے ہوں گے؟

Marfat.com

جب سوفی یہ خط پڑھ چکی تو اس نے اسے بسکٹ کے ایک خالی ڈبے میں ڈالا اور باغ میں ایک طرف چھپا دیا۔ وہ چاہتی تھی کہ ماں کے آنے سے قبل گھر میں گھس جائے تا کہ ماں کے سوالات سے بچ سکے۔ اس نے اندر آ کر برتن دھونے شروع کر دیے۔ تھوڑی دیر بعد ماں اندر داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں دو بڑے بڑے تھیلے تھے۔ اس نے آتے ہی سوفی سے پوچھا۔

''ان دنوں تم بے حد مصروف دکھائی دیتی ہو؟''

سوفی کی سمجھ میں نہ آیا کہ ماں نے یہ سوال کیوں پوچھا۔ وہ بڑبڑائی۔

''سقراط بھی اسی طرح بے سوچے سمجھے بک بک کیا کرتا تھا''۔

''سقراط؟'' ماں کے لہجے میں حیرت تھی۔

''حیرت انگیز، لیکن بالآخر اس کو جان دینی پڑی۔'' سوفی گہری سوچ و فکر میں مبتلا تھی۔

''اف میرے خدا! میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ میں کیا کہوں۔''

''حالانکہ سقراط کا کوئی قصور نہیں تھا۔ وہ تو بس یہی کہتا تھا کہ میرا علم ابھی خام ہے۔ اس کے باوجود میں ایتھنز کا سب سے ہوشیار شخص ہوں۔''

اس کی ماں گنگ رہ گئی۔ بالآخر تھوک نگلتے ہوئے بولی۔ 'کیا آج کل تمہارے اسکول میں یہی پڑھائی چل رہی ہے؟''

سوفی نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے شانے اچکا دیے۔ ''یہ باتیں وہاں نہیں سکھائی جاتیں۔ اسکول ماسٹروں اور فلاسفروں کے درمیان یہی فرق ہے۔ اسکول کے استاد اپنے آپ کو بہت قابل اور فاضل سمجھتے ہیں۔ جب کہ فلسفی حضرات اپنے شاگردوں کو انسان سمجھتے ہیں اور بڑے پیار سے علم و عقل کی باتیں سمجھاتے ہیں۔''

''یقیناً تمہارا بوائے فرینڈ کوئی فاتر العقل شخص ہے۔ تم مجھے بتا کیوں نہیں دیتیں کہ وہ کون ہے؟'' ماں نے جھلاتے ہوئے پوچھا۔

سوفی برتنوں کی طرف متوجہ ہو گئی۔ ''وہ کوئی احمق نہیں بلکہ بہت ہی معقول آدمی ہے۔ وہ دانش کی باتیں سیکھ رہا ہے۔ لہٰذا اسے پاگل یا مسخرہ بھی نہیں کہا جا سکتا۔''

''کیا کہا تم نے؟ مسخرہ؟''

سوفی نے اثبات میں سر ہلایا ''کیا تم نے کبھی غور کیا ہے کہ تاش کی گڈی میں کتنے پان اور

Marfat.com

کتنے اینٹ ہوتے ہیں اور کتنے حکم اور چڑیائیں، مگر جو کر صرف ایک ہی ہوتا ہے۔"

"ندامت کے اظہار کیلئے یہ آسان اور بہترین طریقہ ہے سوفی!"

"اور آپ بھی انتہائی فضول سے سوالات کرتی ہیں۔" سوفی نے تلخ انداز میں جواب دیا۔

اس کی ماں اس دوران تمام سامان اپنی جگہ رکھ چکی تھی۔ اس نے اخبار اٹھایا اور نشست گاہ کی طرف بڑھ گئی اور دروازے کی کنڈی چڑھالی۔ سوفی نے برتنوں کا کام ختم کیا اور اوپر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اس نے سرخ ریشمی رومال جو الماری کے اوپر لیگو بلاکس کے قریب رکھ دیا تھا، نیچے اتارا اور ایک بار پھر اس کا معائنہ کرنے لگی۔

ہلڈی.....

Marfat.com

ایتھنز کی سیر

اسی روز شام کی بات ہے۔ سوفی کی والدہ اپنے کسی رشتہ دار سے ملاقات کرنے چلی گئی۔ اس کے روانہ ہوتے ہی سوفی باغ میں اپنی پناہ گاہ کی طرف پہنچی۔ وہاں ایک بڑا سا لفافہ موجود تھا۔ سوفی نے لفافہ پھاڑا۔ اس کے اندر ایک ویڈیو کیسٹ رکھا ہوا تھا۔

وہ تیزی سے کمرے کی جانب آئی۔ اس فلسفی کو کیسے معلوم ہوا کہ میرے گھر میں وی سی آر موجود ہے؟ اور اس کیسٹ میں کیا ہے؟

سوفی نے کیسٹ وی سی آر میں لگایا۔ ایک بے حد طویل و عریض اور کشادہ شہر کا نقشہ اسکرین پر نمودار ہوا۔ کیمرے نے تیزی سے کسی شہر کا بالا حصار دکھلایا اور سوفی نے فوراً پہچان لیا کہ یہ شہر ایتھنز کے علاوہ اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ ایک براہ راست منظر تھا۔

سردی سے سکڑے ہوئے سیاح گردنوں میں کیمرے لٹکائے تیزی سے اِدھر اُدھر بھاگ دوڑ رہے تھے، ان ہی سے ایک کے ہاتھ میں ایک نوٹس بورڈ تھا۔ شاید اس پر ''ہلڈی'' تحریر تھا۔

ایک منٹ بعد ایک ادھیڑ عمر شخص کا چہرہ دکھایا گیا۔ پستہ قد، سیاہی مائل اور خوب گھنی داڑھی، اس کے سر پر گول ٹوپی تھی۔ اس نے کیمرے کی جانب دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

''ایتھنز میں خوش آمدید، سوفی! شاید تم نے مجھے پہچان لیا ہوگا۔ میں البرٹو ناکس ہوں۔ ہم لوگ اس وقت بالا حصار کے پاس کھڑے ہیں۔ اس لفظ کا مطلب ہے، قلعہ۔ مزید وضاحت کیلئے یہ سمجھ لو کہ ''پہاڑیوں پر بسا ہوا شہر'' پتھروں کے زمانے سے یہاں لوگ بسے ہوئے ہیں۔ اس کا محل وقوع بے حد اہم حیثیت رکھتا ہے۔ بلند مرتفع میدانوں کی وجہ سے قزاقوں اور دشمنوں کا مقابلہ کرنا بے حد آسان ہے۔ قلعے کے اوپر سے بحیرہ روم کا دلکش نظارہ روح کو تر و تازہ بخشتا ہے۔ شروع میں اس شہر نے میدان مرتفع میں آباد ہونے کا آغاز کیا اور بالا حصار کو ایک چار

Marfat.com

دیواری یا پناہ گاہ کی حیثیت دی گئی۔قبل مسیح پانچویں صدی کے دوران ایران نے حملہ کر دیا اور شہنشاہ سائرس نے ایتھنز کو تباہ و برباد کر دیا۔ایتھنز کی تمام چوبی عمارتیں جلا دی گئیں۔اگلے سال ایتھنز والوں نے ایرانیوں کو شکست فاش دے دی۔اس شاندار فتح کے بعد ایتھنز کا سنہری دور شروع ہوا۔قلعہ کی دیواریں دوبارہ تعمیر کی گئیں،مزید مضبوط اور فن تعمیر کے معیار کے مطابق۔اور اب اس کو واقعی صحیح معنوں میں ایک محفوظ پناہ گاہ کا درجہ حاصل ہو گیا۔

یہی وہ زمانہ تھا جب سقراط یہاں کی سڑکوں پر گھومتا پھرتا اور ایتھنز والوں سے مکالمہ بازی کرتا ہوا نظر آنے لگا۔اس کی نظروں کے سامنے یہ شہر دوبارہ آباد ہوا اور اس کی تمام تعمیر و ترقی اس نے بچشم خود دیکھی۔اور میرے عقب میں یہ شاندار عمارت ایستادہ ہے،تم دیکھ رہی ہو۔یہ ایک مقبرہ ہے،ایک قدیم سلطنت کی عبادت گاہ۔اس کو ''پاک مقام'' بھی کہا جاتا ہے۔یہ ''ایتھنز'' کے اعزاز میں بنایا گیا جو ایتھنز کے باشندوں کی سرپرست اور خدا ہے۔سنگ مرمر کے بڑے بڑے تختوں سے مزین یہ عمارت ایک پرشکوہ منظر پیش کرتی ہے۔رنگ و نور کا مرقع اور اس کی جھلملاہٹ دور دور سے لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کرتی ہے۔اس کے ستون اندر کی طرف مڑے ہوئے ہیں اور پندرہ سو میٹر کے مخروطی مینار مقبرے کی شان میں مزید اضافہ کر رہے تھے۔مقبرے کے عین درمیان میں ''ایتھنز'' کا بارہ میٹر بلند مجسمہ رونق کو دوبالا کر رہا ہے۔سفید سنگ مرمر کو سولہ کلومیٹر دور ایک پہاڑی سے کاٹ کر لایا گیا تھا اور ان پر مختلف شوخ رنگوں سے نقش و نگار بنائے گئے تھے۔

سوفی کا چہرہ زرد پڑ گیا۔کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔کیا یہ واقعی کوئی فلسفہ دان بول رہا تھا۔اس سے قبل اس نے البرٹو ماکس کی صرف ایک ہلکی سی جھلک دیکھی تھی۔کیا یہ ممکن ہے کہ یہ وہی آدمی ہو جو اس وقت ایتھنز کے قلعے پر کھڑا ہے؟

اُس نے مقبرے کے اردگرد چکر لگانا شروع کر دیا اور کیمرہ اُس کے ساتھ حرکت کرتا رہا۔بالکونی کی داہنی جانب جا کر اُس نے زمینی منظر کی طرف اشارہ کیا۔کیمرہ اب ایک قدیم بڑا کمرہ دکھا رہا تھا جو کہ میدانِ مرتفع اور بالا حصار کے نیچے تھا۔

''یہ ہے ڈائیونای سس تھیٹر،گول ٹوپی والے نے اپنی بات جاری رکھی۔'' یہ یورپ کے قدیم ترین تھیٹروں میں سے ایک ہے۔یہ وہ جگہ ہے جہاں بڑے بڑے المیہ ڈرامے

Marfat.com

دکھائے گئے۔ یہ سقراط کا زمانہ تھا۔ کئی مزاحیہ ڈرامے بھی یہاں اسٹیج ہوئے۔ ٹھیک تمہارے عقب میں وہ دیوار ہے جہاں اداکار اپنے لباس تبدیل کیا کرتے تھے۔ اب ہم چلتے ہیں ذرا اور نیچے کی طرف۔''

وہ پستہ قد شخص مقبرے کے چاروں طرف چکر لگاتا رہا۔ داہنی طرف چند اور بھی چھوٹے چھوٹے مقبرے تھے۔ جب وہ قلعے کے پاس پہنچا تو وہ ایک پہاڑی پر چڑھ گیا اور ایتھنز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ''جس پہاڑی پر میں اس وقت کھڑا ہوں اسے اپروپاگوس کہا جاتا ہے۔ یہ وہ پہاڑی ہے جہاں بیٹھ کر ایتھنز کے ہائی کورٹ کے جج قتل کے مقدمات سنا کرتے تھے اور اپنا فیصلہ دیا کرتے تھے۔ کئی سو سال بعد سینٹ پال، جو حضرت عیسیٰؑ کے بارہ حواریوں میں سے ایک تھا، اُس نے یہاں حضرت عیسیٰؑ اور عیسائیت کے بارے میں تبلیغ شروع کی۔ ہم ذرا پیچھے کی طرف چلتے ہیں کہ تبلیغ شروع کرنے سے پہلے اُس نے کیا کہا تھا۔ نیچے بائیں طرف پرانے ایتھنز شہر کے چوک کی باقیات نظر آ رہی ہیں۔ مختلف دھات کے کاریگروں کے خدا ہیفائٹوس کے مقبرے کے علاوہ نیچے چند سنگ مرمر کی قبریں محفوظ ہیں۔ آؤ! ذرا اور نیچے چلتے ہیں۔

اگلے لمحے وہ چند یادگاروں کے درمیان نظر آیا جو کہ تباہی سے دوچار ہو چکے تھے۔ سوفی کو ٹی وی پر ایتھنز کے عظیم الشان مقبرے قلعے کے آس پاس نظر آ رہے تھے۔ ان میں سے ایک قبر کے چبوترے پر فلاسفی کا وہ استاد بذات خود بیٹھا ہوا تھا۔ اُس نے کیمرے کی طرف دیکھا اور بتانے لگا۔ ''اس وقت ہم ایتھنز کے سطح مرتفع میں ہیں۔ آج ان کی حالت نہایت عبرتناک ہے۔ لیکن ایک زمانہ تھا جب یہ علاقہ بڑے بڑے اداروں کی عمارتوں سے جگمگ کر رہا تھا۔ یہاں مقدس مزارات تھے۔ انصاف کی عدالتیں اور دیگر تجارتی مراکز، دفاتر، دکانیں اور ایک کنسرٹ ہال موجود تھے۔ یہ سب کچھ ایک چوک کے اردگرد واقع تھیں جو کہ ہر خاص و عام کے لئے ہر وقت کھلی رہتی تھیں۔ یورپی تہذیب کے تمام اقسام کے نمونے یہاں دیکھے جا سکتے تھے۔ سیاست اور جمہوریت، دولت کا نظم و نسق اور تاریخ، علم حیات اور علم طب، حساب اور منطق، مذہب اور فلسفہ، اخلاق اور فلسفہ، عمل اور نصاب، خیالات اور تنظیم، ان تمام بحث و مباحث کا مرکز صرف یہی چوراہا تھا۔ سقراط نے یہیں اپنے علم کے جوہر دکھائے۔ وہ کسی بھی

Marfat.com

عام آدمی کا راستہ روک لیتا اور اُس سے فلسفے کے سوالات پوچھنا شروع کر دیتا۔ کبھی کسی بڑے آدمی سے ایسے ہی سوالات پوچھتا۔ اس حرکت سے وہ یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ ایک عام آدمی اور بڑے آدمی کی دماغی صلاحیتیں ایک جیسی ہی ہیں۔ اس کے بعد اپنے ذہین شاگرد افلاطون سے ان معاملات پر بات چیت کرتا۔ یہ ایک غیر معمولی بات ہے۔ ہم آج بھی سقراط اور افلاطون کے فلسفے کا ذکر کرتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اُن دونوں کے خیالات و احساسات میں کافی فرق ہے۔"

سوفی کا دماغ کام نہیں کر رہا تھا۔ بس اتنا وہ جان گئی تھی کہ فلاسفر اُس کا امتحان لینے پر تلا ہوا ہے۔ یہ کیسٹ بھی اُس نے اُسی پراسرار کتے کے ذریعے بھجوایا تھا۔

فلاسفر سنگ مرمر کی چٹان پر سے اب اُٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ "سوفی! میں چاہتا تھا کہ تمہیں ایتھنز کی یادگاروں سے متعارف کرا دوں۔ شاید تم نے اتنا زیادہ اثر نہیں لیا ہوگا جو میرا مقصد تھا، لہٰذا تھوڑی سی اور تفصیل میں جانا چاہتا ہوں، اگر اجازت ہو۔"

یہاں تک بات کر کے وہ خاموش ہو گیا اور چند لمحے کیمرے کی طرف دیکھتا رہا۔ اس دوران تمام عمارتیں یکے بعد دیگرے اسکرین پر ابھرتی رہیں، گویا جادو کے زور سے یہ سر بہ فلک عمارتیں بنتی چلی جا رہی ہیں۔ سوفی دیکھ رہی تھی کہ اب یہ عمارتیں بالکل تازہ دم اور نئی نظر آ رہی تھیں۔ ان کے اوپر سونے کی تہہ چڑھا دی گئی تھی اور ان پر شوخ رنگ کر دیئے گئے تھے۔ زرق برق لباس پہنے یونانی باشندے اِدھر سے اُدھر گھوم رہے تھے۔ کئی ایک ہتھیاروں سے لیس تھے۔ کچھ لوگوں نے مختلف اقسام کے سامان اپنے سروں پر اٹھا رکھے تھے۔ بعض لوگوں کے ہاتھوں میں کتابیں بھی تھیں۔

ان تمام افراد کے درمیان سوفی نے اپنے فلسفے کے استاد کو پہچان لیا۔ وہ ابھی تک وہی نیلے رنگ کا چوغہ پہنے ہوئے تھا۔ وہ سوفی کی طرف بڑھا، کیمرے میں دیکھا اور کہنے لگا۔

"ہاں، اب ٹھیک ہے۔ اب ہم ایتھنز کے عجائب خانے میں آ گئے ہیں۔ میں یہی چاہتا تھا کہ تم خود بھی اسی ماحول میں موجود رہو۔ اب ہم چار سو سال قبل مسیح کے زمانے میں موجود ہیں، سقراط کی موت سے تین سال قبل، مجھے یقین ہے کہ اس دلکش سفر میں تمہیں خوب مزہ آ رہا ہوگا۔"

Marfat.com

سوفی سراسیمہ ہو رہی تھی۔ یہ آدمی ہے یا کوئی جادوگر؟ کیسے آن کی آن میں دو ہزار چار سو سال پیچھے چلا گیا؟ بالکل ہی ایک نئی دنیا میں وہ کیسے پہنچ گیا؟ اُس دور میں تو ویڈیو کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، لہٰذا ضرور یہ آج کل کی کوئی فلم ہے جس کی ویڈیو بنائی گئی ہے؟

مگر یہ تمام سنگ مرمر کی عمارتیں بالکل جدید کیوں لگ رہی ہیں۔ اگر صرف فلم بنانے کے لئے یہ عمارتیں بنائی گئی ہے اور چوراہے کا نقشہ پیش کیا گیا تو نہ جانے کتنی دولت صرف ہوئی ہوگی۔ یہ ایتھنز کا پورا نقشہ صرف سوفی کو دکھانے کے لئے تو نہیں بنایا گیا ہوگا۔

سطح مرتفع پر کھڑے انسان نے ایک بار پھر اُس کی طرف دیکھا۔

''کیا تم اُن دو آدمیوں کو دیکھ رہی ہو جو فوجی لباس میں ہیں؟''

سوفی نے اُس شخص کو دیکھا جو عمر رسیدہ تھا اور ایک کمبل اپنے گرد لپیٹا ہوا تھا۔ اُس کی داڑھی کافی طویل تھی اور ناک چپٹی، آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی اور رخسار بھی پچکے ہوئے۔ اُس کے عقب میں ایک خوبصورت تندرست و توانا جوان کھڑا تھا۔

''وہ سقراط ہے اور اُس کے ساتھ اُس کا نوجوان شاگرد افلاطون۔ اب تم بذات خود اُن دونوں سے ملاقات کرو گی۔''

فلسفہ دان اُٹھ کر اُن سے قریب پہنچا، اپنا چوغہ اتارا اور یونانی زبان میں کچھ ایسے الفاظ کہے جو سوفی کی سمجھ میں نہ آ سکے۔ پھر اُس نے کیمرے کی طرف دیکھا اور کہا۔ ''میں نے ان سے کہا ہے کہ ایک لڑکی جو ناروے کی رہنے والی ہے۔ آپ حضرات سے ملاقات کی خواہش مند ہے۔ چنانچہ اب افلاطون چند سوالات پیش کرے گا۔ تم اُن پر غور کرو۔ لیکن یہ کام بے حد پھرتی سے کرنا ہوگا۔ اگر یہاں کے محافظین آ گئے تو ہم سب مشکل میں گرفتار ہو جائیں گے۔

سوفی کے خون کی گردش تیز تر ہو گئی اور سانس دھونکنی کی طرح چلنے لگا، جب اُس نے دیکھا کہ نوجوان شخص آگے بڑھ رہا ہے اور پھر اُس نے کیمرے میں جھانکا۔

''ایتھنز میں خوش آمدید سوفی!'' اُس نے دھیمی دھیمی پر وقار آواز میں کہا۔ ''میرا نام افلاطون ہے۔ میں تمہارے ذمے چار سوالات لگا رہا ہوں۔ ذرا سوچو کہ ایک نانبائی بالکل ایک جیسے پچاس بسکٹ کیسے بنا لیتا ہے؟ اس کے بعد اپنے آپ سے سوال کرو کہ تمام گھوڑے ایک طرح کے کیوں ہوتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا انسانی روح لافانی ہے۔ اور آخری سوال یہ

Marfat.com

کہ کیا مرد اور عورت ایک جیسی قابلیت اور ذہانت رکھتے ہیں۔ نیک خواہشات!''

ٹی وی اسکرین پر سے تصویر غائب ہوگئی۔ سوفی نے ٹیب کو آگے پیچھے کیا، لیکن سب کچھ وہی تھا جو وہ دیکھ چکی تھی۔

سوفی نے اب دماغ پر زور ڈالنا شروع کر دیا۔ لیکن جیسے جیسے وہ سوچتی گئی، ایک کے بعد ایک خیالات گردش کرتے چلے گئے۔ اُس نے آغاز میں ہی یہ سراغ پالیا تھا کہ اُس کا فلسفی کا استاد دسنکی مزاج آدمی ہے۔ لیکن جیسے جیسے وہ قانونِ قدرت پر روشنی ڈالتا گیا، اُس کی ذہانت اور فطانت کھلتی چلی گئی۔

کیا اُس نے واقعی سقراط اور افلاطون کو ٹی وی پر براہ راست دیکھا ہے؟ نہیں، ایسا کیسے ہوسکتا ہے۔ مگر یہ کوئی کارٹون بھی نہیں تھا۔ سوفی نے ویڈیو ریکارڈ میں سے کیسٹ باہر نکال لیا اور سیدھی اپنے کمرے میں جا پہنچی۔ اُس نے اس کیسٹ کو لیگو بلاکس کے قریب الماری پر رکھ دیا اور بستر پر پڑ کر نیند کی آغوش میں چلی گئی۔

چند گھنٹے بعد اُس کی ماں کمرے میں داخل ہوئی۔ اُس نے سوفی کو آہستہ سے جگایا اور پوچھا۔ ''کیا بات ہے سوفی! تم تمام کپڑوں سمیت بستر میں گھسی ہوئی ہو؟''

سوفی نیم خوابیدہ لہجے میں آنکھیں ملتے ہوئے بولی۔ ''میں ذرا ایتھنز کی سیر کر رہی تھی۔'' وہ اتنی تھکی ہوئی تھی کہ بس یہی جملہ بول کر دوبارہ سوگئی۔

Marfat.com

افلاطون

(347-428 BC)

سوفی خوب گہری نیند سوئی اور اُس کی آنکھ دوسری صبح ہی کھلی۔ اُس نے گھڑی دیکھی۔ ابھی سویرا تھا، یعنی صرف پانچ بجے تھے۔ لیکن اب اُس کی نیند پوری ہو چکی تھی۔ وہ اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ اُس نے دماغ پر زور ڈالا اور ہر بات یاد آتی چلی گئی۔ اسٹول پر کھڑی ہو کر اُس نے الماری کے اوپر دیکھا۔ ویڈیو ٹیپ وہاں موجود تھا۔ اس کا مطلب کہ یہ کوئی خواب نہیں تھا۔ لیکن وہ مکمل طور پر سقراط اور افلاطون کو نہیں دیکھ سکی تھی، اور اب اُس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ دوبارہ کیسٹ کو دیکھے۔ شاید اُس کی ماں ٹھیک ہی کہتی تھی کہ آج کل وہ مسخروں جیسی حرکتیں کر رہی ہے۔

اُس کی نیند اُڑ چکی تھی۔ اب اُس کا دل چاہ رہا تھا کہ دوبارہ اپنی پناہ گاہ میں جائے۔ ممکن ہے کہ اس اثنا میں کتے نے کوئی اور لفافہ ڈال دیا ہو۔ سوفی نے چہل قدمی والا جوتا پہنا اور چپکے سے باہر کی طرف کھسک گئی۔

سرسبز باغ پورے جوبن پر تھا۔ چڑیائیں انتہائی خوش الحانی سے چہچہا رہی تھیں۔ سوفی کا دل خوش ہو گیا۔ شبنم کے قطرے گھاس کے پتوں پر موتی کی طرح چمک رہے تھے۔ وہ دنیا کی رنگینیوں میں کھو کر رہ گئی۔ وہ آگے بڑھی اور درختوں کے جھنڈ میں اندھیرا دیکھ کر ایک لمحے کو جھجک کر رہ گئی۔ فلاسفر نے کوئی نیا لفافہ نہیں بھیجا تھا۔ وہ ایک درخت کے تنے پر ٹیک لگا کر اطمینان سے بیٹھ گئی۔

اب اُسے یاد آیا کہ کیسٹ کے ذریعہ افلاطون نے اُسے چند سوالات دیئے تھے۔ پہلا سوال یہ تھا کہ ایک نانبائی کیسے ہو بہو پچاس بسکٹ بنا لیتا ہے۔ اُس بارے میں سوفی کو خوب اچھی طرح غور کرنا تھا۔ بظاہر یہ ایک آسان سا سوال تھا۔ لیکن یقیناً اس کے اندر کوئی منطق پوشیدہ

Marfat.com

ہوگی۔ اُس کی ماں جب کبھی بسکٹ بناتی تھی تو سب کے سب الگ الگ انداز اور شکل کے ہوتے تھے۔

لیکن وہ کوئی ماہر نانبائی نہیں تھی۔ کچن میں اس قدر افراتفری پھیلی ہوئی ہوتی گویا یہاں کسی نے بم سے حملہ کر دیا ہو۔ بلکہ اکثر اوقات تو وہ جو بسکٹ وغیرہ بیکری سے لاتی وہ بھی تھوڑے بہت ٹیڑھے میڑھے ہوتے۔ اور پھر سوفی کے چہرے پر ایک خوش گوار مسکراہٹ چھا گئی۔ اُسے یاد آیا کہ ایک دن وہ اپنے باپ کے ساتھ شاپنگ کے لئے بازار گئی ہوئی تھی اور اُس کی ماں کرسمس کے لئے بسکٹ بنا رہی تھی۔ جب وہ لوگ واپس آئے تو انہوں نے دیکھا کہ کچن کی میز پر بے شمار زیرے والے بریڈ اور بسکٹ پھیلے ہوئے تھے۔ اگر چہ زیادہ صفائی سے نہیں لیکن تقریباً ایک نمونے کے تھے۔ یقیناً ان کے لئے ایک سانچہ استعمال کیا گیا تھا۔ سوفی یہ نتیجہ اخذ کر کے اس قدر خوش ہوئی جیسے اُس نے کوئی بہت بڑا معرکہ سر کر لیا ہو۔ اتنی ذرا سی بات کہ تمام پیسٹری اور بسکٹ کے لئے ایک جیسا سانچہ استعمال کیا گیا تھا۔

اب دوسرا سوال درپیش تھا کہ تمام گھوڑے ہم شکل کیوں ہوتے ہیں۔ مگر اُسے یہ خیال بھی آیا کہ ایسا تو نہیں ہوتا ہے۔ کچھ گھوڑوں کی شکلیں ذرا جدا بھی ہوتی ہیں۔ جیسے دو آدمی ایک شکل کے نہیں ہوتے۔ وہ ہتھیار ڈالنے ہی والی تھی کہ اُسے بسکٹوں کے بارے میں یاد آیا۔ سب کے سب معمولی سا ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ کوئی ذرا موٹا تھا اور کوئی پتلا۔ لیکن اس کے باوجود وہ سب ایک انداز کے تھے اور ایک ہی جیسے لگتے تھے۔

افلاطون کا سوال دراصل یہ تھا کہ گھوڑا، گھوڑا کیوں ہوتا ہے۔ مخلوط نسل کا کیوں نہیں، جیسے گھوڑے اور سور کے اتصال کا نتیجہ، چند ایک خاکی ہوتے ہیں جیسے بھیڑیے اور چند بالکل سفید جیسے سفید بھیڑ۔ اسی طرح گھوڑوں میں بھی ایک طرح کی مطابقت ہوتی ہے۔ سوفی نے آج تک یہ نہیں دیکھا تھا کہ کسی گھوڑے کی چھ یا آٹھ ٹانگیں ہیں۔ لیکن افلاطون کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ گھوڑے ایک جیسے کیوں ہوتے ہیں۔ بلکہ وہ یہی کہنا چاہتا تھا کہ سب کے سب ایک ہی سانچے میں ڈھلے ہوتے ہیں۔

اس کے بعد جو سوال افلاطون نے پوچھا تھا، وہ ذرا اور بھی مشکل تھا۔ کیا انسان کی روح لافانی ہے؟ سوفی اس بارے میں بالکل لاعلم تھی۔ وہ بس اتنا ہی جانتی تھی کہ مردہ جسم کو خواہ دفن

Marfat.com

کر دیا جائے یا جلا دیا جائے، وہ فنا ہو جاتا ہے۔ اگر انسان کی روح لافانی ہوتی تو پھر یہ ماننا پڑتا کہ انسانی جسم دو حصوں میں منقسم ہے۔ ایک ہے جسم جو کہ رفتہ رفتہ مٹی میں مل جاتا ہے، اور دوسرا حصہ روح کا جس کا جسم سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اور وہ اپنے طور پر زندہ رہتی ہے۔ اُس کی دادی نے ایک بار کہا تھا، وہ ایسا محسوس کرتی ہے گویا اُس کا جسم تو بوڑھا ہو گیا ہے لیکن اندر سے وہ اُسی طرح توانائی اور امنگیں محسوس کرتی ہے جیسے کہ کوئی نوجوان عورت۔

''نوجوان عورت'' کے خیال نے سوفی کو مزید غور و فکر کی دعوت دی۔ کیا مرد اور عورت دونوں کے احساسات اور جذبات ایک جیسے ہیں؟ اس بارے میں وہ یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔ اس کا دارومدار اس بات پر تھا کہ افلاطون کا اصل مطلب کیا ہے۔

فلسفہ دان نے سقراط کے بارے میں چند باتیں بتائی تھیں، وہ اُس کے ذہن میں گردش کرنے لگیں۔ سقراط نے کہا تھا کہ ہر آدمی فلسفیانہ رموز اور سچائی کی تہہ تک پہنچ سکتا ہے، اگر وہ ذرا غور کرے اور عقل استعمال کرے۔ اُس نے یہ بھی کہا تھا کہ غلام کا دماغ بھی وہی طاقت اور صلاحیت رکھتا ہے جو آقا اور دولت مند شخص کا۔ سوفی کو یاد آیا، سقراط کا یہ بھی کہنا تھا کہ مرد اور عورت ذہانت اور ذکاوت میں برابر ہیں۔

جب وہ ان باتوں میں اپنا دماغ کھپا رہی تھی تو اچانک اُسے جھاڑیوں میں کچھ سرسراہٹ سی محسوس ہوئی۔ یہ آواز ریل کے انجن جیسی تھی، جیسے کوئی لمبی گہری سانس لے رہا ہو۔ اگلے ہی لمحے سنہری شکاری کتا پناہ گاہ میں داخل ہوا۔ اُس کے منہ میں ایک بڑا سا لفافہ دبا ہوا تھا۔

''ہرمز'' سوفی یک لخت چہک اُٹھی۔ ''یہ لفافہ نیچے رکھ دو۔''

سوفی نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور ہرمز کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگی۔ ''اچھا بچہ'' کتے نے لفافہ نیچے ڈال دیا اور سوفی کو ہاتھ پھیرنے کا موقع دیتا رہا۔ مگر بس دو منٹ کے لئے۔ پھر وہ پیچھے ہٹا اور واپس جھاڑیوں میں گم ہو گیا۔ سوفی ہاتھ میں لفافہ لیے ہوئے اُس کے تعاقب میں چلی۔ لیکن ہرمز نے اُسے مزید آگے بڑھنے کا موقع نہ دیا۔ دوبارہ وہ خوفناک انداز میں سوفی طرف بڑھا گویا اُسے دھمکا رہا ہو کہ چپ چاپ واپس چلی جاؤ ورنہ تمہارا برا حشر ہوگا۔ سوفی خوفزدہ ہو کر لوٹ آئی اور لفافے میں سے کاغذات نکال کر پڑھنے لگی۔

Marfat.com

افلاطون کی درس گاہ

شکریہ سوفی! ہم نے ایتھنز میں کافی خوشگوار وقت ایک ساتھ گزارا۔ اب میرا کافی تعارف ہوگیا ہوگا۔ اور جب کہ میں نے افلاطون کا تعارف بھی تم سے کروادیا ہے تو ہمیں اس کام کو آگے بڑھانے میں کسی دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔

افلاطون (428-347 قبل مسیح) اُس وقت صرف انتیس 29 سال کا تھا جب سقراط نے شیکران (ایک تلخ زیریلا پودا جس کا عرق مسکن ہوتا ہے) پی لیا۔ چند سال تک وہ سقراط کا شاگرد رہا اور اُس کے اوپر قائم کئے گئے مقدمے کو کافی توجہ سے سنا اور محسوس کیا۔ ایتھنز والوں نے اپنے بطل جلیل کی قدر نہ کی اور اس قدر عظیم آدمی کو پھانسی پر چڑھا دیا۔ افلاطون پر اس کا بے حد اثر پڑا اور اس واقعے نے اُس کی تمام فلسفیانہ سوچ کو بدل ڈالا۔

افلاطون کے لئے سقراط کی موت ایک اندوہناک حادثہ تھی۔ یہ ایک عام معاشرے اور ذہانت کے درمیان جنگ تھی جس میں سقراط کو شکست ہوئی۔ افلاطون نے فیصلہ کیا کہ سب سے پہلے وہ ''سقراط کی معذرت'' شائع کروائے گا جو اُس نے جیوری کے حضور میں پیش کیا تھا۔

جیسا کہ ایک دنیا اس بات سے آگاہ ہے کہ سقراط نے اپنی کوئی تحریر نہیں چھوڑی، اسی طرح چند اور لوگوں نے بھی کیا۔ شاید ہی کسی کی تحریر کا کوئی نمونہ مل سکا ہو۔ لیکن افلاطون کے معاملے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اُس نے بڑی احتیاط سے ہر چیز کو محفوظ رکھا۔ (سقراط کی معذرت اور اعتراف کے ضمن میں افلاطون نے مکتوبات کا مجموعہ مرتب کیا جس میں پچیس فلسفیانہ مکالمے موجود ہیں) چنانچہ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ افلاطون نے اپنے فلسفیانہ خیالات پر مبنی ایتھنز کے آس پاس ایک درس گاہ قائم کی۔ اکاڈیمس نام کے ایک یونانی ہیرو کے نام پر یہ درس گاہ تعمیر کی گئی۔ (اس کے بعد سے دنیا بھر میں کئی درس گاہیں قائم ہوئیں جن کو اکادمی کہا گیا)۔

افلاطون کی درس گاہ میں جو علوم سکھائے جاتے تھے، اُن میں فلسفہ، حساب اور جیومیٹری، ذہنی ورزش (جمناسٹک) شامل تھے۔ قدیم مقالات اور خطبات پر بھی زور دیا جاتا تھا۔ افلاطون کی تحریریں بھی زیادہ تر مکالموں کی صورت میں ہیں۔

Marfat.com

ابدی حسن، دائمی سچ اور دوامی نیکی

ان اسباق کے تعارف میں میں نے بتایا تھا کہ کسی فلسفی کا خاص مقصد کیا تھا، اگر اس بارے میں معلوم نہیں ہے تو پوچھ لینا چاہئے۔ تم نے تو نہیں پوچھا لیکن اب میں پوچھ رہا ہوں کہ افلاطون کن معاملات میں الجھا رہا؟

مختصراً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ افلاطون کا تعلق صرف دو باتوں سے رہا۔ دوامی کیا ہے اور غیر متغیر کیا ہے اور دوسری جانب کون سا چشمہ بہہ رہا ہے۔

ہم نے مطالعہ کیا ہے کہ سوفسطائی اور سقراط کو ماننے والوں نے کس طرح اپنا رخ فطرتی فلسفے اور مسائل کی طرف موڑ دیا اور ان کو انسان اور معاشرے کی طرف لے آئے۔ ایک اور بات جو دیکھنے میں آئی، وہ یہ تھی کہ اب یہ لوگ ابدیت اور غیر متغیر خیالات کی باتیں بھی کرنے لگے۔ وہ اب اخلاقیات اور سماجیات پر زیادہ توجہ دینے لگے۔ بات کو مزید مختصر کرتے ہوئے ہم دیکھیں گے کہ سوفسطائی مختلف ریاستوں کے بارے میں سوچنے لگے کہ کون کہاں پر غلط ہے اور کہاں پر صحیح اور آئندہ نسلوں پر اس کا کیا اثر پڑے گا۔ اب صحیح اور غلط کی بحث میں بھی اختلاف رائے ہونے لگی اور یہ بات سقراط کے ماننے والوں کے لئے قابلِ قبول نہیں تھی۔

کیا تم بات سمجھ رہی ہو سوفی؟ اب افلاطون بھی درمیان میں آ گیا۔ وہ ان دونوں باتوں سے متعلق ہے یعنی ابدیت اور غیر متغیر معاملات اور معاشرے اور اخلاقیات کے معاملے میں۔ افلاطون کے خیال میں یہ دونوں مسائل دراصل ایک ہی تھے۔ اُس نے حقیقت جاننے کی بھرپور کوشش کی۔

سیدھی سی بات یہ ہے کہ ہمیں ان سب معاملات کو سدھارنے کے لئے فلسفہ دانوں کی ضرورت ہے۔ یہ ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ ہم کوئی ملکۂ حسن منتخب کرنے نہیں جا رہے یا ٹماٹر خریدنے کے لئے سودا بازی نہیں کر رہے ہیں۔ فلسفی حضرات عموماً بہت اونچے درجے کے معاملات کو درگزر کر دیتے ہیں اور صرف اُن مسائل پر توجہ دیتے ہیں جو دائمی سچ اور ابدی حسن اور دوامی نیکی کے معاملات ہوتے ہیں۔

چنانچہ اب ہم افلاطون کے فلسفے کی بنیادی جھلک پر ایک نظر ڈال سکتے ہیں۔ لیکن بہتر ہے

Marfat.com

کہ ہم ایک ایک نکتے کو باری باری لے کر چلیں۔ ہم کوشش کریں گے کہ اُس کی صلاحیتوں پر غور کریں کہ کس طرح وہ مغربی فلسفے پر چھا گیا اور اُن پر اپنا اثر قائم کر دیا۔

طرزِ خیال کی دنیا

ایمپیڈوکلس اور ڈیموکریٹس دونوں نے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ فطری دنیا میں ہر چیز حرکت کر رہی ہے۔ باوجود اس کے کہ چیزیں بھی تبدیل نہیں ہوتیں۔ (ذرات کے بارے میں چار بنیادی باتیں) افلاطون نے ان باتوں کو تسلیم کیا۔ مگر دوسرے انداز میں۔

افلاطون کا اعتقاد تھا کہ قدرت کی تمام باتیں صاف اور واضح ہیں چنانچہ کوئی ایسا معاملہ نہیں ہے جو حل نہ ہو سکے۔ دنیا میں جو کچھ ہے، وہ مادی ہے اور کسی وقت کچھ بھی ہو سکتا ہے، لیکن اپنے وقت پر ہر بات سدھر جاتی ہے۔

کیا تم ان باتوں کو سمجھ رہی ہو؟ میرا خیال ہے کہ نہیں۔

گھوڑے ایک جیسے کیوں ہوتے ہیں سوفی؟ تم نے یقیناً اس بات پر غور نہیں کیا ہوگا۔ لیکن کئی باتیں ایسی ہیں جو ہر گھوڑے میں مشترکہ ہوتی ہیں۔ یعنی کہ ایسا کوئی خاص نشان جس سے ہم یہ جان لیں کہ یہ گھوڑا ہے۔ ایک مخصوص گھوڑا قدرتی طور پر چلتا پھرتا اور دوڑتا بھاگتا ہے، خواہ وہ کتنا ہی ضعیف اور کمزور ہو، اور اپنے وقت پر مر جاتا ہے۔ لیکن اُس کی صورت شکل ابدی اور غیر متغیر ہے۔

اس کی وضاحت میں اس طرح کروں گا۔ سقراط کے پرستاروں نے ایک کافی بہتر نظریہ پیش کیا ہے قدرتی تبدیلی کے بارے میں۔ وہ یہ کہ ہر شے اُس وقت ایک تبدیلی لے کر آتی ہے جب کہ یہ فطری طور پر عمل پذیر ہو رہی ہو۔ لیکن اُن کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں ہے کہ وہ چھوٹے چھوٹے عناصر جو ایک گھوڑے کو تشکیل دیتے ہیں کہاں سے آتے ہیں اور مل جل کر ایک گھوڑے کی شکل اختیار کر جاتے ہیں۔ یا ہاتھی، مگرمچھ وغیرہ بن جاتے ہیں۔ اس معاملے میں افلاطون کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ڈیموکریٹس کے خیالات بے حد منتشر ہیں اور کسی بات کی وضاحت نہیں کرتے۔

جو کچھ میں نے کہا، اگر تم نے اچھی طرح سمجھ لیا ہے تو اب آگے چلتے ہیں۔ اگر

Marfat.com

تمہارے پاس لیگو کا بکس ہے تو ایک گھوڑا بناؤ۔ اُس کے بعد تمام بلاک کو الگ الگ کر کے دوبارہ بکس میں بند کر دو۔ لیکن اب اگر تم چاہو کہ صرف بکس کو ہلا جلا کر دوبارہ گھوڑا بنا لو تو ایسا نہیں ہو سکتا۔ بلاکس خود بخود کیسے آپس میں جڑ کر گھوڑے کی صورت میں ڈھل جائیں گے؟ سوفی! تم کو دوبارہ سب بلاک کو آپس میں ترتیب سے ملانا ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمہارے ذہن میں ایک تصور ہے کہ گھوڑے کی شکل کیا ہوتی ہے۔ لیگو گھوڑا ایک نمونہ ہے جو کہ تبدیل نہیں ہو سکتا۔

پچاس ہم شکل بسکٹوں کا مسئلہ تم نے کیونکر حل کیا؟ فرض کر لو کہ تم ابھی ابھی آسمان سے اتری ہو اور تم نے کسی ٹانبائی کو کبھی نہیں دیکھا ہے۔ تم اچانک کسی ایسی جگہ جا نکلتی ہو جہاں تمہاری نظر ایک جیسے پچاس آدمیوں پر پڑتی ہے، تو تم یکدم دم بخود رہ جاؤ گی کہ یہ سب ایک جیسے کیوں ہیں۔ شاید تمہاری نظر کسی ایسے آدمی پر پڑے جس کا ایک بازو غائب ہو، کسی کے سر کا کوئی حصہ نامکمل ہو اور کسی کی توند بے حد بڑھی ہوئی ہو۔ اس کے باوجود تم کو ان میں ایک بات مشترک نظر آئے گی۔ اگرچہ وہ سب نامکمل ہیں لیکن تم جان لو گی کہ اُن کا اصل ایک ہے۔ اسی طرح تمہیں یہ بھی پتہ چل جائے گا تمام بسکٹ بھی ایک ہی سانچے میں ڈھالے گئے ہیں۔

اگر تم نے تمام سوالات خود ہی حل کر لیے ہیں تو گویا تم اُس مقام پر پہنچ گئی ہو جہاں افلاطون کا فلسفہ تمہیں دیکھنا چاہتا ہے۔ افلاطون اس نتیجے پر پہنچا کہ اس مادی دنیا کے پیچھے یقیناً کوئی حقیقت ہے اور اُس نے اِسے طرز خیال کی دنیا قرار دیا۔ یہ دراصل وہ ابدی اور لافانی انداز ہے جس کے عقب میں فطرت کے کئی راز پنہاں ہیں۔ یہ غیر معمولی نظریہ ہی افلاطون کا ''طرز خیال'' کہلاتے ہیں۔

حقیقی علم

میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ تم میری باتیں سمجھ رہی ہو اور ان پر عمل کر رہی ہو۔ شاید تمہیں اس بات پر حیرت اور تعجب ہو کہ کیا افلاطون ایک سنجیدہ شخص تھا۔ کیا اُسے اعتماد تھا کہ ان حقیقتوں کے پیچھے کچھ اور پوشیدہ ہے؟ شاید تحریری طور پر اپنی زندگی میں وہ اس پر یقین نہیں کرتا تھا، لیکن

Marfat.com

اُس کے چند مقالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ان باتوں پر اعتقاد رکھتا تھا۔ آؤ! ہم اُس کے خیالات کے سلسلے کا ایک جائزہ لیتے ہیں۔

ایک فلاسفر، جیسا کہ ہم نے دیکھا ہے، ابدیت اور غیر متغیر میں سے کچھ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر اس کا کوئی فائدہ نہیں بھی ہے تو بھی فلسفہ دان اور ان کی کوششیں محض صابن کے جھاگ کی طرح نہیں ہیں۔ تھوڑا بہت تو لوگ سمجھنے کی کوشش کریں گے اور کچھ نہیں تو کم از کم پانچ سیکنڈ کے لئے یاد رکھیں گے۔

افلاطون کا کہنا تھا کہ جو کچھ ہم اپنے آس پاس دیکھتے ہیں، وہ فطرت ہے اور واضح ہے۔ اور جو چیز دنیا میں خوشبو کی طرح مہک رہی ہے، وہ قائم رہنے والی چیز ہے۔ یہ ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہر جان دار کو ایک نہ ایک روز موت کا مزہ چکھنا ہے اور مٹی میں مل جانا ہے۔ یہاں تک کہ سنگ مرمر کا بلاک بھی رفتہ رفتہ رنگ بدلتا ہے اور بکھر جاتا ہے۔ افلاطون کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ہر چیز تغیر پذیر ہے اور ہم اُس کی گہرائی تک نہیں پہنچ سکتے۔ ہم صرف اندازہ لگا سکتے ہیں اور اپنے علم کی حد تک اُس کے بارے میں سمجھ سکتے ہیں۔

اگر تم ایک کلاس روم میں موجود ہو اور تمہارے اور تمہارے ساتھ تیس شاگرد اور بھی ہیں اور ٹیچر یہ سوال کرتا ہے کہ قوسِ قزح کا کون سا رنگ سب سے زیادہ خوبصورت ہے، تو ہر شخص مختلف جواب دے گا۔ لیکن اگر پوچھا جائے کہ آٹھ ضرب تین کیا ہوگا تو پوری کلاس کا جواب ایک ہی ہوگا۔ افلاطون نے حساب کو خوب اچھی طرح اپنے اندر مدغم کر لیا تھا کیونکہ ریاضیات کا قانون کبھی تبدیل نہیں ہوتا۔ یہ ہمیں ٹھوس اور صحیح علم عطا کرتا ہے۔ یہاں ایک مثال دیکھتے ہیں۔ ذرا سوچو، تمہیں ایک گول گول سا صنوبر کا پھل ملتا ہے۔ تم اُس کا جائزہ لینے کے بعد یہی کہو گی کہ کچھ گول نظر آتا ہے، جب کہ جوانا کا کہنا ہے کہ یہ ایک طرف سے ذرا سا چپٹا ہے۔ تم دونوں میں بحث ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ اس بارے میں تم یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتی، صرف وہ دیکھ سکتی ہو جو تمہاری آنکھیں دیکھ رہی ہیں۔ دوسری طرف تم یقین سے کہہ سکتی ہو کہ تمام زاویے تین سو ساٹھ 360 ڈگری پر ہیں۔ اس صورت میں تم اس کی گولائی کو طبیعاتی نقطۂ نظر سے جانچ رہی ہو۔ (تمہاری نظروں میں نانبائی کا سانچہ گھوم رہا ہے، نہ کہ وہ بسکٹ اور پیسٹری وغیرہ جو کچن کی میز پر موجود ہیں)۔

Marfat.com

مختصراً یہ کہ اس صورت میں ہم ناقص اندازے قائم کر سکتے ہیں۔ لیکن صحیح علم اُسی وقت حاصل ہوگا جب ہم معاملے پر مثبت انداز میں غور کریں گے۔ بالآخر تمام زاویے ایک سو اسی 180 ڈگری کے مثلث پر آ کر ٹھہر جائیں گے۔ اس طرح ہمارا خیالی گھوڑا چار پاؤں پر چلنے لگے گا خواہ دنیا کے تمام گھوڑے حسیاتی طور پر ایک پیر سے لنگڑے ہوں۔

لافانی روح

افلاطون کا کہنا تھا کہ سچائی دو اقلیم میں منقسم ہے۔ ایک خطہ عقل اور ہوش کا ہے، جس کے بارے میں اپنے پانچ حواس استعمال کر کے محض اندازہ قائم کر سکتے ہیں یا پھر اپنی نامکمل معلومات کے ذریعہ فرض کر سکتے ہیں۔ عقل و ہوش کی اس دنیا میں ہر چیز برابر حرکت میں ہے اور کوئی بھی چیز ایک جگہ ٹھہری ہوئی نہیں ہے۔

دوسری اقلیم، طرزِ خیال کی دنیا ہے۔ اس کے متعلق ہم منطق اور اچھی تعلیم کے ذریعہ پُر اعتماد ہو سکتے ہیں۔ اس طرزِ خیال کی دنیا کو ہم صرف عقل و خرد کے ذریعہ نہیں جان سکتے لیکن تصورات ابدی ہوتے ہیں اور لافانی۔

افلاطون کے خیال کے مطابق انسان دو حصوں میں منقسم ہے۔ ایک ہے ہمارا جسم جو مسلسل دبے پاؤں چلتا رہتا ہے اور صابن کے جھاگ کی طرح کام کرتا ہے۔ ہمارے تمام ہوش و حواس جسم پر منحصر ہیں اور ناقابل اعتبار ہیں۔ لیکن ہمارے پاس ایک لافانی روح بھی موجود ہے اور اس روح میں ایک دوسری دنیا آباد ہے۔ جسمانی طور پر نہیں، روح طرزِ خیال کی دنیا میں اپنا فرض انجام دیتی رہتی ہے۔

افلاطون اس بات کا بھی قائل تھا کہ روح وجود رکھتی ہے اور اُس کی بود و باش جسم کے اندر ہی ہوتی ہے۔ لیکن روح جب انسانی جسم میں داخل ہوتی ہے تو یہ تمام طرز خیال بھول جاتی ہے، اور پھر کوئی نئی ہلچل شروع ہو جاتی ہے۔ جیسے ہی انسان دنیا کی مختلف سمتوں پر نظر ڈالتا ہے، ایک غیر واضح جنبش، روح میں جاگنے لگتی ہے۔ اُسے ایک گھوڑا نظر آنے لگتا ہے۔ نامکمل گھوڑا۔ اور وہ اُس کی ایک مکمل تصویر بنانے لگتا ہے۔ افلاطون اس کو آرزو یا تمنا کا نام دیتا ہے، جس کا مطلب ہے عشق۔

Marfat.com

اندھیرے کا اختتام

افلاطون ایک خیالی قصہ اس طرح بیان کرتا ہے۔اس قصے کو ہم غار کا اسرار کہہ سکتے ہیں۔ فرض کرلو کچھ لوگ ایک غار یا زمین دوز سرنگ کے اندر رہائش پذیر ہیں۔اُن کی پشت غار کے منہ کی طرف ہے۔اُن کے ہاتھ اور پیر اس طرح بندھے ہوئے ہیں کہ وہ غار کی پچھلی دیوار کے علاوہ کچھ بھی نہیں دیکھ سکتے۔وہ دیوار بہت بڑی اور اونچی ہے اور اُس کے پیچھے کوئی عجیب وغریب مخلوق حرکت کررہی ہے جس کے ہاتھوں میں مختلف اشیاء موجود ہیں۔اُن کے عقب میں آگ جل رہی ہے اور اسی وجہ سے دیوار پر مختلف شکلیں ابھر رہی ہیں۔چنانچہ وہ لوگ بڑے ذوق وشوق سے یہ کھیل دیکھ رہے ہیں۔وہ جب سے پیدا ہوئے ہیں۔اسی انداز میں بیٹھے ہوئے ہیں، چنانچہ وہ ہی سمجھتے ہیں کہ جو کچھ ہے، بس یہی ہے۔

ذرا تصور کرو کہ اگر ایک قیدی کسی طرح اپنے آپ کو آزاد کرلیتا ہے۔وہ پہلا سوال یہی کرے گا کہ غار کی دیوار پر یہ سائے اور شبیہیں کیسی ہیں؟ اُس وقت کیا ہوگا جب وہ ہر طرف کا جائزہ لے گا اور اُس کی آنکھیں چندھیا جائیں گی۔اور جب وہ غار سے باہر نکلے گا اور دنیا دیکھے گا تو وہ حیرت سے دانتوں تلے انگلی داب لے گا۔اپنی آنکھیں بار بار ملے گا اور دنیا کی رنگینیاں دیکھ دیکھ کر مدہوش ہوتا چلا جائے گا۔سایوں کے بجائے اُسے اصلی شکلیں نظر آئیں گی۔وہ سوچ میں پڑ جائے کہ اتنے سارے لوگ، جانور، پھل اور پھول کہاں سے آئے۔ سورج اور آسمان کو دیکھ کر وہ اس حقیقت کو پالے گا کہ یہی وہ بنیادی چیزیں ہیں جو بنی نوع انسان کو زندگی عطا کرتی ہیں۔

اب وہ آزاد شخص ہر طرف گھوم رہا ہے اور سیر کررہا ہے اور نئی زندگی کے مزے لوٹ رہا ہے۔لیکن وہ آج بھی اپنے ساتھیوں کے لئے افسردہ ہے جو ابھی تک اُس غار میں قید کی زندگی گزار رہے ہیں۔وہ دوبارہ غار میں جاتا ہے کہ اپنے ساتھیوں کو غار سے نکلنے پر آمادہ کرے اور انہیں بتائے کہ اصل زندگی کیا ہے۔مگر اُن کو اپنے دوست کی بات پر یقین نہیں آتا۔وہ کہتے ہیں کہ نہیں، اصل دنیا تو یہی ہے جو ہم دیکھ رہے ہیں۔دونوں بحث مباحثہ کرتے ہیں اور پھر غار کے قیدی مل جل کر اُس آزاد شخص کو قتل کردیتے ہیں۔

Marfat.com

اس دیومالائی کہانی کے ذریعہ افلاطون یہ بتانا چاہتا ہے کہ ایک فلسفی کسی طرح اندھیری دنیا میں گم لوگوں کو نئی دنیا میں لے جانا چاہتا ہے اور فطرت کے رموز واسرار سے آگاہ کرنا چاہتا ہے۔ وہ آزاد آدمی اُس کی نظر میں سقراط ہے جس کو اندھیرے غار میں رہنے والوں نے قتل کردیا کیونکہ اُس نے اُن کی پرسکون دنیا میں ایک ہلچل مچا کر رکھ دی اور اُن کے سکون کو تہہ وبالا کردیا۔ غار کی پراسرار دنیا کی کہانی اس بات کا استعارہ ہے کہ سقراط ایک جری اور بہادر شخص تھا اور معاشرے میں اُس کی کیا ذمہ داریاں ہیں، وہ اُن سے آگاہ تھا۔

ایک فلسفیانہ اظہارِ خیال

غار کی کہانی افلاطون کے مقالات کے مجموعہ ''جمہوری سلطنت'' میں شامل ہے۔ اس مقالے میں افلاطون نے ایک ''مثالی حکومت'' کا نظریہ بھی پیش کیا ہے۔ یہ ایک خیالی، تصوراتی یا شیخ چلی جیسا انداز ہے۔ لیکن مختصر طور پر افلاطون نے یہ تصور پیش کیا ہے کہ دنیا کا سارا انتظام فلسفہ دانوں کے ہاتھ میں ہونا چاہئے۔ اس کی بنیاد انسانی جسم کی بناوٹ اور تشکیل سے مطابقت رکھتی ہے۔

افلاطون کا فلسفہ کہتا ہے کہ انسانی جسم تین حصوں پر مشتمل ہے۔ سر اور دماغ، سینہ اور شکم۔ ان کے درمیان روح کے ذریعہ رابطہ قائم ہے۔ ادراک اور شعور سر میں موجود ہوتا ہے اور سینہ بھی اس میں شامل ہے اور فطری ضروریات کا تعلق شکم سے ہے۔ ان صلاحیتوں کو مشترکہ طور پر مثالی یا حسنِ سیرت کا نام دیا گیا ہے۔ شعور اشارہ کرتا ہے عقل وفہم کی جانب۔ خواہش اور جذبات، ہمت اور جواں مردی میں مضمر ہے اور شکم کی ضرورت کو لگام دینا پڑے گا اعتدال کے ذریعہ۔ جب تینوں اجزا مل جل کر کام کریں گے تو پورے جسم کو استحکام حاصل ہوگا۔ بچوں اور نوجوانوں کو چاہئے کہ سب سے پہلے اپنے شکم کی ضرورت کو کم کریں، اُس کے بعد ذہانت اور علم وشعور کو اجاگر کریں اور پھر عقل وخرد پر بھرپور توجہ دیں۔

افلاطون کا یہ تصور بالکل ایک انسانی جسم کی تقسیم کے مطابق کام کرتا ہے۔ جیسے جسم میں سر، سینہ اور شکم موجود ہیں، اسی طرح ریاست کا بھی ایک حکمراں ہے، عوام ہیں اور دنیا کی ضروریات ہیں۔ یہاں افلاطون نے واضح انداز میں یونانی میڈیکل سائنس کی اصطلاحات

Marfat.com

اور نمونے استعمال کیسے ہیں۔ جیسے ایک صحت مند مربوط انسان۔ چنانچہ ایک راست باز ریاست وجود میں آتی ہے جہاں ہر شخص اپنی ذمہ داریوں سے پوری طرح آگاہ ہے۔

افلاطون کا فلسفہ سیاسی نقطۂ نگاہ سے مذہب اور عقل پر مبنی ہے۔ ایک مثالی ریاست کی بنیاد نیک اور اعلیٰ کردار پر منحصر ہے۔ جیسے کہ ذہن اور عقل پورے جسم کو قابو میں رکھتی ہے، اسی طرح ایک فلسفی پورے معاشرے پر حکومت کرتا ہے۔

آیئے! ہم ایک تصویری نقشہ ترتیب دیتے ہیں جس کے ذریعے تینوں حصوں کی کارکردگی کا جائزہ لیا گیا ہے۔

جسم	روح	اخلاقی خوبی	ریاست
ذہن اور عقل	وجہ	شعور	حکمران
سینہ	جذبہ	ہمت	مددگار
شکم	فطری ضروریات	قوت برداشت	محنت کش

افلاطون کی ریاست قدیم ہندو ریاست کے خدوخال سے بے حد ملتی جلتی ہے۔ جس میں ہر مرد اور عورت کو ریاست کی بھلائی اور بہتری کے لئے اپنے اپنے فرائض انجام دینے کا پابند کیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ افلاطون کے دور سے قبل کے قلعے کے رسم ورواج کو پورے محل میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ یعنی کہ برہمن، کھشتری اور شودر کی ذاتوں میں۔ کہا جا سکتا ہے کہ افلاطون کی ریاست ہر صورت میں مکمل ہے۔ لیکن اُس کا خیال نہیں تھا کہ عورتیں بھی اُسی طرح حکومت چلا سکتی ہیں جس طرح مرد، خواہ اُن کی تربیت اُسی طرح کی جائے جیسے مردوں کی۔ اُس کا کہنا ہے کہ مرد اور عورت اگرچہ ذہنی اور جسمانی سہولتوں کے لحاظ سے برابر ہیں۔ بشرطیکہ افزائش نسل اور بچوں کی پرورش سے انہیں نجات دلا دی جائے، مزید یہ کہ گھرداری کی ذمہ داریاں بھی انہیں نہ سونپی جائیں۔ افلاطون کی خیالی ریاست میں حکمرانوں اور فوجیوں کو خانگی زندگی گزارنے کی اجازت نہیں تھی اور نہ ہی وہ کوئی جائیداد رکھ سکتے تھے۔ بچوں کی نگہداشت ریاست کی ذمہ داری ہے۔ (افلاطون وہ پہلا فلسفی تھا جس کی ریاست میں نرسری اسکول اور دن بھر کی تعلیم کا نظام رائج تھا)۔

Marfat.com

لاتعداد معنی خیز سیاسی اُتار چڑھاؤ کے بعد افلاطون نے کچھ قوانین وضع کیے، جن میں اُس نے ''آئینی ریاست'' کی تشریح کی اور اسے دوسری بہترین ریاست قرار دیا۔ اُس نے ذاتی جائیداد اور خاندانی بندھن کو دوبارہ قانونی قرار دے دیا۔ خواتین کی آزادی کو ایک حد تک محدود کر دیا۔ بہر حال اُس نے یہ فرمان جاری کیا کہ جو ریاست خواتین کی تعلیم کے خلاف ہو، وہ بالکل ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص صرف داہنے ہاتھ سے کام لینے کی کوشش کرے۔

حرفِ آخر کے طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ افلاطون خواتین کی نسبت سے ایک مثبت سوچ رکھتا تھا۔ اپنے گلدستہ مضامین میں اُس نے عورت کو قدرت کا حسین تحفہ قرار دیا ہے۔ یہ وہ اعزاز ہے جو سقراط کے فلسفیانہ نقطۂ نظر کی تائید کرتا ہے۔

تو یہ ہے افلاطون کا مکمل تعارف۔ دو ہزار سال تک اُس نے دنیا کے بیشتر عالموں اور فلسفہ دانوں کو پریشان کیے رکھا۔ اُس کے بعد اُسی کی درس گاہ سے ایک اور فلسفی میدان میں آیا جس کا نام تھا ارسطو۔ ارسطو ایتھنز کے عظیم فلسفہ دانوں میں تیسرے نمبر پر تھا۔

اب اور زیادہ کیا کہوں سوفی!

افلاطون کے بارے میں پڑھتے پڑھتے سوفی کے سر میں درد ہونے لگا۔ سورج نکل چکا تھا اور چار سو روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اچانک اُسے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی چاروں ہاتھ پیروں سے رینگتا ہوا پناہ گاہ سے باہر نکلا ہے۔ شاید وہ خود ہی تھی۔ سوفی نے سوچا، شاید اُس نے افلاطون کو ایک دوسرے روپ میں دیکھ لیا ہے۔ اُس کی آنکھیں چمچمانے لگیں۔ اُس نے اپنے خیالوں کو ایک جھلک تو دیکھ لی تھی مگر مکمل طور پر اُس کا نظارہ نہ کر سکی۔

وہ افلاطون کے خیالات سے مکمل طور پر متفق نہ تھی، خاص طور پر اُن باتوں سے جو اُس نے غیر فانی نقش و نگار کے بارے میں کہے تھے۔ لیکن یہ ایک دل پذیر سوچ تھی کہ دنیا میں ہر جان دار کی ایک ادھوری نقل خیالات کے پردے پر موجود ہے۔ کیا یہ بات صحیح نہیں تھی کہ سب پھول، درخت، انسان اور جانور نامکمل ہیں؟

اُس کے اردگرد ایک ایسی پر لطف فضا چھائی ہوئی تھی کہ اُسے بار اپنی آنکھوں کو رگڑنا پڑا۔ لیکن کیا جو کچھ وہ ابھی دیکھ رہی ہے، یہ آخری منظر ہے؟ سوفی اب باہر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اچانک ایک گلہری انناس کے درخت کی ایک شاخ پر دوڑی۔ چند بار اُس نے شاخ پر قلابازی

Marfat.com

کھائی اور پھر کہیں گم ہوگئی۔

''شاید میں نے اسے پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔'' سوفی نے سوچا۔

اب وہ سمجھ گئی کہ شاید وہ کوئی اور گلہری ہوگی، مگر اُس کا جسم اور شکل وصورت ایسی ہی تھی۔ افلاطون ٹھیک ہی کہتا تھا۔ اُس نے پہلے نامکمل گلہری کو دیکھا ہوگا، اپنے خیالوں میں۔

کیا اُس کی پہلے بھی ایک زندگی تھی؟ کیا اُس کی روح کہیں آس پاس منڈلا رہی تھی اور پھر وہ یک بیک اُس کے جسم میں داخل ہوگئی؟ اور کیا یہ درست ہے کہ ایک چھوٹا سا سونے کا ڈلا اُس کے اندر موجود تھا؟ ایک ایسا زیور جس کو کبھی گھن نہیں لگ سکتا، یعنی کہ روح جو ہمیشہ زندہ رہے گی خواہ جسم کتنا ہی بوڑھا ہو جائے یا مر جائے۔

Marfat.com

میجر کا حجرہ

ابھی صبح کے صرف سات بجے تھے۔ سوفی کو گھر جانے کی کوئی جلدی نہیں تھی کیونکہ آج اتوار تھا اور چھٹی کے دن اُس کی ماں نو بجے تک سوئی رہتی تھی۔ کیا اُسے دور تک البرٹو ناکس کی تلاش میں جانا چاہیے؟ آخر اُس کتے نے خوفناک انداز میں اُسے تنبیہہ کیوں کی تھی؟

سوفی اُٹھ کر بیٹھ گئی اور اندازے سے اُسی راہ پر چلنے لگی جس طرف ہرمز گیا تھا۔ افلاطون سے متعلق خاکی لفافہ اُس کے ہاتھ میں تھا۔ جہاں جہاں راستہ دو حصوں میں منقسم ہو گیا تھا، وہاں وہ زیادہ فراخ راستے پر چل پڑتی۔

تمام راستے جھاڑیوں اور درختوں پر چڑیوں اور دیگر پرندوں نے چہچہاتے ہوئے اُسے خوش آمدید کہا۔ سب کی سب اپنے روزمرہ کے معمول میں مصروف تھیں اور انہیں اس بات سے کوئی غرض نہ تھی کہ آج اتوار ہے یا کوئی اور دن۔ یہ باتیں انہیں کس نے سکھائی تھیں؟ کیا اُن کے اندر کوئی ہلکا پھلکا کمپیوٹر موجود تھا جو ان کے معمولات کو ترتیب دے رہا تھا؟

راستہ اب ایک پہاڑی کی طرف جا رہا تھا۔ آگے جا کر ڈھلوان تھی جہاں انناس کے درخت ایک قطار سے لگے ہوئے تھے۔ درخت اب اس قدر گھنے اور گنجان ہو گئے تھے کہ وہ بمشکل چند قدم آگے تک ہی دیکھ سکتی تھی۔ اچانک اُسے درختوں کے درمیان سے کوئی چیز چمکتی ہوئی محسوس ہوئی۔ شاید آگے کوئی نہر ہے۔ پیدل چلنے کا راستہ دوسری طرف مڑ گیا تھا۔ سوفی نے درختوں کے درمیان سے اُسی راستے پر چلنا شروع کر دیا۔ اُس کے قدم بلا ارادہ اُس طرف مڑ گئے تھے۔ نہر زیادہ بڑی نہیں تھی، بس ایک فٹ بال کے میدان جتنی۔

سوفی پانی کے پاس جا کر جھانکنے لگی۔ پانی بے حد گندا تھا۔ تب اُس نے دیکھا کہ وہاں

Marfat.com

ایک کشتی کھڑی ہوئی تھی جو کہ آدھی پانی کے باہر اور آدھی اندر ڈوبی ہوئی تھی اور اُس میں دو چپو بھی موجود تھے۔ سوفی نے چاروں طرف کا جائزہ لیا۔ اگر وہ نہر کے اندر سے دوسرے کنارے پر بنے ہوئے لال کیبن تک پہنچنا چاہتی تو اُس کے تمام کپڑے گیلے ہو جائے۔ دوسرا راستہ یہی تھا کہ وہ کشتی پر بیٹھ کر دوسرے کنارے تک جائے۔ وہ بے دھڑک بیٹھ گئی اور چپو نکال کر کشتی کو کھینا شروع کر دیا۔ جلد ہی وہ دوسری طرف پہنچ گئی۔ اُس نے اَدھر اُدھر دیکھا اور کیبن کی طرف چل پڑی۔

وہ خود اپنی ہمت پر حیران تھی۔ اُس کے اندر اتنی بہادری کہاں سے آ گئی؟ اُسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا گویا اندر سے کوئی طاقت اُسے کھینچے چلے جا رہی ہو۔ سوفی نے قدم آگے بڑھائے اور دروازہ کھٹکھٹا دیا۔ چند لمحے وہ انتظار کرتی رہی لیکن کوئی جواب نہیں آیا۔ اُس نے ہینڈل گھمایا اور دروازہ کھل گیا۔

''ہیلو! کیا کوئی اندر موجود ہے؟'' وہ اندر داخل ہو گئی۔ بیرونی دروازہ بھی بند نہیں کیا۔ اسٹوو میں جلتی ہوئی لکڑیوں کے چٹخنے کی آواز آ رہی تھی۔ ابھی ابھی یہاں کوئی موجود تھا۔ سامنے ڈائننگ ٹیبل پر ایک ٹائپ رائٹر رکھا ہوا تھا۔ چند کاپیاں کتابیں اور پینسلیں بھی تھیں۔ کھڑکی کے پاس ایک چھوٹی سی میز اور دو کرسیاں پڑی ہوئی تھیں تا کہ وہ جو کوئی بھی ہے، یہاں بیٹھ کر جھیل کا نظارہ کر سکے۔ ایک دیوار کے ساتھ کئی بک شیلف تھے جن میں کتابیں چنی ہوئی تھیں۔ ایک طرف ایک بہت قدیم آئینہ رکھا ہوا تھا۔ دوسری دیوار پر ایک تصویر آویزاں تھی، ایک سفید سے مکان کی جو کہ دریا کے کنارے پر واقع تھا۔ دریا اور مکان کے درمیان میں ایک باغیچہ تھا جس میں سیب کے درخت لگے ہوئے تھے اور چند چٹانیں ابھری ہوئی تھیں۔ پینٹنگ کا عنوان تھا ''برکلے''۔

اس پینٹنگ کے عقب میں ایک شخص کا پورٹریٹ تھا جو کھڑکی کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اُس کی گود میں ایک کتاب تھی اور اُس پر بھی وہی تصویر بنی ہوئی تھی۔ ساحلِ دریا، چٹانیں، باغیچہ اور درخت وغیرہ۔ تصویر کئی سو سال پرانی تھی۔ سرورق پر ''برکلے'' تحریر تھا اور مصور کا نام ''سمبرٹ''۔ ''برکلے'' کے اندر ایک اور ''برکلے'' حیرت انگیز۔

سوفی کی تھرتھری چھوٹ گئی۔ کتے کی آواز قریب آ گئی اور سوفی تیزی سے باہر آ گئی۔ میز

Marfat.com

کے قریب سے گزرتے ہوئے اُس نے دیکھا کہ کتابوں اور کاغذات کے درمیان ایک سفید لفافہ رکھا ہوا ہے۔ اسی پر صرف ایک لفظ لکھا ہوا تھا، ''سوفی''۔ سوفی نے بلا سمجھے بوجھے جھپٹ کر یہ لفافہ اُٹھالیا، اُسے افلاطون کے خاکی لفافے میں رکھا اور باہر کی جانب بھاگی۔

کتے کے غرانے کی آواز نزدیک تر آتی جارہی تھی۔ مگر دوسری مصیبت یہ آن پڑی تھی کہ کشتی غائب تھی۔ چند لمحوں کے بعد اُس نے دیکھا کہ کشتی نہر کے بیچ میں تھی اور اِدھر اُدھر جھول رہی تھی۔ دراصل جلدی میں سوفی چپوؤں کو صحیح طور پر اُن کی جگہ پر نہیں لگا سکی تھی اور نہ ہی اُسے پانی سے باہر کھینچا تھا۔ کتے کی بھونکنے کی آواز اب بے حد قریب تھی اور اُس نے نہر کے دوسری جانب درختوں کے درمیان کسی کو حرکت کرتے دیکھا۔

سوفی نے حاضر دماغی سے کام لیتے ہوئے اپنے آپ کو کیبن کے پیچھے جھاڑیوں میں چھپا لیا۔ فوراً ہی وہ دلدلی زمین میں بہت تیز تیز چلنے کی آواز پیدا کرتی ہوئی چل پڑی۔ اگرچہ وہ بے حد پریشان دکھائی دے رہی تھی مگر اب اُسے یہاں سے فرار ہونے میں ہی اپنی نجات نظر آرہی تھی۔ وہ اُسی راستے پر جانا چاہ رہی تھی جس راستے سے آئی تھی۔ اُس نے اپنے کپڑے نچوڑے اور بے ساختہ چلانے لگی۔

آخر اُس نے یہ احمقانہ قدم کیوں اُٹھایا؟ سب سے بڑی غلطی تو کشتی والی ہوئی۔ کشتی ابھی تک نہر کے درمیان میں کھڑی ڈول رہی تھی۔ فلسفے کا استاد اب تک نہر کے پاس پہنچ چکا ہوگا اور اُسے بھی کشتی کی ضرورت ہوگی۔ سوفی اپنے آپ کو مجرم سمجھنے لگی مگر یہ غلطی نادانستہ طور پر ہوئی تھی۔

ایک اور بڑی غلطی لفافہ اُٹھانے کی تھی۔ اُسے یہ نہیں اُٹھانا چاہیے تھا۔ اگرچہ لفافے پر اُس کا نام لکھا ہوا تھا، لہٰذا یہ اُس کی چیز تھی۔ مگر وہ اپنے آپ کو نہ جانے کیوں چور محسوس کررہی تھی۔ مزید جرم یہ کہ یہ حرکت کرکے اُس نے اپنی یہاں موجودگی کا ثبوت فراہم کردیا تھا۔ بہرحال، جو ہونا تھا ہوگیا۔ اب اُس نے ہمت کرکے لفافہ کھول لیا۔ اب جو تحریر سامنے تھی، وہ یہ تھی:

پہلے کون پیدا ہوا۔ مرغی یا اُس کی ناقص نقل؟

کیا ہم لوگ فطری پیداوار ہیں یا تصویر؟

Marfat.com

پودے، جانوراورانسانوں میں کیافرق ہے؟

بارش کیوں برستی ہے؟

خوشگوارزندگی گزارنے کے کیااصول ہیں؟

فوری طور پرسوفی کوان سوالوں کا جواب سمجھ میں نہیں آیا۔مگراُس نے یہ اندازہ ضرورلگالیا کہ ان باتوں کا تعلق ایک اور فلسفی سے ہے۔ہوسکتا ہے اُس کا نام ارسطو ہو۔

جب اُس نے مڑکر جھاڑیوں کی جانب دیکھا تو اُسے ایسا لگا جیسے کوئی نہر میں تیر رہا ہو، مگراُس نے اپنی پناہ گاہ میں پہنچنے تک دوبارہ مڑکرنہیں دیکھا۔اس وقت صبح کے ساڑھے دس بج رہے تھے۔اُس نے خاکی لفافہ اور دوسرے کاغذات لسکٹ کے ٹن میں ڈال دیئے اورتازہ لفافہ اپنی مٹھی میں دبالیا۔

جب وہ گھر میں داخل ہوئی تو اُس کی ماں فون پرکسی سے مصروفِ گفتگوتھی۔مگرسوفی کو دیکھتے ہی اُس نے فوراً فون بندکردیا۔

''تم کس دنیا میں کھوگئی تھیں؟''

''کچھ نہیں۔بس ذرا چہل قدمی کررہی تھی۔''اُس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

سوفی کے گیلے کپڑوں میں سے پانی ٹپک رہا تھا۔''میں نے جوانا کوبھی بلالیا ہے۔''

اُس کی ماں نے اُسے خشک کپڑے لاکردیئے۔اتنے میں جوانا بھی آ گئی۔دونوں کچن میں بیٹھ گئیں اورسوفی کی ماں نے گرم چاکلیٹ اُن کے سامنے رکھ دی۔

''کیاتم اُس آدمی کے ساتھ تھیں؟''چندلمحوں بعدجوانا نے پوچھا۔

''وہ آدمی؟'' سوفی نے فلسفے کے استاد کے بارے میں سوچا اور پھرگردن ہلادی۔''ہاں''۔

''مگراُس کے ساتھ کیا کررہی تھیں،تمہارے کپڑے بھیگے ہوئے کیوں ہیں سوفی؟''ماں نے حیرت سے پوچھا۔

سوفی کی نگاہیں میز پرجمی ہوئی تھیں مگراندرہی اندراُسے ہنسی بھی آرہی تھی۔بیچاری ماں۔اب اُس کوایک اورفکرلاحق ہوگئی۔اس کے ساتھ ہی بے شمارسوالات کی بوچھاڑ ہوگئی۔''مجھے سچ سچ بتاؤ۔ کیاتم تمام رات باہررہیں؟تم کپڑوں سمیت کیوں سوگئیں؟کیاتم اُس وقت باہرنکل گئیں جب

Marfat.com

میں سو رہی تھی؟ ابھی تم صرف چودہ سال کی ہو سوفی! مجھے بتاؤ، یہ کیسی حرکتیں کر رہی ہو؟"۔

سوفی پر یکا یک ایک دورہ سا پڑ گیا۔ وہ چیخنے چلانے لگی، گویا کسی سے خوف زدہ ہو، اور جب کوئی خوف زدہ ہوتا ہے تو ہذیان بکنے لگتا ہے۔ مگر سوفی نے سچ اُگلنا شروع کر دیا۔ اُس نے بتایا کہ وہ صبح سویرے جاگ گئی اور پھر جنگل کی طرف چہل قدمی کے لئے نکل گئی۔ کیبن، کشتی اور جادوئی آئینے کے بارے میں بھی بتا دیا۔ مگر خفیہ خط کا ذکر گول کر گئی۔ سبز بٹوے کا ذکر بھی نہیں کیا۔ وہ ہلڈی کے معاملے کو خود حل کرنا چاہتی تھی۔

ماں نے اُس کی گردن میں بازو حمائل کر دیئے اور سوفی سمجھ گئی کہ ماں کو اُس کی باتوں پر یقین آ گیا ہے۔ "کسی لڑکے سے میری دوستی نہیں ہے۔" سوفی نے نفرت سے ناک سکیڑتے ہوئے کہا۔

"میں نے جو کچھ کہا ہے، سچ کہا ہے، کیونکہ تم سفید بالوں والے شخص کی طرف سے پریشان ہو۔"

"کیا تم بلا ارادہ میجر کے حجرے کی طرف چلی گئیں؟ ماں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"میجر کا حجرہ؟" سوفی نے ماں کو تعجب سے دیکھا۔

"ہاں، اُس قطعۂ اراضی پر جو کیبن بنا ہوا ہے وہ میجر کا حجرہ کہلاتا ہے۔ چند سال قبل آرمی کا ایک میجر وہاں کچھ دن آ کر رہا تھا۔ وہ کچھ سنکی اور غائب دماغ سا شخص تھا۔ اُس کے جانے کے بعد سے وہ کیبن خالی پڑا ہوا ہے۔

"نہیں، خالی تو نہیں ہے۔ وہاں اب ایک فلسفی رہائش پذیر ہے۔"

"فضول اور خیالی باتیں مت کرو۔" ماں نے ڈانٹا۔

سوفی اپنے کمرے میں جا کر گزشتہ واقعات کے بارے میں سوچتی رہی۔ اُس کا سر چکرا رہا تھا، دماغ میں عجیب و غریب قسم کے دھماکے ہو رہے تھے۔ اُسے یوں لگا جیسے وہ کسی ہنگامہ خیز سرکس میں آ گئی ہے جہاں ہر طرف جانور ہی جانور ہیں۔ کہیں بھد بھد کرتے ہوئے ہاتھی چنگھاڑ رہے ہیں، کہیں مسخرے اُلٹی سیدھی حرکتوں سے لوگوں کو ہنسانے کی کوشش کر رہے ہیں، کہیں جمناسٹک کا کھیل چل رہا ہے اور کسی طرف تربیت یافتہ بندر اچھل کود کر رہے ہیں۔ اُس کے ساتھ ہی نہر کے درمیان میں پھنسی ہوئی کشتی کا تصور اور کوئی شخص پریشان کہ وہ نہر کیسے پار کرے۔

سوفی کو پورا یقین تھا کہ فلسفے کا استاد اُس کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا اور یہ جان کر ہی

Marfat.com

اُس کے کیبن میں آئی تھی کہ وہ اُسے معاف کر دے گا۔ مگر یہ بات اُس کے دل میں کچوکے لگا رہی تھی کہ اُس نے معاہدے کی خلاف ورزی کی تھی اور اب اُس کی تلافی کس طرح ممکن تھی؟

سوفی نے اپنا گلابی کاغذ نکالا اور خط لکھنا شروع کر دیا۔

محترم جناب فلسفی صاحب!

اتوار کی صبح بندی نے آپ کے کیبن میں داخل ہونے کی جرأت کی تھی۔ میں بے حد بے چین تھی کہ آپ سے ملاقات کروں اور چند فلسفیانہ مسائل پر گفتگو کروں۔ میں افلاطون کی گرویدہ ہوگئی ہوں۔ اس لئے کہ میں ابھی تک اُس کے اُن خیالات سے متفق نہیں ہوں جو نقل اور خیالی تصویر کے بارے میں کہی گئی ہیں۔ بے شک یہ سب کچھ ہماری روح میں موجود ہیں، لیکن میں سوچتی ہوں کہ شاید یہ مختلف اور متضاد باتیں ہیں۔ میں تسلیم کرتی ہوں کہ میں روح کے لافانی ہونے کے خیال سے بھی متفق نہیں ہوں۔ اپنی پہلے والی زندگیوں کا مجھے کوئی ادراک نہیں۔ اگر آپ مجھے اس بات کی یقین دہانی کرا سکیں کہ میری دادی جان کی روح تصوراتی دنیا میں بے حد خوش و خرم ہے تو میں آپ کی شکر گزار ہوں گی۔

درحقیقت یہ مسائل اتنی اہمیت نہیں رکھتے ہیں جن کے لئے خط لکھنا ضروری تھا۔ میں دراصل معذرت خواہ ہوں کہ میں نے آپ کی نافرمانی کی۔ میں نے پوری کوشش کی تھی کہ کشتی کو ساحل پر لگا دوں مگر میری طاقت نے میرا ساتھ نہ دیا۔ یا شاید ایک بڑی لہر اُس کھینچ کر واپس لے گئی۔

مجھے امید ہے کہ آپ بغیر بھیگے ہوئے بہ آسانی اپنے کیبن تک پہنچ گئے ہوں گے۔ لیکن میری حالت بڑی ابتر ہے۔ مجھے سردی اور زکام نے آن گھیرا ہے۔ بہر حال غلطی تو سراسر میری ہی تھی۔

کیبن میں میں نے کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا، لیکن اپنے نام کا لفافہ اُٹھا لینے کی حرکت سے باز نہ رہ سکی۔ وہ بھی اسی وجہ سے کہ اُس پر میرا نام لکھا ہوا تھا۔ میں سخت نادم اور شرمندہ ہوں۔ اور میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ آئندہ کوئی غلط حرکت نہیں کروں گی۔

ضروری نوٹ

نئے سوالات کو حل کرنے کی میں بھرپور کوشش کروں گی۔

Marfat.com

مزید ضروری نوٹ

پیتل کے فریم والا آئینہ کوئی عام سا آئینہ ہے یا یہ کوئی طلسمی آئینہ ہے؟ یہ میں صرف اسی لئے پوچھ رہی ہوں کہ میں دونوں آنکھوں سے اپنی آنکھیں جھپکنے کا نظارہ نہیں کر سکی۔

آپ کی تابع دار اور مخلص شاگرد۔ سوفی۔

سوفی نے خط کو لفافے میں رکھنے سے قبل دوبارہ پڑھا۔ پھر وہ نیچے اتری اور کچن کی طرف گئی تاکہ لفافے کے اندر کوئی میٹھی چیز یا چینی کی کیوب رکھ سکے۔ چلتے چلتے اُس نے اُن سوالات کا جائزہ لینا شروع کر دیا جو اُسے کیبن میں ملے تھے۔

''کیا چیز پہلے آئی..... مرغی یا ''مصنوعی'' مرغی؟''

یہ سوال ویسا ہی پیچ دار تھا جیسا کہ ایک قدیم معما..... مرغی اور انڈے والا۔ اگر انڈا نہیں ہوگا تو مرغی کیسے پیدا ہوگی اور بغیر مرغی کے انڈا کہاں سے آئے گا؟ کیا یہ واقعی ایک عجیب و غریب اور مشکل سوال تھا؟ سوفی بات کی تہہ تک نہیں پہنچ سکی۔ کہ اس سوال سے افلاطون کا مقصد کیا تھا۔ کیا وہ یہ کہنا چاہتا تھا کہ یہ ''تصوراتی'' مرغیاں حسیاتی طور پر دنیا میں پہلے سے موجود تھیں۔ اُس کے فلسفے کے مطابق روح اُس ''خیالی'' مرغی کو ایک جسم میں داخل ہونے سے پہلے ہی دیکھ چکی تھی۔ مگر صرف یہی ایک ایسی بات نہیں تھی جس کے بارے میں سوفی کا خیال تھا کہ افلاطون غلطی پر ہے۔ وہ شخص کیسے کسی مرغی کا تصور کر سکتا ہے جس نے کبھی مرغی دیکھی ہی نہ ہو؟

اور اسی سوال سے پھر دوسرا سوال پیدا ہوا۔ کیا ہم لوگ جبلی طور پر ''خیالی'' پیداوار ہیں؟ ایسا کیسے ہو سکتا ہے، سوفی نے سوچا۔ وہ اس بات پر کیسے یقین کر سکتی تھی کہ ایک نوزائیدہ بچہ تمام خیالات اور تصورات سے لیس ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بچے کی کوئی زبان نہیں ہوتی تو پھر اُس کے سر میں خیالات کہاں سے آئے ہوں گے۔ لیکن پہلے یہ جائزہ لینا ہوگا کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔

''ایک پودے، ایک جانور اور ایک انسان میں کیا فرق ہے؟'' سوفی نے اس فرق کو بہت جلد محسوس کر لیا۔

فرض کر لیں، اُس نے یہ نہیں سوچا تھا کہ ایک پودہ پیچیدہ اور جذباتی زندگی رکھتا ہے۔ کسی

Marfat.com

کے زخمی دل کی فریاد کس نے سنی ہے؟ ایک پودا پیدا ہوتا ہے، نشوونما پاتا ہے، اور پھر خود بیج پیدا کرنے کی صلاحیت حاصل کر لیتا ہے۔ سوفی نے نتیجہ اخذ کیا کہ جو کچھ پودوں کے ساتھ ہوتا ہے، وہی سب کچھ جانوروں اور انسانوں کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔ لیکن جانوروں میں ایک خصوصیت اور ہوتی ہے کہ وہ حرکت بھی کر سکتے ہیں۔ (کیا پودوں نے کبھی کسی دوڑ کے مقابلے میں حصہ لیا ہے؟) مگر جانوروں اور انسانوں میں کوئی فرق ظاہر کرنا مشکل ہے۔ انسان سوچنے سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں جو کہ جانوروں میں نہیں ہوتی۔ مگر سوفی اپنی پیاری بلی شیر یکان سے بے حد متاثر تھی۔ اُس کا خیال تھا کہ وہ سوچ سکتی ہے اور بہت ہی متوازن انداز میں۔ مگر فلسفیانہ سوالات پر وہ کیا روشنی ڈال سکے گی؟

''بارش کیوں برستی ہے؟'' سوفی نے کاندھے اچکائے۔ یہ تو آسان سا سوال ہے۔ سمندر کا پانی بخارات بن کر اُڑ جاتا ہے اور پھر بادل اُن کو سیال بنا کر بارش کے قطروں میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ اُس نے یہ بات تھرڈ گریڈ میں پڑھی تھی۔ یقیناً بارش کے قطرے پودوں اور جانوروں کی نشوونما کے لئے بے حد ضروری ہے۔ مگر کیا یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے؟ کیا ایک بوچھار سے تمام مقصد پورا ہو جاتا ہے؟

آخری سوال میں ایک مقصد شامل تھا۔ ''ایک خوشگوار زندگی کیسے گزارنی چاہیئے؟''

شاید فلسفی نے کورس شروع کرتے وقت اس بارے میں کچھ باتیں بتائی تھیں۔ ہر شخص کو ضرورت ہے غذا کی، خلوص و تپاک کی، محبت کی اور دیکھ بھال کی، خواہ ان چیزوں کے لئے کوئی بھی قیمت ادا کرنی پڑے۔ یہ بنیادی چیزیں ایک اچھی اور خوشگوار زندگی کی علامت ہیں۔ ان سب چیزوں کے بعد انسان یہ بھی خواہش رکھتا ہے کہ فلسفیانہ سوالات کا حل بھی جان لے۔ ایک مناسب اور مرضی کی ملازمت یا کوئی کام بھی ہونا چاہیئے۔ سوفی جانوروں کی ڈاکٹر بننا چاہتی تھی۔ مگر اُسے اندازہ تھا کہ اس کام میں وہ خوب دولت نہیں کما سکتی ہے، لیکن بس ایک پرسکون زندگی کے لئے اُس کی یہی خواہش تھی۔

سوفی انہی خیالوں میں گم تھی کہ ماں کی آواز آئی۔ وہ کھانا کھانے کے لئے بلا رہی تھی۔ آج گائے کے گوشت کے قتلے اُس نے تیار کیے تھے، آلو کے ساتھ۔ پھل اور مٹھائی وغیرہ بھی وہ پہلے ہی خرید لائی تھی۔ چند ماہ بعد اُس کی پندرہویں سالگرہ بھی آ رہی تھی۔ اس بارے میں بھی دونوں میں گفتگو ہوتی رہی۔

Marfat.com

ارسطو
(ARISTOTLE)
(384-322 BC)

سوفی نیچے اتری اور اپنی پناہ گاہ کا رخ کیا۔ اُس وقت اُس کی ماں قیلولہ کے مزے لے رہی تھی۔ لفافے میں اُس نے چینی کا ایک ڈھیلا ڈال دیا اور لفافے پر ''البرٹو کے نام'' بھی لکھ دیا۔

ذرا ہی دیر گزری تھی کہ سوفی کو کتے کے چلنے کی آواز آئی۔

''ہرمز!'' اُس نے پکارا، اور اگلے ہی لمحے ہرمز نے پناہ گاہ میں جھانکا۔ اُس کے منہ میں ایک خاکی لفافہ دبا ہوا تھا۔

''اچھا بچہ'' سوفی نے پیار سے اپنے بازو اُس کی کمر کے گرد حمائل کر دیئے۔ اُس نے لفافہ اُٹھا کر ہرمز کے منہ میں دبا دیا۔ وہ پیٹ کے بل جھاڑیوں میں داخل ہوا اور آناً فاناً درختوں کے درمیان غائب ہو گیا۔

سوفی نے بے تابی سے وہ خاکی لفافہ کھولا اور سوچ کر پریشان ہو گئی کہ اس میں ضرور کیبن اور کشتی کے حوالے سے اُسے خوب جھاڑ پلائی گئی ہو گی۔ لفافے میں ٹائپ کیے ہوئے چند کاغذات تھے جنہیں پیپر کلپ سے نتھی کر دیا گیا تھا۔ مگر اندر ایک علیحدہ کاغذ بھی رکھا ہوا تھا، جس پر لکھا ہوا تھا۔

عزیز م نقب زن لڑکی!

یہ مقدمہ پولیس میں درج کرا دیا گیا ہے۔ مگر درحقیقت نہیں۔ میں تم سے ناراض نہیں ہوں، لیکن اس شرط پر کہ تم فلسفی کے اُن سوالات پر غور کرو اور ان کے جوابات تلاش کرنے کی کوشش کرو۔ تمہاری یہ مہم بہت ہی تلاطم خیز تھی۔ بس مجھے صرف یہ غم ہے کہ اب مجھے یہ جگہ

Marfat.com

چھوڑنی پڑے گی۔ لیکن تم اس کی ذمہ دار نہیں، بلکہ میں خود ہوں۔ مجھے اندازہ ہونا چاہئے تھا کہ تم کو بال کی کھال نکالنے کا شوق ہے اور تم اُس وقت تک خاموش نہیں بیٹھ سکتی ہو جب تک بات کی تہہ تک نہ پہنچ جاؤ۔

مبارک ہو۔ فقط، البرٹو

سوفی کو کچھ سکون محسوس ہوا۔ انجام کار وہ ناراض نہیں تھا۔ لیکن وہ یہ جگہ کیوں چھوڑ رہا ہے؟ اُس نے کاغذات اُٹھائے اور اپنے کمرے میں گھس گئی۔ بہتر یہی تھا کہ وہ اُس وقت کمرے میں موجود رہے جب اُس کی ماں جاگ اُٹھے۔ اپنے بستر پر آرام سے لیٹ کر وہ کاغذات کا مطالعہ کرنے لگی۔

فلسفی اور سائنس داں

ڈیر سوفی! یقیناً تم نے افلاطون کے نظریات سے اتفاق نہیں کیا ہوگا۔ اس معاملے میں تم تنہا نہیں ہو۔ کیا تم نے اُس کی تمام چیزیں مثلاً، کانٹا، ڈور اور غلاظت وغیرہ کو تسلیم کر لیا، یا صرف تنقیدی نظریہ رکھتی ہو۔ لیکن اگر تم نے سب باتیں مان لی ہیں تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ارسطو نے بھی یہی سوالات اُٹھائے تھے۔ ارسطو، افلاطون کی درس گاہ کا کم وبیش بیس سال تک شاگرد رہا تھا۔

ارسطو ایتھنز کا باشندہ نہیں تھا۔ وہ مقدونیہ میں پیدا ہوا اور افلاطون کی درس گاہ میں داخلہ لے لیا۔ اُس وقت افلاطون کی عمر اکسٹھ 61 سال تھی۔ ارسطو کے والد ایک مستند طبیب تھے چنانچہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ سائنس داں بھی تھے۔ یہ پس منظر ہمیں بتاتا ہے کہ ارسطو خاندانی طور پر کچھ کچھ فلسفیانہ خیالات بھی رکھتا تھا۔ اُسے فطرت کے مطالعے سے خصوصی دلچسپی تھی۔ وہ نہ صرف یہ کہ یونان کے عظیم فلسفہ دانوں میں سے آخری فلسفی تھا بلکہ یورپ کا پہلا عظیم حیاتیات کا عالم بھی تھا۔

بات کو آگے بڑھاتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ افلاطون اپنی تصوراتی دنیا میں محو تھا، لہٰذا وہ فطرت کی طرف سے کافی حد تک بیگانہ تھا، یا قدرت کیا کیا تبدیلیاں پیدا کر رہی ہے، اُسے کوئی خبر نہ تھی۔

Marfat.com

ذرا اور مبالغے سے کام لیا جائے تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ افلاطون نے اس حسیاتی دنیا کی طرف سے اپنی آنکھیں پھیر لی تھیں۔ ارسطو نے ٹھیک اس کے برخلاف کام کیا۔ اُس نے چار چیزوں پر اپنی توجہ مرکوز کردی۔ اُس نے مچھلیوں اور مینڈکوں کا خوب مطالعہ کیا۔ پودوں اور پوست وغیرہ کی تحقیقات کیں۔ جب کہ افلاطون اپنی عقل وشعور کے معاملات میں الجھا رہا۔

اُن دونوں میں دو تضاد اور بھی تھا۔ افلاطون ایک شاعر اور ماہرِ علم الاضام تھا۔ اس کے بر خلاف ارسطو کی نثری تخلیقات اس قدر خشک تھیں گویا کوئی انسائیکلوپیڈیا تحریر کر رہا ہو۔ علاوہ ازیں اس نے جو کچھ لکھا وہ بالکل لحہ بہ لحہ کی ایک رپورٹ تھی۔

آثارِ قدیمہ میں بتایا گیا ہے کہ ارسطو نے ایک سو ستر عنوانات پر مقالے تحریر کیے۔ ان میں سے صرف سینتالیس 47 محفوظ ہیں۔ اور وہ بھی مکمل کتابوں کی صورت میں نہیں بلکہ لیکچر کے نوٹ کی صورت میں۔ اُس زمانے میں فلسفہ صرف زبانی بحث مباحثے کی صورت میں پیش کیا جاتا تھا۔

مغربی تہذیب پر ارسطو کے اثرات کی معنی خیزی صرف اس وجہ سے نہیں ہے کہ اُس نے نئے زمانے کی اصطلاحات پیش کیں، بلکہ سائنس کے مختلف زاویے بھی پیش کیے۔

فطری مثالیں کہاں ہیں؟

پہلے زمانے کے فلسفہ دانوں میں افلاطون نے ایسے عالموں کو تلاش کرنے کی کوشش کی جو غیر فانی اور غیر متغیر کے درمیان میں کسی بات کے دعوے دار تھے۔ چنانچہ وہ کچھ تصورات اور خیالات اس مد میں پانے میں کامیاب ہوگیا جو دماغی دنیا کے پیداوار تھے۔ پہلا خیال ''گھوڑے'' کے بارے میں آیا اور پھر دماغی دنیا کے گھوڑے جو دلکی چال چلتے ہوئے غار کی دیوار پر اپنے سائے ظاہر کر رہے تھے۔ تصوراتی ''مرغی'' پہلے وجود میں آئی اور اُس کے بعد اصل مرغی اور انڈے۔

ارسطو کا خیال تھا کہ افلاطون نے ہر چیز کو اتھل پتھل کر کے رکھ دیا ہے۔ اُس نے اپنے استاد سے اتفاق کیا کہ اصلی گھوڑا حرکت کرتا ہے اور کوئی گھوڑا لافانی نہیں ہے۔ اُس نے یہ بھی تسلیم کیا کہ گھوڑے کی اصل وضع دوامی اور غیر متغیر ہے۔ مگر ''خیالی'' گھوڑا محض ایک تصور ہے جو

Marfat.com

ہم انسانوں نے اصلی گھوڑوں کو دیکھ کر محض اپنے ذہن میں بسالیا ہے۔لیکن درحقیقت یہ کوئی چیز نہیں ہے۔ارسطو کے علم کے مطابق ''خیالی'' اور ''وضعی'' گھوڑے گھوڑوں کے انداز واطوار دیکھ کر منسوب کیے گئے تھے اور اسی کو ہم منطق کہہ سکتے ہیں۔

ارسطو نے افلاطون کے اس خیال سے بھی اختلاف کیا کہ ''خیالی'' مرغی اصلی مرغی سے قبل آ گئی۔ارسطو کا کہنا ہے کہ ''وضعی'' مرغی ہر مرغی میں بحیثیت مرغی کے ڈھانچے کے پہلے سے موجود ہے، اور یہی وجہ ہے کہ انڈے دیتی ہے۔اصلی مرغی اور ''وضعی'' مرغی جسم اور روح ایک ساتھ ہیں اور انہیں علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔

ارسطو کا قول تھا کہ ہماری سوچ اور خیالات ہمارے لاشعور کے ذریعے ہمارے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں، جو کچھ ہم دیکھتے ہیں اور سنتے ہیں، اُن کی بنیاد پر۔مگر ایک فطری وجہ بھی ہوتی ہے۔ہم لوگ وہ سوچ نہیں رکھتے ہیں جو افلاطون کے دماغ میں تھے لیکن ہم لوگ جبلی خیالات ضرور رکھتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ہم پتھر، پودے، جانور اور انسانوں کی پہچان رکھتے ہیں۔

ارسطو نے اس بات سے انکار نہیں کیا کہ انسان کے اندر فطری جذبات پوشیدہ ہیں۔اس کی مثال دیتے ہوئے ارسطو نے بتایا کہ انسان مختلف النوع فطرت کا مالک ہے اور قدرتی مظاہر کو ہم اکثر اوقات میں جگہ جگہ دیکھ سکتے ہیں۔

امتیازی نقشے کی تشکیل

افلاطون کے نظریے سے اتفاق کرتے ہوئے ارسطو نے فیصلہ کیا کہ حقیقت کئی باتوں پر مبنی ہوتی ہے جو مل کر نقشہ اور اسلوب تیار کرتے ہیں۔جیسا کہ میں نے پہلے بتایا، ارسطو کا تعلق فطرت کی تبدیلی سے تھا۔اسلوب کا دارومدار ہمیشہ نقشے پر ہوتا ہے۔ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلوب ہمیشہ فطرت کی طرف جانے کی جدوجہد کرتا ہے۔ارسطو کہتا ہے کہ فطرتی تبدیلی امکان سے حقیقت کی طرف جاتی ہے۔

اب ایک مضحکہ خیز سی کہانی سنو۔شاید اس طرح تم پوری بات سمجھ پاؤ۔ایک سنگ تراش ایک بہت بڑے بھاری پتھر پر کام کر رہا ہے۔وہ روزانہ اُس کو تھوڑا تھوڑا توڑتا ہے اور اُس کو ایک خاص شکل دینے کی کوشش کرتا ہے۔ایک دن ایک بچہ اُس کے پاس آیا اور پوچھا۔''آپ

Marfat.com

اس کے اندر کیا تلاش کر رہے ہیں؟'' سنگ تراش نے جواب دیا۔ 'چند روز صبر کرو، پھر تم خود ہی دیکھ لینا۔'' دو چار روز بعد وہ لڑکا دوبارہ آتا ہے۔ اس اثناء میں سنگ تراش نے اُس پتھر سے ایک خوبصورت گھوڑا تراش لیا ہے۔ لڑکے کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں اور حیرت زدہ انداز میں پوچھتا ہے۔ ''کیا آپ کو معلوم تھا کہ وہ اس پتھر میں چھپا بیٹھا ہے؟''

اصل بنیاد

قبل اس کے کہ ہم زندہ اور مردہ چیزوں کی شکل وصورت کی باتوں کو ختم کریں۔ میں یہ بتانا چاہوں گا کہ ارسطو فطری علت کے بارے میں ایک نہایت ہی اعلیٰ نظریہ رکھتا تھا۔

آج جب ہم کسی چیز کی وجوہات پر بحث کرتے ہیں، تو ہمارا مطلب یہی ہوتا ہے کہ کیسے ہوا اور کیوں کر ہوا۔ کھڑکی کا شیشہ اس لئے ٹوٹا کہ پیٹر نے اُس پر ایک پتھر دے مارا تھا۔ جوتا اس لیے بن گیا کہ جفت ساز نے چمڑے کے مختلف ٹکڑوں کو سی کر جوتا بنا دیا تھا۔ مگر ارسطو کا کہنا یہ تھا کہ اس کے انداز قدرتی طور پر ہر موقع کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں اور اس کے چار وجوہات بتائے گئے ہیں۔ ضروری امر یہ ہے کہ ''اصل بنیاد'' کو غور سے سمجھا جائے۔

کھڑکی کے شیشے کے معاملے میں یہ بات سوچنے کی ہے کہ پیٹر نے پتھر کیوں مارا۔ مقصد ہمارا یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ دراصل کیا چاہتا تھا۔ چنانچہ اصل بات مقصد کی ہے۔ مگر ارسطو نے اس کو قدرت کا ایک بے جان معاملہ قرار دیا۔ یہاں ہم ایک مثال لے لیتے ہیں۔

سوفی! کیا تم جانتی ہو کہ بارش کیوں برستی ہے؟ تم نے یقیناً اسکول میں پڑھا ہوگا کہ پانی سے نکلے ہوئے بھاپ کے قطرے جب بادل میں سما کر خوب ٹھنڈے ہو جاتے ہیں تو منجمد ہو کر قطروں کی صورت اختیار کر لیتے ہیں اور پھر بھرپور قوت کے ساتھ زمین کی طرف گرتے ہیں۔ ارسطو نے اس سمجھوتے پر ہاں کر دی۔ مگر اس نے یہ بھی کہا کہ ابھی تک تم نے صرف تین وجوہات بیان کی ہیں۔ ''بنیادی وجہ'' یہ ہے کہ بھاپ کے قطرے خاص موقع پر بنتے ہیں جب ہوا خوب سرد ہو جاتی ہے۔ ''اثر آفریں'' وجہ یہ ہے کہ بھاپ ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔ اور ''قطعی وجہ'' یہ ہے کہ پانی کی فطرت ہی یہ ہے کہ وہ زمین پر گرتی ہے۔ مگر یہاں ارسطو ایک بات اور کہتا ہے، وہ یہ کہ جانوروں اور درختوں کی نشوونما کے لئے پانی کی ضرورت ہے۔ اسی بات کو وہ ''فیصلہ

Marfat.com

کن وجہ'' کہتا ہے۔ ارسطو کے فیصلے کے مطابق بارش کے قطرے زندگی کا لازمی حصہ ہیں۔

اب ہم اس بات کو یوں ختم کرتے ہیں کہ پیڑ پودے بارش کی وجہ سے ہی نشوونما پاتے ہیں۔ ارسطو کا کہنا ہے کہ ہر چیز میں فطرت شامل ہے۔ بارش اس لئے ضروری ہے تا کہ درخت، پھول اور پودے بڑھ سکیں اور پھل پیدا ہوں جو انسانوں کی غذا ہے۔ یہ سب خدا کی دین ہے، ورنہ بارش کے قطروں کو ہماری بھلائی سے کیا مطلب؟

فطرتی مدراج

جب ارسطو نے زندگی کے تمام مدراج طے کر لیے، تب اُس نے سب سے آخر میں اس طرف نشان دہی کی کہ فطرتی دنیا میں ہر چیز کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک طرف وہ اشیاء ہیں جو بے جان ہیں، مثلاً پتھر، بارش کے قطرے اور مٹی وغیرہ وغیرہ۔ ان کے اندر تبدیلی کی کوئی صلاحیت بھی نہیں ہوتی۔ ارسطو کی توجیہہ کے مطابق ان میں اگر کوئی تبدیلی آتی بھی ہے تو بیرونی حالات کی وجہ سے۔ صرف جان دار چیزوں میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ وہ اپنی شکل و شباہت میں تبدیلی لا سکتے ہیں۔

ارسطو نے زندہ چیزوں کو بھی دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ایک حصہ درختوں اور پودوں پر مشتمل ہے اور دوسرا حصہ ''حیوان معلق''۔ ان کو بھی مزید دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، یعنی کہ جانور اور انسان۔

یہ بات تسلیم کرنے کے قابل ہے کہ ارسطو کے بنائے ہوئے نظریات بالکل واضح اور سادہ ترین ہیں۔ زندہ اور مردہ چیزوں کے درمیان فرق بالکل واضح ہے۔ جیسے کہ پھول اور پتھر۔ جس طرح پودوں اور جانوروں کے درمیان فرق ہے، یا یہ فرض کر لیں کہ ایک پھول اور ایک گھوڑا۔ یہاں میں آپ کو بتانا چاہوں گا کہ یقیناً گھوڑے اور آدمی میں اختلاف ہے۔ مگر وہ کیا ہے؟ کیا تم اس کی وضاحت کر سکتی ہو؟

بدقسمتی سے میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ تم اطمینان کے ساتھ جواب تحریر کرو، اُس کو گلابی لفافے میں رکھو اور لفافے میں چینی کا ٹکڑا ڈالو اور پھر یہ لفافہ مجھ تک پہنچے۔ جب ارسطو قدرتی مدارج کو مختلف حصوں میں تقسیم کر سکتا ہے اور ان کا تجزیہ کر سکتا ہے تو

Marfat.com

میں ایسا کیوں نہیں کرسکتا ہوں۔

تمام زندہ پودے، جانور اور انسان ایسی قدرتی صلاحیتوں سے مالا مال ہیں کہ خود بخود نشوونما پاسکتے ہیں اور ترقی کرسکتے ہیں۔تمام ''زندہ مخلوقات'' اپنے آس پاس کے ماحول سے متاثر ہوسکتے ہیں۔انسان میں ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ سوچ سکتا ہے اور حالات کے سانچے میں اپنے آپ کو ڈھال سکتا ہے۔

لہٰذا فطری دنیا میں کوئی مختصر راستہ نہیں ہے۔ہمیں ہر چیز کو قدرتی انداز میں پھلتے پھولتے اور بڑھتے ہوئے دیکھنے کی عادت ڈالنی ہوگی۔پودوں اور جانوروں سے لے کر انسان تک۔ اور انسان ہی ان تمام معاملات کی معراج ہے۔ارسطو کے فرمان کے مطابق انسان آگے بڑھتا ہے اور مختلف آب وہوا میں پرورش پاتا ہے جیسے کہ پودے اور درخت کی نشوونما ہوتی ہے۔لیکن انسان کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت اُسے تمام دوسری چیزوں پر فوقیت عطا کرتی ہے۔

لہٰذا یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ انسان قدرتی صلاحیتوں سے مالا مال ہے۔ہاں، میں نے خدائی خصوصیت کا ذکر کیا۔وقتاً فوقتاً ارسطو ہمیں یاددہانی کراتا ہے کہ خدا کا وجود ہے اور وہی ہے جو یہ تمام نظام چلا رہا ہے۔خدا سب سے بڑا ہے اور کوئی اُس کا شریک نہیں۔

ارسطو ستاروں کی تمام چالیں جانتا ہے۔اُس کا مطالعہ بے حد وسیع ہے۔اس کے علاوہ اُس کو یہ بھی علم ہے کہ پودے زمین پر کس طرح نشوونما پاتے ہیں۔اور یہ بھی اُس کی ذہانت ہے کہ قدرت کس انداز میں ان سب کو ایک ترتیب کے ساتھ استعمال کر رہی ہے۔ارسطو نے ان تمام باتوں کو ایک معجزے سے تعبیر کیا ہے اور معجزہ دکھانا قدرت کا ہی ایک کارنامہ ہے۔

اخلاقیات

سوفی! اب ہم واپس انسان کی طرف چلتے ہیں۔ارسطو کہتا ہے کہ انسانی بناوٹ روح پر انحصار کرتی ہیں جو کہ ایک پودے کے حصے کی طرح ہے یا کسی جانور کے ریشوں سے تیار کیا گیا ایک جزو۔اسی کے بعد وہ سوال کرتا ہے کہ ہمیں کس طرح زندگی گزارنی چاہئے؟ ایک اچھی زندگی گزارنے کے کیا لوازمات ہیں؟ اور پھر وہ بتاتا ہے۔انسان اسی صورت میں ایک خوشگوار زندگی گزار سکتا ہے جب کہ وہ اپنی تمام صلاحیتوں اور ذہانت کو پوری طرح استعمال میں لائے۔

Marfat.com

ارسطو نے دریافت کیا کہ خوشی حاصل کرنے کے تین طریقے ہیں۔ پہلی بات یہ کہ زندگی میں جو کچھ بھی تمہارے سامنے ہے، اُس سے پورا پورا فائدہ اُٹھاؤ۔ دوسری بات یہ کہ ذمہ دارانہ رویہ اپناتے ہوئے آزاد زندگی گزارو اور تیسرا یہ کہ فلسفیانہ غور وفکر اور سوچ اپناؤ۔ ارسطو نے یہ نچوڑ نکالا کہ یہ تینوں تدبیریں ایک آدمی میں بیک وقت موجود ہونی چاہئیں تب ہی وہ ان کا بھرپور فائدہ حاصل کرسکتا ہے۔ اگر کوئی صرف دماغ استعمال کرتا ہے تو بھی وہ بھرپور لطف حاصل نہیں کرسکتا اور اگر صرف جسم پر توجہ دیتا ہے تو یہ بھی ایک بے مصرف حرکت ہے۔ یا دونوں چیزوں کا ضرورت سے زیادہ استعمال بھی زندگی کے لئے ایک زہر ہے۔

یہ اصول انسانی تعلقات پر بھی لاگو ہوتے ہیں جن کو ارسطو نے ''سنہری معاملات'' سے تعبیر کیا ہے۔ ہمیں بزدل یا وحشی نہیں بننا چاہئے۔ ایک معتدل انداز اپنانا ہوگا۔ اسی طرح کھانے پینے میں احتیاط ضروری ہے۔ کم خوراک بھی صحت کے لئے نقصان دہ ہے اور بسیار خوری بھی۔ یونانی طب میں بھی اس بات کو خاص طور پر مدنظر رکھا گیا ہے۔ خوشیوں اور جذبات سے بھرپور زندگی گزارنے کے لئے ایک توازن اور اعتدال قائم رکھنا ہوگا۔

سیاست

غیر فطری انداز میں یا مصنوعی ترقی کو بھی ارسطو نے ناپسند کیا ہے۔ اُس کا کہنا ہے کہ انسان فطری طور پر ایک ''اصولی جانور'' ہے۔ ہمیں ایک معاشرتی اور سماجی نظام کے تحت زندگی گزارنی ہے، اگر ایسا نہیں ہے تو پھر ہمیں انسان کہلانے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اُس نے اس طرف توجہ دلائی کہ ہمارا خاندان اور ہمارے سماجی تعلقات ہمیں غذائی بنیاد فراہم کرتے ہیں۔ گرم جوشی، شادی بیاہ اور بال بچوں کی پرورش ہمارے معاشرے کا بنیادی حصہ ہیں۔ ان ہی باتوں سے مل کر جب انسانی اقدار ترقی حاصل کرتی ہیں تو پھر ایک فلاحی ریاست وجود میں آتی ہے اور ہم سب اُس کا ایک حصہ بن جاتے ہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک ریاست کو کس طرح وجود میں آنا چاہئے یعنی ریاست کا نظام کن اصولوں پر استوار ہو۔ (یہاں افلاطون کے فلسفیانہ ریاست کا تصور کیا جائے) ارسطو نے تین بنیادی اصول وضع کیے ہیں جن کی بنیاد پر آئین ترتیب دیا جانا چاہئے۔

Marfat.com

نمبر ایک! شہنشاہیت یا بادشاہت۔ جس کا مطلب ہے کہ ایک ہی شخص مکمل اختیارات کا مالک ہو اور وہی ریاست کا سربراہ ہو۔ اس انداز کے آئین کے لئے بہترین اصول اپنانے ہوں گے اور ظلم و جبر کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوگا اور تمام امور صرف سلطنت کی بھلائی کے لئے انجام دیئے جائیں گے۔

نمبر دو! دوسرا عمدہ نظام جاگیردارانہ آئین (Aristocracy) ہے۔ اس نظام میں چند لوگوں کا ایک گروپ ہوتا ہے۔ یہ تمام مل کر ایک ایسا آئین ترتیب دیں جو ''عدیدیہ حکومت'' (Oligarchy) کو تقویت بخشے اور حکومت چند افراد پر مشتمل ہو۔ ''خانگی معلم'' (Tutional Form) جیسے ارسطو Polity کہتا ہے۔ جس کے معنی ہیں جمہوریت۔ لیکن اسی میں چند منفی اور نقصان دہ باتیں بھی ہیں۔ جمہوریت بہت جلد خودغرضانہ سیاست میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ (اگر ہٹلر نے جرمنی کی ریاست کو آمرانہ اقتدار میں تبدیل نہ کر دیا ہوتا تو نازی اس کو فلاحی ریاست بنا سکتے تھے)۔

نسوانی نظریات

آخیر میں ہم ارسطو کے ان خیالات کا ذکر کرتے ہیں جو وہ عورتوں کے بارے میں رکھتا ہے۔ بدقسمتی سے وہ سقراط کی طرح اعلیٰ ظرف نہیں تھا۔ اُس کی رائے تھی کہ عورتیں ابھی نیم پختہ ہیں۔ عورتیں سست اور کاہل ہیں جبکہ مرد تیز طرار اور کچھ کر گزرنے کا جذبہ رکھتے ہیں اور بچوں میں جو خوبیاں آتی ہیں وہ اُن کو باپ سے وراثت میں ملتی ہیں۔ ارسطو کی زبان میں بنیادی ڈھانچہ مرد مہیا کرتا ہے اور عورت صرف اُس میں دیوار کھڑی کرتی ہے۔ اس نظریئے سے اتفاق کیا جائے یا اختلاف، لیکن یہ حقیقت ہے کہ ارسطو کو خواتین اور بچوں کی تربیت کا کوئی عملی تجربہ نہیں تھا اور جب مردوں کی اجارہ داری قائم ہو جاتی تو وہ فلسفہ اور سائنس کو اپنے لئے مخصوص کر لیتے ہیں۔

جنس کے بارے میں ارسطو کے نظریات ذرا مشکوک لگتے ہیں۔ یہ صرف اُس کے خیالات تھے جبکہ سقراط کی رائے بالکل برخلاف تھی۔ چرچ نے عورتوں کو وراثت کا حق دے دیا تھا لیکن بائبل اس کی نفی کرتا تھا، شاید اس وجہ سے کہ حضرت عیسیٰؑ کی کوئی نسوانی اولاد نہیں تھی۔

Marfat.com

اس بارے میں میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا، مگر جیسے جیسے میری معلومات میں اضافہ ہوتا گیا، میں تمہیں بتاتا رہوں گا۔

سوفی جب ارسطو کے بارے میں یہ باب پڑھ چکی تو اُس نے یہ تمام کاغذات دوبارہ اُسی خاکی لفافے میں ڈال دیئے اور ایک طرف بیٹھ کر خلا میں گھورنے لگی۔ اچانک اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ ایک اجنبی ماحول میں پھنس کر رہ گئی ہے۔ کتابیں اور دوسری مختلف چیزیں اُس کے اردگرد فرش پر پھیلی ہوئی تھیں۔ الماری میں رکھے ہوئے سوئیٹر، جرابیں اور جینز نہ جانے کیسے اپنی جگہ سے نکل آئی تھیں اور لکھنے کی میز میلے اور گندے کپڑوں سے بھری ہوئی تھی۔

ان سب کو اپنی جگہ پر رکھنا ضروری تھا لیکن سوفی کو یہ سب کچھ دیکھ کر ایک کراہیت سی محسوس ہو رہی تھی۔ اُس نے سب سے پہلے الماری اور فرش پر گرے ہوئے کپڑوں کو ایک جگہ اکھٹا کیا اور پھر کتابوں اور ضروری چیزوں کو شیلف میں سلیقے کے ساتھ رکھنے لگی۔ اس کے بعد اُس نے کپڑوں پر توجہ دی اور اُن کو بھی الماری میں اپنی اپنی جگہ رکھا۔ میلے کپڑوں کی اُس نے ایک گٹھری بنائی اور پلاسٹک کے بڑے تھیلے میں بھر کر الماری کے نچلے حصے میں گھسیڑ دیا۔ ایک چیز ذرا پریشان کر رہی تھی۔ یہ ایک سفید رنگ کی لمبی جراب تھی جو گھٹنوں تک آتی تھی۔ لیکن مسئلہ یہ تھا کہ دوسری جراب نہیں مل رہی تھی۔ سوفی اچھی طرح جانتی تھی کہ یہ اُس کی نہیں ہے۔ اُس نے کئی بار اسے بغور دیکھا اور اُس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ جراب کس کی ہو سکتی ہے۔ اُسے تھوڑا سا شک تھا چنانچہ اُس نے اسے الماری کے سب سے اوپر والے خانے میں ڈال دیا جہاں لیگو، وڈیو کیسٹ اور لال ریشمی رومال پہلے ہی پڑے ہوئے تھے۔ اب اُس نے اپنے بستر پر توجہ دی۔ آخیر میں اُس نے اُن تمام کاغذات کو اکھٹا کیا جو ارسطو سے متعلق تھے۔ ایک خالی فائل اُسے نظر آ گئی۔ اُس نے کاغذات میں پنچ سے سوراخ کر کے اسے فائل میں ڈال دیا۔ اس فائل کو بھی اُس نے سب سے اوپر والے خانے میں رکھ دیا۔

ارسطو نے اُس کے دل و دماغ میں ایک سلیقہ پیدا کر دیا تھا اور وہ اب نہیں چاہتی تھی کہ کوئی چیز بے ترتیب نظر آئے۔ فضول چیزیں اُس نے الماری کے اوپر والے خانے میں ڈال دی تھیں اور اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان کا کیا بندوبست کرے۔

دو گھنٹے گزر چکے تھے اور ماں کی ایک جھلک بھی نظر نہیں آئی تھی۔ سوفی نیچے اتری۔ لیکن

Marfat.com

اپنی ماں کی نیند میں خلل ڈالنے سے قبل اُس نے سوچا کہ پہلے پالتو جانوروں اور پرندوں وغیرہ کی غذا کا خیال کرلیا جائے۔ کچن میں جا کر اُس نے پہلے Goldfish Bowl کا جائزہ لیا جس میں ایک مچھلی سیاہ رنگ کی تھی اور ایک گلابی، ایک لال اور ایک سفید۔ اُس نے مچھلیوں کی غذا جیسے ہی اندر ڈالی، اُس کے ہونٹوں پر یہ الفاظ مچل اُٹھے۔

''تم قدرت کی حسین ترین مخلوق میں سے ایک ہو۔ تم حسین نظاروں سے لطف اندوز ہوسکتی ہو اور تمہارے جسم میں دوسری نسل پیدا کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ مزید یہ کہ جانوروں کی دنیا سے تمہارا تعلق ہے۔ لہٰذا تم ہر طرف سیر کرسکتی ہو اور دنیا کے تمام سربستہ رازوں سے واقفیت حاصل کرسکتی ہو۔ مچھلی ہونے کے باوجود تم پھیپھڑوں کے ذریعہ سانس لے سکتی ہو اور پانی میں ایک نئی زندگی، نئی جان ڈال سکتی ہو۔''

اس طرف سے مطمئن ہو کر اُس نے دوسرے پرندوں پر بھی توجہ دی اور پھر غسل خانے کی طرف چل پڑی جہاں خاکی رنگ کا کچھوا ایک صندوق میں قید تھا۔ اُس کی ماں جب بھی یہاں غسل کرتی تو شور مچا مچا کر زمین آسمان ایک کردیتی اور کہتی کہ کسی دن میں اس کچھوے کو ختم کر کے ہی دم لوں گی۔ مگر اب تک یہ صرف ایک خالی خولی دھمکی ثابت ہوئی تھی۔ سوفی نے لمبا سا لکڑی کا چمچہ جام کے برتن میں ڈالا اور اُسے صندوق میں رکھ دیا۔

''میرے پیارے گووندا!'' وہ بڑے پیار سے کہنے لگی۔ ''صرف تم ہی کاہل اور سست جانور نہیں ہو۔ بلکہ تمہیں دنیا میں جینے کا فن اچھی طرح آتا ہے۔ صحیح اصول کے مطابق اپنی حد اور اپنی رفتار کے اندر ہی رہنا بہتر ہے۔''

شریکان اپنی فطرت کے مطابق چوہوں کے تعاقب میں تھی۔ سوفی نے نشست گاہ عبور کیا اور اپنی ماں کی خواب گاہ میں داخل ہوگئی۔ کافی کی میز پر چندلال بیگ چہل قدمی کررہے تھے۔ سوفی نے اُن پر بھی ایک نظر ڈالی اور بولی۔ ''تم بھی قدرت کی مخلوق ہو۔ مگر تمہاری بدقسمتی یہ ہے کہ کوئی بھی تمہیں پسند نہیں کرتا ہے۔''

اُس کی ماں گہری نیند میں تھی۔ سوفی نے اُس کی پیشانی پر اپنا ہاتھ رکھا۔ ''تم بے حد خوش قسمت ہو کیونکہ تم افضل ترین مخلوق ہو۔ تم ایک انسان ہو لہٰذا تمہارے اندر سوچنے سمجھنے اور عمل کرنے کی صلاحیتیں موجود ہیں۔''

Marfat.com

''یہ تم کس سے باتیں کر رہی ہو؟'' سوفی کی ماں اُٹھ بیٹھی۔

''آج آپ مجھے بالکل ست کچھوے کی طرح لگ رہی ہیں۔ میں آپ کو یہ بتانا چاہتی تھی کہ میں نے اپنے کمرے کو بالکل ٹھیک ٹھاک کرلیا ہے، بالکل عین عظیم فلاسفر کے خیالات کے مطابق۔''

ماں نے بلا سوچے سمجھے سر ہلا دیا۔ ''میں ابھی جا کر دیکھتی ہوں۔ جب تک تم ذرا کافی تیار کرلو۔''

سوفی نے کافی بنائی اور دونوں جوس اور چاکلیٹ سے شغل کرنے لگیں۔ اچانک سوفی کے ذہن میں نہ جانے کیا خیال کلبلایا۔ وہ بولی۔ ''ماں! کیا کبھی آپ نے یہ سوچا ہے کہ ہم لوگ زندہ کیوں ہیں؟''

''چلو، اب پوچھ لیتی ہوں۔''

''ہاں آپ کو ضرور پوچھنا چاہیئے، کیونکہ اب میں اس بارے میں کافی معلومات رکھتی ہوں۔ لوگ اس لیے سیاروں پر رہتے ہیں کہ ہر چیز کے بارے میں معلومات حاصل کریں اور اُن کو مختلف قسم کے نام سے پہچانیں۔''

''کیا تمہاری یہ منطق صحیح ہے؟ میں نے تو ایسا کبھی نہیں سنا۔''

''تب آپ کے ساتھ یقیناً کوئی مسئلہ ہے۔ انسان غور و فکر کرنے والا ایک جانور ہے۔ اگر آپ کے دماغ میں بھوسہ بھرا ہوا ہے تو آپ انسان کہلائے جانے کے لائق نہیں ہیں۔'' سوفی نے ماں کو استہزائیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''سوفی! تمیز سے بات کرو۔'' ماں چلائی۔

''ذرا غور کریں! اگر دنیا میں صرف سبزیاں اور جانور پائے جاتے تو آپ کو یہ سب عقل کی باتیں کون بتاتا اور کون سمجھاتا کہ بلی کیا ہے اور کتا کون سا جانور ہے۔ ہیرے اور پتھر میں کیا فرق ہے۔ اگرچہ جانور اور پھل پھول اور سبزیاں بھی اسی دنیا کی پیداوار ہیں مگر یہ صرف ہماری خصوصیت ہے کہ ہم ان سب کے درمیان فرق کو سمجھ سکتے ہیں اور ان کو ایک خاص ترتیب دے سکتے ہیں۔''

''میں نے تم جیسی پاگل اور خردماغ لڑکی نہیں دیکھی۔'' ماں نے زچ ہو کر کہا۔

Marfat.com

''مجھے آپ سے یہی امید تھی۔'' سوفی نے چہک کر کہا۔ ''اپنی اپنی جگہ سب عقل مند ہیں بھی ہیں اور احمق بھی۔ میں بھی اُن ہی میں سے ایک ہوں۔ آپ کی صرف ایک ہی بیٹی ہے۔ تو فرض کرلیں کہ ساری دنیا کی عقل اس ایک لڑکی کے پاس ہے۔''

''میں تمہاری ان فضول بکواس کے بھرے میں آنے والی نہیں۔''

''تب مجھے آپ پر رحم آتا ہے۔''

شام کے وقت سوفی دوبارہ اپنے غار میں چلی گئی۔ وہ چاہتی تھی کہ وہاں سے بسکٹوں کا بڑا ڈبہ اُٹھا کر اپنے کمرے میں لے آئے اور ماں کو پتہ بھی نہ لگے۔ اُس نے ایک بار پھر کاغذات کو ترتیب دیا اور اُن سب کو الگ الگ فائلوں میں رکھا۔ یہ تقریباً پچاس صفحات تھے اور اُن کی روشنی میں وہ اپنی ایک کتاب، فلسفے پر مبنی، لکھ سکتی تھی۔ یہ کتاب بے شک اُس کی اپنی نہ ہوتی لیکن یہ سب کچھ اُسی کے لئے لکھا گیا تھا۔

اگلے پیر تک کا ہوم ورک مکمل کرنے کے لئے اُس کے پاس وقت نہیں تھا۔ مذہبی معلومات پر مشتمل ایک امتحان ہونے والا تھا اور ٹیچر کی تاکید تھی کہ اُس امتحان میں کوئی رعایت نہیں دی جائے گی لہٰذا ہر چیز خوب اچھی طرح پڑھ کر آنا ہے۔ سوفی نے محسوس کیا کہ وہ اس امتحان پر پوری نہیں اتر سکتی۔

اگرچہ فلسفے کے استاد نے تمام اسباق اُس کو براہ راست اُس کے پرانے پناہ گاہ میں بھجوانے شروع کردیئے تھے، لہٰذا سوفی کو میل بکس دیکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ پھر بھی اپنی عادت کے مطابق پیر کی صبح وہ میل بکس پر ایک نظر ڈالے بغیر نہ رہ سکی کہ شاید کوئی لفافہ آ گیا ہے۔ اُسے خالی دیکھ کر سوفی کو کوئی حیرت نہ ہوئی۔

اچانک اُس کی نگاہ ایک تصویر پر پڑ گئی جو سڑک کے ایک کنارے پڑی ہوئی تھی۔ تصویر میں ایک جیپ اور ایک نیلے رنگ کا جھنڈا نظر آ رہا تھا جس پر UN کے الفاظ تحریر تھے۔ کیا یہ اقوام متحدہ کا جھنڈا ہے؟

سوفی نے جھٹ تصویر کو اُٹھا لیا۔ یہ ایک عام پوسٹ کارڈ تھا، جس پر یہ پتہ لکھا ہوا تھا۔ ''ہلڈی مولر کانگ کے لئے، معرفت سوفی آمنڈسین'' اس پر ناروے کی ٹکٹ لگی ہوئی تھی اور یہ تاریخ درج تھی۔ ''یواین بٹالین۔ جمعہ پندرہ جون 1990۔''

Marfat.com

جون 15، یہ سوفی کی سالگرہ کی تاریخ تھی۔ مگر کارڈ کی تحریر اس طرح تھی۔

''ڈیر ہلڈی! آج تمہاری پندرہویں سالگرہ ہے۔ میں تمہیں بہت بہت مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ یقیناً تم سمجھ گئی ہوگی کہ میں نے یہ کارڈ سوفی کی معرفت کیوں بھیجا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ وہ ضرور بالضرور یہ کارڈ تمہیں پہنچا دے گی۔ وہ پہلے بھی یہ کام سرانجام دیتی رہی ہے۔

مزید وضاحت

تمہاری ماں نے بتایا کہ تم نے اپنا پرس گم کر دیا ہے۔ میں تمہارے غم کا ازالہ کرنے کے لئے ایک سو پچاس کراؤن بھیج رہا ہوں۔ تم اسکول سے دوسرا شناختی کارڈ ضرور حاصل کر لینا۔ اپنے پاپا کا پیار قبول کرو۔

سوفی کے قدم زمین پر جم کر رہ گئے۔ اُسے یاد آیا کہ پہلے جب اُس نے ہلڈی کے نام کا کارڈ وصول کیا تھا تو وہ بھی جون کا مہینہ تھا۔ لیکن اُس وقت اُس نے اِس بات پر کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ اُس نے اپنی گھڑی پر نظر ڈالی اور پھر گھر کی طرف دوڑ پڑی۔ آج وہ اسکول جانے میں تاخیر کر چکی تھی۔ وہ پھرتی کے ساتھ اپنے کمرے میں داخل ہوگئی۔ پہلے والا کارڈ ریشمی رومال کے پاس ہی رکھا ہوا تھا اور اُس پر بھی پندرہ جون کی تاریخ درج تھی۔ یہ سوفی کی سالگرہ کی تاریخ تھی۔

نہ معلوم کیا سوچ کر وہ جوانا سے ملنے کے لئے سپر مارکیٹ کی جانب چل پڑی۔ ہلڈی کون تھی؟ اُس کے باپ کو یہ یقین کیوں تھا کہ سوفی اُسے اچھی طرح جانتی ہے؟ پھر بھی یہ بات عقل سے خارج تھی کہ وہ کارڈ سوفی کو بھیجنے کے بجائے براہ راست اپنی بیٹی کو کیوں نہیں بھیجتا؟ شاید اُسے اپنی بیٹی کا پتہ معلوم نہیں ہے۔ یا پھر یہ ایک بیہودہ مذاق تھا؟ کیا وہ سالگرہ کے دن اپنی بیٹی کو کسی انجان شخص کے ذریعہ کارڈ بھیج کر حیرت زدہ کر دینا چاہتا تھا؟ یا پھر وہ اپنی بیٹی کو ایک نئی سہیلی یعنی سوفی کا تحفہ پیش کرنا چاہتا تھا؟ کیا یہ تحفہ اتنا ہی قیمتی تھا جو زندگی بھر کے لئے اس کی محرومیوں کو دور کر دیتا؟

اگر وہ جوکر واقعی احمق تھا تو اُسے سوفی کا پتہ کہاں سے ملا؟ مزید یہ کہ سوفی اور ہلڈی میں ایک دو باتیں مشترک تھیں۔ اگر ہلڈی کی سالگرہ پندرہ جون کو تھی تو گویا دونوں ایک ہی دن پیدا

Marfat.com

ہوئی تھیں۔اور دونوں کے باپ اُن سے بہت دور تھے۔

سوفی ایک انجانی دنیا میں کھو کر رہ گئی تھی۔اگر قسمت پر اعتقاد ہوتا تو وہ اسے منظور کر لیتی۔ مگر اتنی پیچیدگی؟ وہ الجھ کر رہ گئی۔مگر البرٹو ناکس کو ہلڈی کا پرس کہاں سے ملا جب کہ ہلڈی فل سینڈنام کی ایک جگہ پر رہ رہی تھی اور فل سینڈ وہاں سے کئی سو میل کی دوری پر تھا۔اور پھر سوفی کو وہ پوسٹ کارڈ راستے میں کیوں پڑا ہوا ملا؟ کیا یہ پوسٹ مین کے تھیلے میں سے گر پڑا تھا جب وہ اسے سوفی کے میل بکس میں ڈالنے جا رہا تھا؟ اگر ایسا تھا تو بھی صرف یہی کارڈ کیوں گر پڑا تھا، کوئی اور لفافہ یا کاغذ بھی گر سکتا تھا؟

''میں نہ جانے کب سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں اور تم اب آ رہی ہو؟'' جوانا اُسے دیکھ کر برس پڑی۔

''سوری'' سوفی نے آہستہ سے کہا۔

صرف سوری سے کام نہیں چلے گا۔پوری بات بتاؤ۔'' جوانا نے سخت لہجے میں کہا۔

''یہ معاملہ اقوام متحدہ سے تعلق رکھتا ہے۔'' سوفی نے کہا۔

''مجھے لبنان کے فوجیوں نے یرغمال بنا لیا تھا۔''

''تمہارا دماغ خراب ہے۔یقیناً تم کسی کی محبت میں گرفتار ہو گئی ہو؟'' سوفی نے جواب میں کچھ نہ کہا اور پھر دونوں تیزی سے اسکول کی جانب روانہ ہو گئیں۔وہ مذہبی امتحان کا پرچہ سوفی کا انتظار کر رہا تھا۔اُس نے پڑھنا شروع کیا۔

زندگی اور قوت برداشت کا فلسفہ

1- ایسی باتوں کو ایک فہرست مرتب کرو جو ہم جانتے ہیں، اور پھر دوسری فہرست اُن چیزوں کی بناؤ جن پر اعتقاد رکھتے ہیں۔

2- ایک انسانی زندگی کا فلسفہ کن اجزا پر مشتمل ہے۔

3- ضمیر کیا چیز ہے؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ سب کا ضمیر ایک ہی جیسا ہوتا ہے؟

4- اقدار کی قدر و قیمت سے کیا مراد ہے؟

جواب لکھنے سے قبل سوفی کافی دیر سوچتی رہی۔البرٹو ناکس نے جو کچھ اُسے سکھایا ہے، کیا

Marfat.com

وہ اُس میں سے کوئی بات یہاں استعمال کرسکتی ہے؟ اُس نے اپنی مذہبی معلومات کی کتاب کا مطالعہ نہیں کیا تھا لہٰذا جواب دینے کے لئے کوئی دوسرا طریقہ استعمال کرنا لازمی تھا۔ مگر البرٹو کی باتیں یاد کرتے ہی اُس کا قلم خود بخود چل پڑا اور اُسے کوئی زحمت نہیں کرنی پڑی۔

ہمیں معلوم ہے کہ چاند کوئی سبز مخمل نہیں ہے۔ اُس کے اندر بے شمار ٹیڑھے میڑھے راستے ہیں جن پر چلتے ہوئے انسان کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔ سقراط اور حضرت عیسیٰؑ کو ایسے ہی مشکل مراحل کا سامنا کرنا پڑا اور پھر موت اُن کا مقدر بن گئی۔ اگرچہ ہر ذی روح کو ایک نہ ایک دن موت سے ہمکنار ہونا پڑتا ہے۔ مگر عظیم افراد کی یادگاریں بھی بنائی جاتی ہیں اور ان کا نام تاریخ میں ہمیشہ کے لئے روشن ہو جاتا ہے۔ ایتھنز کا قلعہ پانچویں صدی قبل مسیح میں تعمیر کیا گیا تھا جب کہ ایرانی جنگیں عروج پر تھیں اور سب سے بڑا معجزہ یونان کا ڈیلفی کا مجسمہ تھا۔ مثال کے طور پر ہم جن باتوں پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ سوفی نے اس سوال کے جواب میں لکھا کہ کیا دوسرے سیاروں پر بھی زندگی ہے؟ کیا خدا کا وجود ہے؟ کیا موت کے بعد بھی زندگی ہے؟ اور کیا حضرت عیسیٰؑ واقعی خدا کے بیٹے تھے یا صرف ایک برگزیدہ ولی؟'' ہمیں کوئی اندازہ نہیں ہے کہ دنیا کیسے وجود میں آئی؟'' اُس نے اپنی فہرست کس طرح بنائی۔'' اس دنیا کو اس طرح ہم فرض کرسکتے ہیں گویا ایک جادوگر نے ایک بڑے ہیٹ میں سے ایک خرگوش برآمد کرلیا ہے۔ فلسفی حضرات پہلے تو اُس کے خوبصورت سفید بالوں پر پیارے ہاتھ پھیرتے ہیں اور پھر اُس ''عظیم جادوگر'' کی آنکھوں میں جھانکنے لگتے ہیں۔ کیا وہ اپنے سوالوں کو واضح جواب حاصل کرپائیں گے۔ لیکن اگر یہ فلسفی ایک دوسرے کی پیٹھ پر چڑھتے چلے جائیں گے تو شاید ایک دن اس راز کی حقیقت کو پانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

ضروری وضاحت

بائبل میں خرگوش کے خوبصورت بالوں کا ذکر ایک کوٹ کے طور پر آیا ہے۔ اُن بالوں کو جمع کرکے Tower of Babel بنایا گیا اور پھر ''جادوگر'' نے اُسے اس لئے تباہ کردیا کہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اُس کے بنائے ہوئے خوبصورت خرگوش پر انسانی کیڑے ہر دم رینگتے رہیں۔''

دوسرا سوال تھا۔ ''ایک انسانی زندگی کا فلسفہ کن اجزا پر مشتمل ہے۔'' نشوونما اور آب وہوا

Marfat.com

دو بنیادی چیزیں ہیں۔ افلاطون کے دور کے لوازمات کچھ اور تھے جبکہ آج کے دور میں کئی باتیں کسی اور ماحول کا تقاضا کرتی ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ لوگ ہر بات کا بذات خود تجزیہ کرنا چاہتے ہیں۔ عام فہم وفراست کا ماحول سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یہ سب لوگوں میں موجود ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی آب وہوا اور سماج کا جائزہ افلاطون کے غار میں سے نکالنے کی کوشش کرے۔ ذاتی ذہانت کو استعمال کر کے کوئی شخص اس اندھیرے سے ضرور نکل سکتا ہے مگر انسانی ہمت اور طاقت جس بات کا تقاضا کرتی ہے۔ اُس کے لئے ایک لمبا سفر طے کرنا ہوگا۔ سقراط اس عزم وہمت کی ایک عظیم مثال ہے جس نے اپنی ذہانت کا بھرپور استعمال کیا۔ آج کل کے زمانے میں، مختلف علاقوں اور تہذیب وتمدن سے تعلق رکھنے والے لوگ آپس میں کافی گھل مل کر رہنے لگے ہیں۔ عیسائی، مسلمان اور بدھ مذہب والے اُسی عمارت میں رہتے ہیں جہاں کوئی ایک دوسرے سے مذہب کے بارے میں کوئی سوال نہیں کرتا۔"

بہت خوب۔ سوفی نے تسلیم کیا۔ کافی تسلی بخش جواب ہے۔ اُس نے فلسفے کے استاد کی باتوں کا خوب فائدہ اُٹھایا ہے اور اپنی صلاحیتوں اور ذہانت کا فائدہ اُٹھا کر وہ ہر جگہ کامیاب ہوسکتی ہے۔ اب اُس نے تیسرے سوال پر غور کرنا شروع کر دیا۔ "ضمیر کیا چیز ہے؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ سب کا ضمیر ایک جیسا ہی ہوتا ہے؟" اس مسئلے پر کلاس میں کافی بات چیت ہو چکی تھی۔ سوفی نے لکھنا شروع کیا۔ "ضمیر لوگوں کی اُس صلاحیت کا اظہار کرتا ہے کہ اُن کے اندر صحیح اور غلط کو سمجھنے کی کتنی طاقت اور علم ہے۔ میرا ذاتی خیال ہے کہ ہر شخص کے اندر یہ خصوصیت پوشیدہ ہے، دوسرے لفظوں میں یہ قدرتی تحفہ ہے۔ سقراط کا بھی یہی قول ہے۔ مگر دوسرے لفظوں میں ضمیر ہمیں کیا سکھاتا ہے اور وہ دوسرے لوگوں سے مختلف کیوں ہے۔ یہاں بے دین افراد کا نقطہ نظر سننے سے تعلق رکھتا ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ کیا غلط ہے اور کیا صحیح، یہ ہر ایک کے دماغ کی اپنی پیداوار ہے اور اُس کے ماحول کے مطابق۔ یقیناً ان دونوں نظریات کو درست مانا جانا چاہئے۔

ضروری وضاحت

عام سوچ اور خیال اور ضمیر دونوں ہم آہنگ ہوسکتے ہیں۔ اگر تم ذہن پر توجہ نہیں دو گے تو تمہاری یادداشت متاثر ہوسکتی ہے۔

Marfat.com

اب صرف ایک سوال باقی رہ گیا تھا۔ ''اقدار کی قدر و قیمت سے کیا مراد ہے؟''

اس مسئلے پر بھی اکثر بات چیت ہوتی رہتی تھی۔ مثال کے طور پر ایک قیمتی کار ایک جگہ سے دوسری جگہ کتنی دیر میں یہ فاصلہ طے کرے گی۔ لیکن اگر ڈرائیونگ کی وجہ سے ماحول میں آلودگی پیدا ہو رہی ہے اور آپ پریشانی محسوس کر رہے ہوں تو پھر آپ کو خود ہی کچھ سوچنا پڑے گا کہ یہ بات فائدہ مند ہے یا نہیں۔ کافی غور و خوص کے بعد سوفی نے محسوس کیا کہ جنگلات کا وجود بے حد ضروری ہے کیونکہ یہ جنگلات تازہ ہوا فراہم کرتے ہیں جس کی وجہ سے ماحول خوشگوار ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں اُس نے بھی چند مثالیں پیش کیں اور اپنے جواب کو ختم کرتے ہوئے لکھا۔

''ذاتی طور پر میں فلسفے کو انگریزی گرامر پر ترجیح دیتی ہوں۔ فلسفے کی اہمیت اس لئے زیادہ ہے کہ وہ ایک ہی وقت میں بہت سے انگریزی اسباق کا احاطہ کرتی ہے۔''

آخری وقفے کے بعد ٹیچر نے سوفی کو ایک طرف کھڑا کر دیا اور کہا۔ ''میں نے تمہارے جوابات کو بغور دیکھا۔ یہ جوابات بڑے اچھے پیرائے میں تحریر کیے گئے ہیں۔''

''تو پھر آپ کی سوچ میں یقیناً گہرائی اور گیرائی پیدا ہو گئی ہو گی۔'' سوفی نے ٹیچر کے چہرے پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

''میں اسی مسئلے پر تمہارے ساتھ کچھ گفت و شنید کرنا چاہ رہا تھا۔ یہ باتیں بڑی ہی عالمانہ انداز کی ہیں۔ مگر اس کے باوجود یہ بتاؤ کہ کیا تم نے ہوم ورک مکمل کیا ہے؟''

سوفی شرمندہ سی ہو کر رہ گئی۔

''تم نے ذاتی نظریات پیش کیے ہیں۔'' ٹیچر نے اُسے جھنجھوڑا۔

''آپ ٹھیک کہتے ہیں، مگر یہ تمام باتیں حدود کے اندر ہیں۔'' سوفی نے ٹیچر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔ ''آج کل میں فلسفے کے موضوع پر خاص توجہ دے رہی ہوں۔ یہ بے حد اہم موضوع ہے اور خیالات میں وسعت پیدا کرتا ہے۔''

''تمہارے ان فلسفیانہ جذبات اور جوابات نے میرے اوپر کوئی خاص تاثر نہیں چھوڑا ہے۔ میرے خیال میں تمہیں D گریڈ کا حق دار کہا جا سکتا ہے۔ مگر دوسری طرف A گریڈ میں بھی شمار کر سکتے ہیں اگر عملی نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے۔'' ٹیچر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''گویا اس کا مطلب ہے کہ میں اپنی جگہ پر سوفی صد درست ہوں یا پھر غلط۔ کیا آپ یہی

Marfat.com

کہنا چاہ رہے ہیں؟'' سوفی نے استفسار کیا۔

''ہاں، مگر چلو آج میں A کا درجہ دے دیتا ہوں، لیکن آئندہ تمہیں اپنے اسکول کے سبق پر بھی توجہ دینی ہوگی۔'' ٹیچر نے آخری فیصلہ سنایا۔

سوفی نے گھر پہنچتے ہی اپنا بیگ سیڑھیوں پر پھینکا اور غار کی طرف دوڑ پڑی۔ ایک خاکی لفافہ وہاں پہلے ہی رکھا ہوا تھا۔ یقیناً ہرمز اُسے وہاں ڈال گیا تھا۔ اُس نے لفافہ اُٹھایا اور اپنے کمرے کی طرف چل پڑی۔ بستر پر لیٹ کر اُس نے لفافہ کھولا اور پڑھنے لگی۔

Marfat.com

یونانی تہذیب
HELLENISM

سوفی! ہم دونوں آج کافی دنوں بعد مل رہے ہیں۔ اِس دوران تم نے فطری فلسفہ دانوں کے بارے میں اچھی خاصی معلومات حاصل کر لی ہوں گی اور سقراط، افلاطون اور ارسطو کے نظریات پر عبور حاصل کر لیا ہوگا۔ چنانچہ اس طرح تم یورپی فلسفہ کے بنیادی باتیں جان چکی ہوگی۔ لہٰذا اب ہم وہ موضوع ایک طرف رکھتے ہیں۔ مجھے اندازہ ہے کہ تمہارے پاس اور بھی بہت سے اہم کام ہیں۔ خاص طور پر اسکول کی پڑھائی اور امتحانات۔

اب میں تمہیں ارسطو کے آخری ایام جو چوتھی صدی قبل مسیح سے متعلق ہیں، اُٹھا کر یکدم چار سو سال بعد مسیح کے زمانے میں لے چلتا ہوں۔ یہ خیال رہے کہ اصل بات عیسائیت کے موضوع پر ہے اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ زمانہ حضرت عیسیٰؑ کی وفات سے قبل کا زمانہ ہے یا بعد کا۔

ارسطو تین سو بائیس 322 قبل مسیح میں گزر گیا۔ ایتھنز کا سنہری دور بھی ختم ہو چکا تھا۔ لیکن اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ اب سکندر اعظم نے امور سلطنت سنبھال لیے تھے اور اب وہ یونان کا مالک و مختار تھا۔

سکندر اعظم (323 سے 356 قبل مسیح) ریاست مقدونیہ کا بادشاہ تھا۔ ارسطو کا تعلق بھی مقدونیہ سے ہی تھا اور ایک وقت ایسا بھی آیا جب وہ نوخیز و نوعمر سکندر کا استاد تھا۔ سکندر وہ عظیم بادشاہ تھا جس نے ایرانیوں کو شکست فاش دی۔ اور سوفی! اُس نے مصر اور مشرق وسطیٰ کے علاوہ ہندوستان اور یونانی تہذیب و تمدن کو یکجا کر دیا۔

اس صورت حال نے انسانی تاریخ میں ایک نیا جنم لیا۔ ایک ایسی تہذیب رواج پانے لگی

Marfat.com

جس میں یونانی زبان نے بنیادی کردار ادا کیا۔ یہ دور جو تین سو سال پر محیط ہے۔ Hellenism یونانی تہذیب کہلاتا ہے۔ Hellenism کی اصطلاح اُن تمام علاقوں کی نشان دہی کرتا ہے جہاں یونانی تہذیب وتمدن نے اپنا اثر قائم کردیا تھا۔ یہ ریاستیں مقدونیہ، شام اور مصر تک پھیلی ہوئی تھیں۔

بہر حال، پچاس قبل مسیح کا دور جب آیا تو اُس وقت تک روم فوجی اور سیاسی طور پر کافی طاقت پکڑ چکا تھا۔ اور اب یونانی تہذیب کے بیشتر علاقے اُس کے قبضے میں تھے۔ اب رومن تہذیب وتمدن اور لاطینی زبان کا دور دورہ تھا، ہسپانیہ سے لے کر مغرب کی طرف اور ایشیا تک۔ یہ رومن دور کا آغاز تھا جو کہ باقیات سلف کے طور پر مشہور ہے۔ مگر ایک بات ذہن نشیں کرلو۔ یونانی علاقے کو فتح کرنے سے قبل رومیوں نے اس بات پر بھی خصوصی توجہ دی کہ روم پر پہلے ہی یونانی تہذیب کا راج قائم تھا اور اسے مزید مضبوط مستحکم کرنا اُن کا فرض اولین تھا۔ چنانچہ یونانی تہذیب وتمدن اور فلسفے نے سیاسی اثر ورسوخ پیدا کرنے میں ایک اہم کردار ادا کیا۔

مذہب، فلسفہ اور سائنس

یونانی زبان اور تہذیب کی بنیاد اس اُساس پر قائم ہے کہ دنیا کی بیشتر تہذیبوں اور سرحدوں کے درمیان سے فاصلوں کو ختم کردیا جائے۔ قدیم دور میں یونانی، رومن، مصری، شامی اور ایرانی اپنے اپنے علیحدہ خداؤں کی پرستش کیا کرتے تھے اور جس کو وہ قومی مذہب سے تعبیر کرتے تھے۔ اب یہ تمام اختلافات ختم کردیئے گئے ہیں اور صرف مذہبی، سیاسی اور فلسفیانہ خیالات پر مبنی ایک ہی مذہب کو مرکزی حیثیت دے دی گئی ہے۔

اب یہ کہا جاسکتا ہے کہ مختلف چھوٹے چھوٹے شہروں اور علاقوں پر مشتمل ایک بڑی ریاست کو وجود میں لایا گیا ہے۔ ہم نے پہلے بھی ذکر کیا ہے کہ یونانی فلسفۂ حیات اب ساری دنیا میں پھیل رہا تھا۔ لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا چلا گیا، عالمی خداؤں کی پرستش بحیرۂ روم سے دور کے ممالک میں بڑھتی چلی گئی۔ اس کو مختلف مذاہب کی آمیزش کہا جاتا ہے۔

جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا ہے۔ یونانی تہذیب کا فلسفہ اُن معاملات کو حل کرنے کی

Marfat.com

کوشش کرتا ہے جو سقراط، افلاطون اور ارسطو ہمارے لیے چھوڑ گئے ہیں۔ اُن تینوں کا بنیادی نقطۂ نظر یہ تھا کہ انسان کی ترقی اور فلاح و بہبود کے لیے کون کون سے کارنامے انجام دیئے جائیں اور اُس کی زندگی اور موت کے راز دریافت کیے جائیں۔ ان تمام باتوں کا تعلق اخلاقیات سے تھا۔ نئی تہذیب میں یہ سب کچھ فلسفیانہ انداز میں تبدیل ہو گیا۔ اب اصل محور یہ تھا کہ خوشیاں اور دلچسپیاں کیسے حاصل کی جائیں۔ ان فلسفیانہ خیالات کے چار مختلف طریقہ کار دریافت کیے گئے اور اب ہم ان کی طرف چلتے ہیں۔

CYNICS تارکِ لذات

ایک روز سقراط برتنوں کی ایک دکان پر کھڑا بغور انہیں دیکھ رہا تھا۔ بے ساختہ اُس کی زبان سے نکلا۔ ''دنیا میں ایسی کتنی ہی بے کار چیزیں بھی پڑی ہیں جن کی کم از کم مجھے تو کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' یہ بات وہی لوگ کہہ سکتے ہیں جو دنیا سے بے گانہ ہوں اور انہیں کسی بات سے دلچسپی نہ ہو۔ یہ فلسفہ ایتھنز کے بے حد قدیم گوشہ نشین عالموں نے بنایا تھا۔

کفایت شعاری کا یہ فلسفہ عام کرنے والے فلسفی کا نام اینٹی شینز Antishenes تھا جو سقراط کا ایک شاگرد تھا۔ بعد میں یہ فلسفہ تارک الدنیا لوگوں میں مقبول ہو گیا۔ ان لوگوں کا کہنا تھا کہ اصلی خوشی مال دولت، عیاشی، سیاسی اقتدار اور شاندار صحت میں نہیں۔ اصلی اور سچی خوشی کا مطلب ہے کہ انسان ہر قسم کے لالچ اور لوازمات سے پاک ہو جائے۔ جب انسان کو کسی قسم کی کوئی لالچ نہیں ہوگی تو اُس کا ذہن بھی صاف رہے گا اور وہ تمام لذتوں سے بے گانہ ہو کر عبادات پر پوری توجہ دے سکے گا۔

اینٹی شینز کے شاگرد کا ایک قصہ بے حد مشہور ہے۔ وہ ایک مختصر سے غار میں رہتا تھا اور اُس کی ملکیت میں ایک گھڑی اور ایک چھڑی تھی۔ اس کے علاوہ روٹی کے چند ٹکڑے وہ اُدھر اُدھر سے جمع کر کے رکھ لیتا تھا۔ ایک دن وہ غار سے باہر نکل کر سورج کی روشنی کا نظارہ کر رہا تھا کہ وہاں سے سکندر اعظم کا گزر ہوا۔ بادشاہ اُس کے بالکل سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور پوچھا کہ اگر تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتاؤ، میں تمہیں وہ چیز ابھی مہیا کر دوں گا۔ ڈایوجینز Diogenes نے کہا۔ ''ذرا ایک طرف ہو کر کھڑے ہو جاؤ۔ تم نے سورج کی کرنوں کا راستہ

Marfat.com

روک دیا ہے۔"

THE STOICS ۔زینونامی فلسفی کے پیروکار

یہ فلسفہ تین سوصدی قبل مسیح میں رائج ہوا، جس کا بانی زینو Zeno نام کا ایک فلسفی تھا۔ وہ قبرص میں پیدا ہوا اور تارک الدنیا کے فلسفے سے متاثر ہو کر اُن ہی لوگوں میں شامل ہو گیا۔ اُس نے اپنا ایک الگ گروپ بنالیا اور اپنے شاگردوں کو ایک جگہ پر جمع کرنا شروع کر دیا۔ زینو کے فلسفے نے بعد میں رومن تہذیب وتمدن پر کافی گہرا اثر ڈالا۔

ان لوگوں کا فلسفہ یہ تھا کہ ہر چیز قدرتی طور پر اپنا فرض انجام دے رہی ہے۔ یہاں تک کہ بیماری اور موت بھی اسی اُصول پر کاربند ہے۔ انسان کو چاہئے کہ اس حقیقت کو تسلیم کر لے۔ کوئی کام بالکل اچانک سرانجام نہیں پاتا، ہر چیز اپنے وقت کے مطابق انسانی زندگی میں پیش آتی ہے اور جب کوئی برا یا اچھا وقت آ جائے تو اسے تقدیر کا لکھا سمجھ کر قبول کر لینا چاہئے۔

THE EPICUREANS ۔خوش خوراک اور لذت پرست

جیسا کہ ہم نے مطالعہ کیا ہے سقراط انسانی زندگی کی بہتری اور بھلائی کی کوشش میں مصروف رہا کرتا تھا۔ لیکن اس کے برخلاف تارک الذات اور زینو کے پرستار اس فلسفے پر کاربند تھے کہ انسان کو دنیا کی ضرورتوں اور آلائشوں سے پاک رہنا چاہئے۔ سقراط کا ایک شاگرد آرسیٹپس (Aristippus) نامی بھی تھا۔ اُس کا کہنا تھا کہ جس قدر بھی ممکن ہو، انسان کو لذتوں اور خوشیوں کے حصول میں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے۔ یہی زندگی کی اصل معراج ہے۔ وہ کہا کرتا "مصیبت اور تکلیف اُٹھانا اور برداشت کرنا انسانیت کی تذلیل ہے۔ چنانچہ اُس نے اُن راستوں کا انتخاب کیا اور اپنے ماننے والوں کو تلقین کی کہ عیش کوشی اور لذت پرستی کی زندگی اپنانی چاہئے اور اس کی راہ میں جو بھی رکاوٹ آئے، اُسے جڑ سے اُکھاڑ پھینکے۔ (تارک الدنیا اور زینو کے پرستار کہتے تھے کہ بیماری اور مصیبت کو آنے دو اور ان کی خوب پرورش کرو۔)

تین سو سال قبل مسیح میں ایپی کیوریس نے (Epicurus-341-270) ایتھنز میں فلسفے

Marfat.com

کا ایک اسکول قائم کیا۔ اس کے پیروکار اپی کیوریس کہلاتے تھے۔ یہ کہانی دور دور تک پھیل گئی کہ اپی کیوریس افراد نے ایک ایسا باغ بنایا ہے جہاں ہر طرف خوشیاں اور مسرتیں ہی پھیلی ہوئی ہیں اور وہاں کا رہنے والا خوشیوں کے ہنڈولے میں جھول رہا ہے۔ اس باغ کے داخلی دروازے پر ایک تختی آویزاں تھی جس پر لکھا تھا۔ ''اے اجنبی! یہاں تمہیں زندگی کی ہر نعمت میسر آئے گی اور تمہارا بے حد خیال رکھا جائے گا۔ یہاں خوشیاں اور لذتوں کی بہتات ہے۔ جو چاہو گے ملے گا۔''

ان لوگوں نے ایک نقطۂ نظر اور بھی اپنایا تھا جس کی چار بنیادیں تھیں۔ ''خدا سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ موت کی طرف سے بے فکر ہو جاؤ۔ خدا کی رحمت حاصل کرنا بہت آسان ہے۔ ڈر اور خوف کو برداشت کرو۔''

NEOPLATONISM۔ اقربا پروری اور خوش نوازی

اس فرقے میں پلوٹینس نامی فلسفی بے حد مشہور ہوا (205-270 BC) اس نے فلسفے کی تعلیم اسکندریہ میں حاصل کی اور پھر روم میں سکونت پذیر ہو گیا۔ وہ اپنے ساتھ ایک آسمانی نجات کا حل لے کر روم آیا جس نے بعد میں عیسائیت کا زور اچھا خاصا کم کر دیا۔

افلاطون کا فلسفہ یہ تھا کہ یہ دنیا دو ستونوں پر قائم ہے۔ ایک جانب الہامی روشنی کا مینار ہے اور دوسری جانب اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ افلاطون کے خیال کے مطابق اس عمیق گڑھے کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ چونکہ اس طرف روشنی نہیں ہے اس لیے اندھیرے کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ گویا قدرت نے چند باتیں پوشیدہ رکھی ہیں۔ اقربا پرور یعنی نیو پلوٹینزم کی حامی بھی افلاطون کے خیالات سے متفق ہیں۔

MYSTICISM۔ صوفیانہ اور عارفانہ فلسفہ

یہ صوفیانہ تجربہ خدا کے ''بہترین اور اعلیٰ صفات'' پر مشتمل ہے۔ کئی مذاہب نے خدا اور اُس کی مخلوق کے درمیان تعلق کا جائزہ لیا ہے لیکن ایک معجزانہ تجزیہ ایک گرداب یا ناقابل عبور فاصلے سے تعبیر کیا ہے۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ اصل ''میں'' درحقیقت اپنے آپ کو نہیں کہا گیا ہے، بلکہ یہ ''میں'' خدا ہے۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ لفظ آسمان اور قدرت

Marfat.com

کی جانب اشارہ کرتا ہے۔

یورپی فلسفے کے مطابق یہ یہودیت کا ایک جزو ہے جس میں عیسائیت اور اسلام بھی ایک حد تک شامل ہیں۔ اگرچہ خدا فطرت اور انسانی روح میں شامل ہے، مگر پھر بھی وہ دنیاوی معاملات سے ماورا ہے۔ مشرقی صوفیاء اور عارفین کی نگاہوں میں، جن کو بدھ، چینی اور ہندو مذہب کا طرف دار کہا جاتا ہے، یہ ایک خدائی اور روحانی مسئلے کا امتزاج ہے۔

ہندوستان میں کافی عرصے سے یہ جدوجہد چل رہی ہے۔ بلکہ افلاطون کے زمانے سے قبل سے ہے۔ سوامی ویوک ناٹڈو جس نے ہندو مذہب کو مغرب میں پھیلانے کی کوشش کی، کا کہنا تھا کہ دنیا کے بیشتر مذاہب کی طرح جو لوگ کسی خاص خدا کی پرستش نہیں کرتے ہیں: وہ کافی اور بے دین ہیں۔ ہمارا کہنا یہ ہے کہ جن کو اپنے آپ پر اعتماد نہیں ہے، وہ بے دین ہیں۔

سوفی بستر پر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اُس کا پورا جسم ہوا میں اُڑ رہا تھا اور وہ سوچ رہی تھی کہ کیا وہ کوئی وجود رکھتی ہے؟ جیسے جیسے وہ افلاطون اور اُس کے معجزات کے بارے میں پڑھتی چلی گئی۔ حیرت میں مبتلا ہوتی چلی گئی۔ کچھ دیر بعد جب اُس کی حالت اعتدال پر آئی تو اُس نے اپنے حواس مجتمع کیے اور کھڑی ہو کر اپنا ذہنی اور جسمانی توازن درست کرنے لگی اور پھر باغیچہ کی جانب چل پڑی۔

یوسٹ کارڈز کی حقیقت

کافی دنوں سے فلسفے کے استاد نے چپ سادھ رکھی تھی۔ کل جمعرات کا دن ہے اور مئی کی سترہ تاریخ۔ یہ ناروے کا قومی دن ہے۔ اٹھارہ تاریخ کو بھی اسکولوں کی چھٹی ہوگی۔ جوانا نے اچانک ہلہ بول دیا۔ ''کل ہم لوگ کہیں کیمپ لگانے چلتے ہیں۔''

اگرچہ سوفی سوچ رہی تھی کہ اُسے کئی دنوں تک گھر سے باہر نہیں نکلنا چاہئے، مگر بادل ناخواستہ بول اٹھی۔ ''ہاں ہاں، کیوں نہیں۔ ضرور چلیں گے۔''

دو گھنٹے بعد جوانا ساز و سامان لاد کر وہاں آن موجود ہوئی۔ اس دوران سوفی نے بھی تیاری مکمل کر لی تھی۔ خیمے کے علاوہ بستر، چادریں، گرم کپڑے، پانی کی بوتلیں، ٹارچ اور اپنی پسندیدہ غذاؤں کا انبار جمع کر لیا تھا۔

Marfat.com

پانچ بجے شام جب سوفی کی ماں گھر میں داخل ہوئی تو یہ تیاریاں دیکھ کر اُس نے نصیحتوں کا پہاڑ کھڑا کر دیا۔ تم لوگوں کو کیا کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا ہے اور کہاں کہاں جانا ہے، کہاں نہیں جانا ہے، وغیرہ وغیرہ اس کے علاوہ یہ بھی دریافت طلب مرحلہ تھا کہ وہ لوگ کیمپ لگانے کہاں جائیں گی۔ سوفی نے بتایا کہ وہ لوگ ایسی پہاڑی کی طرف جا رہی ہیں جہاں جنگلی مرغیوں کی بہتات ہے۔

اُس طرف جانے کا ارادہ سوفی نے اس وجہ سے بھی کیا تھا کہ وہ میجر کے کیبن کے قریب تھا۔ اُس کے اندر کوئی چیز پکار پکار کر کہہ رہی تھی کہ اُسے اُس کیبن میں جانا چاہئے، مگر اکیلے جانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

دونوں لڑکیوں نے اُس راستے پر قدم رکھ دیا جو سوفی کے باغیچے سے باہر کی طرف جا رہا تھا۔ راستے بھر دونوں ہنسی مذاق میں مگن رہیں اور راستہ آرام سے کٹ گیا۔ صبح کے آٹھ بجے کے قریب انہوں نے پہاڑ کے اوپر ایک صاف اور مسطح جگہ دیکھ کر خیمہ لگا دیا۔ سامان ایک طرف رکھ کر انہوں نے ناشتے کی چیزیں نکالیں اور کھانے کا شغل شروع کر دیا۔

باتوں باتوں میں سرسری طور پر سوفی نے جوانا سے پوچھا۔ ''کیا تم نے کبھی میجر کے کیبن کے بارے میں کوئی سن گن سنی ہے؟''

''میجر کا کیبن؟ یہ کیا چیز ہے؟'' جوانا نے حیرت سے پوچھا۔

''یہاں سے قریب ہی نہر کے کنارے جنگل میں ایک کیبن ہے، جس میں کبھی کوئی اجنبی رہا کرتا تھا۔ لوگ اُسے میجر کے نام سے پکارتے تھے، لہٰذا یہ کیبن بھی میجر کے کیبن کے نام سے مشہور ہو گیا۔'' سوفی نے تشریح کی۔

''کیا وہاں اب بھی کوئی رہتا ہے؟'' جوانا نے سوال کیا۔

''چلو، چل کر دیکھتے ہیں۔'' سوفی نے رہنمائی کی اور دونوں اُس طرف چل پڑیں۔ صنوبر کے اونچے اونچے درختوں سے گزر کر اب وہ چھوٹی چھوٹی جھاڑیوں میں راستہ تلاش کر رہی تھیں۔ بالآخر وہ ایک صاف راستے پر نکل آئیں۔ اور پھر سوفی کو کوئی چیز چمکتی ہوئی نظر آئی۔ یہ جھیل تھی جس کا پانی دور سے چمک رہا تھا۔ جھیل پر پہنچ کر سوفی نے دوسری جانب کیبن پر نظریں گاڑ دیں۔ تمام کھڑکیاں بند تھیں اور در و دیوار پر ایک ویرانی اور اداسی چھائی ہوئی تھی، گویا ایک

Marfat.com

زمانے سے یہ جگہ غیر آباد ہے۔

''کیا تم پانی میں سے گزر کر وہاں جاؤ گی؟ جوانا نے تعجب سے پوچھا۔

''یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ ہم لوگ کشتی میں بیٹھ کر جائیں گے۔ تھوڑا سا آگے چل کر کشتیوں کی ایک قطار موجود ہوگی۔'' سوفی نے بتایا۔

''کیا تم پہلے بھی یہاں آ چکی ہو؟'' جوانا کی آنکھیں پھٹی رہ گئیں۔

سوفی نے اثبات میں سر ہلایا اور پھر سنجیدہ لہجے میں بتانے لگی کہ اُس کا پہلا تجربہ کس قدر خوفناک تھا۔ اور پھر اُس نے البرٹو ناکس کے بارے میں بتایا اور اپنے فلسفے کے کورس کا بھی ذکر کیا۔

جھیل میں دونوں نے خوب اچھل کود کی اور چھیڑ چھاڑ کرتی رہیں اور اس طرح دوسری جانب پہنچ گئیں۔ سوفی نے کشتی کو اچھی طرح ایک طرف باندھ دیا۔ اُس کے بعد دونوں کیبن کی طرف بڑھیں۔ جوانا نے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا اور چلائی۔ ''یہ دروازہ تو مقفل ہے۔''

''ہوسکتا ہے یہیں کہیں آس پاس چابی پڑی ہو۔'' سوفی نے کہا۔ دونوں چابی تلاش کرنے لگیں اور جب نا امید ہونے والی تھیں تو ایک چابی زمین کے اندر دھنسی ہوئی انہیں نظر آ گئی۔ دروازہ کھول کر دونوں نے آہستہ آہستہ اندر قدم رکھا۔ کیبن میں خاصی نمی اور سردی تھی، اس کے علاوہ اندھیرا بھی چھایا ہوا تھا۔ سوفی کو پہلے ہی اس بات کا اندازہ تھا۔ اُس نے ماچس کی ڈبیا تلاش کی اور ایک دیا سلائی جلائی۔ تیلی بجھنے سے قبل وہ صرف اتنا ہی دیکھ پائی کہ وکئی چیز اپنی جگہ پر نہیں تھی۔ اُس نے دوسری تیلی جلائی اور پھر اُسے ایک جگہ موم بتی نظر آ گئی۔ تیسری تیلی سے اُس نے موم بتی جلائی اور تب وہ لوگ اس قابل ہوئیں کہ اچھی طرح کمرے کا جائزہ لے سکیں۔

''آؤ! اب واپس چلتے ہیں۔'' جوانا کچھ خوف محسوس کر رہی تھی۔

''نہیں۔ آؤ! پہلے ذرا اس آئینے کا جائزہ لے لیں۔'' سوفی نے دروازوں والی ایک الماری کی طرف اشارہ کیا جس کے اوپر پیتل کے فریم میں ایک آئینہ لگا ہوا تھا۔

''یہ تو بہت خوبصورت ہے۔'' جوانا کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

Marfat.com

''مگر شاید تمہیں معلوم نہیں ہے کہ یہ آئینہ جادو کا ہے۔'' سوفی نے بتایا۔

''میں مذاق نہیں کر رہی ہوں۔ تم اس کے اندر ذرا جھانک کر دیکھو تو تمہیں دوسری طرف کا منظر بھی صاف نظر آئے گا۔''

''تم یقیناً پہلے بھی یہاں آئی ہو اور یہاں کے بارے میں سب کچھ جانتی ہو۔ اسی لیے قدم قدم پر مجھے خوفزدہ کرنے کی کوشش کر رہی ہو؟'' جوانا نے برا مناتے ہوئے کہا۔

سوفی نے صرف ''سوری'' کہہ کر معاملے کی نزاکت کو زائل کرنے کی کوشش کی۔

اچانک جوانا کی نگاہ زمین میں ایک طرف پڑے ہوئے ایک بکس پر پڑی۔ اُس نے اٹھایا اور بے ساختہ چلا اُٹھی۔ ''اس میں تو پوسٹ کارڈ بھرے ہوئے ہیں۔''

سوفی نے ایک گہری سانس لی۔ ''اُن کو چھونے کی کوشش مت کرو۔ میں کہہ رہی ہوں، انہیں ہاتھ مت لگانا۔'' سوفی نے خوفناک انداز سے کہا۔

جوانا ایک دم اچھل پڑی۔ اُس نے صندوق کو ایک طرف پھینکا۔ تمام پوسٹ کارڈ یکدم بکھر گئے۔ اور پھر اُس کے حلق سے ایک قہقہہ ابل پڑا۔ ''یہ تو محض عام سے پوسٹ کارڈ ہیں۔'' اُس نے ایک طرف بیٹھ کر انہیں اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ سوفی بھی اُس کی مدد کرنے لگی۔ تمام کے تمام پوسٹ کارڈز پر لبنان کی مہر تھی۔

سوفی نے اس بات میں کوئی حرج نہ سمجھا کہ وہ اُسے بتا دے کہ وہ پہلے بھی یہاں آ چکی ہے اور پھر یہاں کے اسرار و رموز سے اُسے آگاہ کرنے لگی۔ ''یہاں آنے سے قبل میں تمہیں کچھ بھی بتانا نہیں چاہ رہی تھی۔ یہ سب کے سب کسی ہلڈی مولر کانگ کے نام ہیں۔''

جوانا نے کارڈ پر لکھے پتہ کو ایک کے بعد ایک پڑھنا شروع کیا۔ ''ہلڈی مولر کانگ'' معرفت البرٹو ناکس، للی سینڈ، ناروے۔''

سوفی نے اطمینان کا سانس لیا۔ اُسے یہ خطرہ تھا کہ پتہ پر معرفت سوفی ایمنڈسین نہ لکھا ہو۔ اور پھر اُس نے تاریخیں دیکھنی شروع کر دیں۔ ''اپریل 28، مئی 4، مئی 9۔ ان سب کارڈز پر چند دن پہلے کی مہریں لگیں ہوئی تھیں۔ بس ایک بات ذرا الجھن میں ڈال رہی تھی۔ اُن کے اوپر نارویجین ٹکٹیں لگی ہوئی تھیں اور یو این بٹالین لکھا ہوا تھا۔''

''اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سب کچھ عام انداز میں ہو رہا ہے۔ یعنی وہاں کے پوسٹ کارڈ

Marfat.com

بغیر مہر کے ہوتے ہیں اور یہاں UN والوں نے اپنی مہر بنائی ہوئی ہے جو کارڈ پر ثبت کر دیتے ہیں۔'' سوفی نے موم بتی کو زمین پر رکھ دیا اور دونوں سہیلیاں مل کر کارڈز کو پڑھنے لگیں۔

عزیزم ہلڈی!

میں جلد از جلد گھر یعنی للّی سینڈ آنا چاہتا ہوں۔ امید ہے کہ موسم بہار میں میں کیجوک ایئر پورٹ پر اتروں گا اور تمہاری پندرہویں سالگرہ کے موقع پر تمہارے پاس موجود رہوں گا۔ لیکن یہ خیال رہے کہ ملٹری کے احکام کا پابند ہوں۔ اس کا ازالہ میں تمہیں قیمتی تحائف بھیجنے کی صورت میں ادا کر رہا ہوں۔

اُس محبت کرنے والے انسان کی طرف سے دعائیں قبول کرو جو ہمیشہ اپنی بیٹی کی بھلائی کا خواہش مند ہے۔

ضروری وضاحت

''اس کارڈ کی ایک نقل میں تمہاری اور اپنی ایک مشترکہ دوست کو بھی بھیج رہا ہوں۔ تم میرا مطلب سمجھ گئی ہوگی۔ میں نے وہ نام پوشیدہ رکھا ہے، مگر تم کو اندازہ ہو گیا ہوگا۔''

سوفی نے دوسرا کارڈ اُٹھایا۔

عزیزم ہلڈی!

امید ہے کہ میں جلد ہی لبنان آ رہا ہوں۔ تمہاری پندرہویں سالگرہ کے لئے بھی میں نے اچھی خاصی تیاری کر لی ہے۔ میرے خطوط پر کافی پابندیاں عائد ہیں لہٰذا فی الحال اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا۔

تم سے پیار کرنے والا، ڈیڈ۔

دونوں سہیلیاں دم بخود ایک دوسرے کو دیکھ رہی تھیں۔ بغیر کوئی بات چیت کیے انہوں نے اگلا کارڈ پڑھنا شروع کیا۔

''مائی ڈیئر چائلڈ!

اپنے خیالات کی ترسیل کے لئے میں نے ایک کبوتر کا انتخاب کیا ہے۔ جنگ سے متاثرہ اس ملک کو امن کی فاختہ کی سخت ضرورت ہے اور یہ چیز یہاں ناپید ہے۔ میری خواہش ہے کہ

Marfat.com

UN جلد از جلد اس عنقا پرندے کا بندوبست کرے۔

ضروری وضاحت

''عین ممکن ہے کہ تمہاری سالگرہ کے تحفے میں کچھ دوسرے لوگ بھی حصہ دار بن جائیں۔ گھر آنے کے بعد ہم لوگ اس بارے میں باتیں کریں گے۔ یقیناً تمہاری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا ہوگا کہ میں کیا فضول بکواس کر رہا ہوں۔ اُس محبت کرنے والے کی طرف سے جو صرف اپنے اور تمہارے بارے میں ہی سوچتا رہتا ہے۔''

چھ پوسٹ کارڈ انہوں نے پڑھ لیے۔ اب صرف ایک آخری کارڈ باقی تھا۔

''ڈیئر ہلڈی!

تمہاری سالگرہ کے بارے میں اول جلول باتیں کر کے میں اس قدر ٹوٹ پھوٹ چکا ہوں کہ شاید کسی بھی وقت پاگل ہو جاؤں۔ میرے دل و دماغ شل ہو گئے ہیں۔ تم بھی اتنا ادراک تو رکھتی ہوگی کہ جب کوئی بات انسان کے بس سے باہر ہو جائے تو وہ بے بس اور مجبور ہو کر کچھ بھی کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

اپنے باپ کی محبت قبول کرو اور اُس کے لئے دعائیں کرتی رہو۔

ضروری وضاحت

''کسی نہ کسی روز تمہاری ملاقات سوفی نامی ایک لڑکی سے ہوگی۔ اس سے قبل کہ تم دونوں کی ملاقات ہو، تمہارا آپس میں تعارف ہو جانا چاہئے۔ اس کے لئے میں نے یہ طریقہ کار اپنایا ہے کہ میں تمہیں بھیجے گئے ہر کارڈ کی ایک نقل سوفی کو بھی بھیج رہا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ تم کو تلاش کرنے کی کوشش کرے گی اور شاید جلد ہی تمہیں تلاش کر لے۔ ویسے بھی ابھی تک اتنی ہی انجان ہے جتنی کہ تم۔ سوفی کی ایک سہیلی جوانا نام کی بھی ہے۔ وہ اس سلسلے میں مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔''

آخری پوسٹ کارڈ پڑھنے کے بعد بھی دونوں کی خاموشی نہ ٹوٹی اور وہ ایک دوسرے کو سوالیہ انداز میں گھورتی رہیں۔ جوانا نے سوفی کی کلائی مضبوطی سے تھام لی اور لرزتے ہوئے گویا ہوئی۔ ''میں بے حد خوفزدہ ہوں سوفی!''

Marfat.com

''اور میں بھی۔'' سوفی نے بھی ہکلاتے ہوئے کہا۔

''ذرا دیکھنا! آخری کارڈ پر کون سی تاریخ ہے؟ سوفی نے کارڈ کو بغور دیکھا'' 16 مئی'' اور یہ آج ہی کا دن ہے۔''

''یہ کیسے ہوسکتا ہے؟'' جوانا چلائی۔ دونوں نے ایک بار پھر بغور جائزہ لیا۔ کوئی غلطی نہیں تھی۔ 16 مئی 1990ء۔

''یہ ناممکن ہے۔'' جوانا اپنی ضد پر اڑی رہی۔ ''یقیناً یہ کوئی ایسا ہی شخص ہے جو ہم دونوں کو اچھی طرح جانتا ہے۔ مگر اُسے یہ کیسے معلوم ہوا کہ آج کے دن ہم لوگ یہاں آئیں گے؟''

''میرا خیال ہے کہ یہ سب کچھ پیتل والے آئینے کا کارنامہ ہے۔'' سوفی نے مدھم لہجے میں کہا۔

جوانا حیرت اور خوف سے اچھل پڑی۔ ''چلو! یہاں سے بھاگ چلیں۔ میری حالت خراب ہورہی ہے۔''

سوفی نے موم بتی اوپر اُٹھائی اور جوانا کو اس پر لکھے ہوئے دو تصویروں کی طرف متوجہ کیا۔

''کیا تم بتا سکتی ہو کہ یہ برکلے اور جرکلے کون ہیں، اور اس کا مطلب کیا ہے؟''

''نہیں مجھے کچھ اندازہ نہیں ہے۔'' جوانا بے حد پریشان تھی۔

اسی دوران موم بتی بھی بجھ گئی۔ ''چلو ہم لوگ اب چلتے ہیں، مگر اس آئینے کو بھی ساتھ لے جائیں گے۔'' سوفی نے فیصلہ سنا دیا۔ وہ آگے بڑھی اور اُس بھاری بھرکم آئینے کو الماری پر سے اتار لیا۔ جوانا نے اُسے روکنے کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔

جب دونوں باہر نکلیں تو گھور اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ ذرا سی کوشش کے بعد وہ جھاڑیوں کے اندر اپنا راستہ دیکھنے میں کامیاب ہوگئیں۔ جھیل کا پانی بڑی آب وتاب سے چمک رہا تھا۔ دونوں کشتی پر سوار ہوکر دوسرے کنارے پہنچ گئیں۔ خیمے میں داخل ہونے تک دونوں خاموش رہیں لیکن دل ہی دل میں وہ سب کچھ سوچتی رہیں جو کہ انہوں نے دیکھا تھا۔ انہوں نے چپ چاپ اپنا اپنا بستر بچھایا اور خاموشی کے ساتھ لیٹ گئیں۔ سوفی وہ پوسٹ کارڈ بھی اپنے ساتھ لے آئی تھی مگر جوانا کو پتہ نہیں چلا۔

انہیں ایسی گہری نیند آئی کہ وہ پھر دوسری صبح کو ہی اُٹھیں۔ سوفی پہلے اُٹھ گئی۔ اُس نے

Marfat.com

جوتے پہنے اور خیمے سے باہر نکل آئی۔ آئینے کو گھاس پر رکھا اور اُس پر پڑی اُوس کو صاف کرنے لگی۔ پھر اُس نے آگے بڑھ کر اندر جھانکا۔

آئینے میں اُسی کا عکس تھا۔ وہ آئینے کو لے کر اندر آ گئی۔ جوانا جاگ رہی تھی۔ دونوں نے ناشتہ کیا اور پھر اُن پراسرار کارڈز کا مطالعہ کرنے لگیں۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے واپس گھر جانے کا ارادہ کر لیا اور سامان باندھنے لگیں۔ سوفی نے آئینے کو اپنی بغل میں دبا رکھا تھا۔ جوانا نے اسے ہاتھ لگانے سے صاف انکار کر دیا۔

جب وہ شہر کے اندر داخل ہونے لگیں تو انہیں کچھ دھماکوں کی آوازیں آنے لگیں۔ سوفی کو یاد آیا کہ ہلڈی کے باپ نے کچھ جنگی حالت کا تذکرہ کیا تھا۔ اور وہ اپنی خوش قسمتی پر ناز کرنے لگی کہ وہ ایک ایسے ملک میں پیدا ہوئی تھی جہاں ہر طرف امن اور سکون ہی سکون تھا۔ مگر یہ دھماکے قومی تہوار کے موقع پر خوشی سے چھوڑے جا رہے تھے، اس کا جنگ سے کوئی تعلق نہ تھا۔

سوفی کی ماں اُس آئینے کی حقیقت جاننے کو بے چین تھی۔ بہر حال اُس نے گرم چاکلیٹ کا کپ سوفی اور جوانا کو پیش کیا۔ سوفی نے بتایا کہ یہ آئینہ اُسے میجر کے کیبن کے باہر پڑا ملا تھا اور ماں نے پھر وہی کہانی دہرائی کہ وہاں کئی سالوں سے کوئی رہائش پذیر نہیں ہے۔

جوانا کے روانہ ہو جانے کے بعد سوفی نے سرخ لباس زیب تن کیا جو کہ ناروے کا قومی دن کے موقع پر پہنا جاتا ہے۔ شام کے وقت ٹیلیوژن پر UN بٹالین کی لبنان میں پریڈ دکھائی گئی۔ سوفی کی نگاہیں اسکرین پر جمی ہوئی تھیں اور وہ ہلڈی کے باپ کو تلاش کر رہی تھی۔

سترہ مئی کی صبح کو سوفی نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ آئینے کو اپنے کمرے کی دیوار پر ٹانگ دیا۔ اور کچھ ہی دیر بعد اُس کی پناہ گاہ میں ایک خاکی لفافہ موجود تھا۔ سوفی نے کاغذات نکالے اور پڑھنا شروع کیا۔

دو تہذیبیں

ابھی حال ہی میں ہماری ملاقات ہو چکی ہے۔ مائی ڈیئر سوفی! مجھے یقین تھا کہ تم میجر کے کیبن کی طرف دوبارہ چکر لگاؤ گی۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے ہلڈی کے فادر کے تمام کارڈ یہیں چھوڑ دیئے تھے۔ ہلڈی کو یہ کارڈ پہنچانے کا واحد راستہ یہی تھا۔ اس کی فکر مت کرو کہ یہ کارڈ اُس

Marfat.com

تک کیسے پہنچیں گے۔ پندرہ جون آنے سے قبل کچھ بھی ہوسکتا ہے۔

ہم نے دیکھا کہ کس طرح مقدس فلسفہ دانوں نے مختلف تصورات کو آگے پیچھے کر دیا۔ بعض افراد نے تو اپنے پسندیدہ شخص کو مذہبی پیغمبر تک کی حیثیت دے ڈالی۔ افلاطون کے ماننے والوں نے افلاطون کو انسانیت کا علمبردار قرار دے دیا۔

لیکن ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ جس زمانے کی ہم بات کر رہے ہیں، اُسی دور میں ایک اور شفاعت کرنے والے بزرگ بھی دنیا میں تشریف لا چکے تھے۔ یہ مبارک سرزمین یونان اور روم کی سرحد تھی۔ میرا اشارہ حضرت عیسیٰؑ کی طرف ہے۔ اس باب میں ہم اس بات کا تذکرہ کریں گے کہ کس طرح عیسائی مذہب نے اپنے پر پھیلانے شروع کیے۔

عیسائیت کے ماننے والے آغاز میں یہودی تھے اور سامی تہذیب سے تعلق رکھتے تھے۔ یونانی اور رومن بھی ہندوستانی اور یورپی تہذیب سے متاثر تھے۔ یورپی تہذیب دونوں تہذیبوں پر چھائی ہوئی تھی۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم عیسائی اثرات کا یونانی اور رومن تہذیب کے بارے میں کوئی جائزہ لیں، ہمیں اس کی اصل جڑ کو کریدنا ہوگا۔

تاریخ میں ہندوستانی اور مغربی تہذیب گردش کرتے رہتے ہیں اور ان کا ذکر جگہ جگہ پایا جاتا ہے۔ ایک کہاوت ہے کہ تاریخ مستقل ایک دائرے میں چکر کھا رہی ہے، بالکل اسی طرح جیسے ایک موسم آتا ہے اور ایک جاتا ہے۔ چنانچہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تاریخ کا نہ کوئی آغاز ہے اور نہ انجام۔ لیکن تہذیبیں ابھرتی ہیں اور پھر زوال پذیر ہو جاتی ہیں، جیسے پیدائش اور موت کا سلسلہ جاری وساری ہے۔

دو عالمی مذاہب، ہندومت اور بدھ مت دراصل ہندوستانی اور یورپی تہذیب کا امتزاج ہیں۔ اور یہی بات یونانی فلسفے میں بھی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ ہم واضح طور پر کئی مماثلت ہندو مت اور بدھ مت میں دیکھتے ہیں اور دوسری طرف یونانی فلسفے میں بھی۔ آج بھی ہندومت اور بدھ مت میں فلسفیانہ تصورات کی بہتات ہے۔

کہیں کہیں یہ دونوں مذاہب اس بات پر بھی زور دیتے ہیں کہ انسانوں میں بعض اوقات دیوتائی خصوصیات بھی پائی جاتی ہیں اور اگر اُس کا رجحان مذہب کی طرف زیادہ ہو جائے تو وہ دیوتاؤں کی قربت حاصل کر لیتا ہے۔ قدیم یونان میں بھی ایسے افراد کا ذکر ملتا ہے جو روح کی

Marfat.com

پاکیزگی کے لیے دنیا کو قربان کر دیتے تھے۔

روح کی کایا پلٹ یا آواگوان کا فلسفہ اسی ہندوستانی اور یوروپین تہذیب کا ایک جزو ہے۔ گزشتہ دو ہزار پانچ سو سال سے ہندو تہذیب آواگوان کے مسئلے کو بنیادی اہمیت دے رہی ہے۔ افلاطون بھی روح کے تناسخ کا قائل تھا۔

عبرانی یا سامی نسل والے

ان لوگوں کا تعلق ایک بالکل ہی الگ تہذیب اور الگ زبان سے ہے۔ عبرانیوں کا تعلق عرب جزیرہ نما سے ہے مگر وہ دنیا کے بیشتر ممالک میں جا کر پھیل گئے۔ دو ہزار سال سے بھی زیادہ عرصہ گزر گیا۔ یہودی اپنے وطن سے دور ہیں۔ سامی تہذیب اور تاریخ عیسائی مذہب کے پھیلنے سے مزید محدود ہو گئی لیکن بعد میں اسلام کے ذریعہ اس کی تہذیب کو کچھ سہارا ملا۔

مغرب کے تین مذاہب، یہودیت، عیسائیت اور اسلام کا بنیادی پس منظر سامی تہذیب ہے۔ مسلمانوں کی مذہبی کتاب ''قرآن'' کا رسم الخط اور توریت انجیل بھی سامی زبان سے ملتے جلتے ہیں۔

''خدا'' کا تصور بھی مسلمانوں کے ''اللہ'' کے ہم معنی ہے، بلکہ اللہ سے مراد ''خدا'' ہی کے ہیں۔

اب جب ہم عیسائیت کی طرف دیکھتے ہیں تو معاملہ مزید پیچیدہ ہو جاتا ہے۔ اس کا پس منظر بھی سامی تہذیب سے منسلک ہے۔ مگر اس کا عہد نامہ یونانی زبان میں لکھا گیا اور جب عیسائی علم الٰہی فروغ پا چکی تو یونانی اور لاطینی زبان اس کے اندر رچ بس چکی تھی۔

ہندومت والے لاتعداد دیوتاؤں کی پرستش کرتے ہیں۔ سامی نسل میں بھی پہلے پہل یہ روایت عام تھی۔ لیکن بعد میں یہودی، عیسائی اور مسلمان اس بات پر ایمان لے آئے کہ خدا صرف ایک ہی ہے۔ خدا نے یہ دنیا بنائی اور یہاں سے تاریخ شروع ہوتی ہے۔ لیکن ایک دن تاریخ کا باب ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے گا اور وہ دن حساب کتاب کا دن ہوگا جب خدا ہر ایک کے گناہ اور ثواب کا فیصلہ کرے گا۔

آج یروشلم تینوں تہذیبوں کا سنگم ہے، یعنی یہودی، عیسائی اور مسلمانوں، تینوں کے

Marfat.com

مقدس مقامات کی یہاں بھرمار ہے۔اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان سب مذاہب کا پس منظر ایک ہی ہے۔مگر افسوس کا مقام ہے کہ یروشلم ان کے درمیان ایک چپقلش کا باعث بنا ہوا ہے۔ ہر مذہب کے لوگ دوسرے مذہب والوں کے جانی دشمن بنے ہوئے ہیں اور اس بات پر جنگ وجدل جاری ہے کہ شہر کا اقتدار اعلیٰ کس کے پاس ہونا چاہئے۔

ممکن ہے کہ اقوام متحدہ کسی روز اس کا حل نکال لے اور یہ مقدس شہر تینوں مذاہب کے لئے متبرک حیثیت اختیار کر لے جہاں سب لوگ امن اور سکون سے مل جل کر رہنے لگیں۔

بہرحال یہ مسئلہ ارباب اقتدار پر ہی چھوڑ دینا چاہئے۔اب ہم ہلڈی کے والد کے معاملے کی طرف آتے ہیں۔تم نے یہ بات سمجھ لی ہوگی کہ اقوام متحدہ کے آبزور لبنان میں موجود ہیں۔میرا خیال ہے کہ وہ صاحب بحیثیت میجر اپنا کام انجام دے رہے ہیں۔بہرحال ہمیں اس معاملے میں سر کھپانے کی ضرورت نہیں ہے۔

اسرائیل

اس بات سے مجھے کوئی مطلب نہیں ہے کہ تم کون سے مذہب کی پیروکار ہو اور تمہارے بزرگوں نے تمہیں کیا تربیت دی ہے۔یہاں ہم صرف عیسائیت اور یہودیت کے پس منظر پر بات چیت کریں گے۔

اس کا آغاز یہاں سے ہوتا ہے جب خدا نے دنیا بنائی۔بائبل میں اس کی تفصیل موجود ہے۔اور پھر انسان میں خدا کے خلاف بغاوت کا جذبہ بیدار ہونے لگا۔اس کی سزا آدمؑ اور حوا کو یہ ملی کہ انہیں جنت سے نکال کر باغِ عدن میں پھینک دیا گیا اور اس کے ساتھ ہی انسان کی موت کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا۔

خدا سے بغاوت کی یہ داستان بائبل میں بڑی تفصیل سے بیان کی گئی ہے۔مزید آگے بڑھتے ہیں تو نوحؑ کے طوفان کا ذکر بھی آتا ہے۔آگے چل کر حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ کے بارے میں کہا گیا ہے۔جب حضرت موسیٰؑ نے کوہ طور پر خدا کا جلوہ دیکھا۔اُس کے بارہ سو سال بعد مسیح کا ذکر ہے تو اُس وقت مصر میں اسرائیلی قید کی زندگی گزار رہے تھے اور خدا کی رحمت سے انہیں قید سے چھٹکارا ملا اور وہ اسرائیل کی سرزمین پر واپس آ گئے۔

Marfat.com

حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے ایک ہزار سال قبل یونانی فلسفے کا شہرہ دور دور تک پھیل چکا تھا اور اسرائیل کے تین بادشاہ دنیا میں نام پیدا کر چکے تھے۔ سب سے پہلے حضرت یعقوبؑ، اُن کے بعد حضرت داؤدؑ اور پھر حضرت سلیمانؑ۔ ان کے دور میں تمام اسرائیلی ایک سرزمین پر جمع ہو گئے۔ خاص طور پر حضرت داؤدؑ کے دور میں اُن کی سیاسی، فوجی اور تہذیبی قوت عروج پر تھی۔

بادشاہوں کا انتخاب عوام کی رائے سے ہوا کرتا تھا، لہٰذا انہیں مسیحا کا خطاب دیا گیا، جس کا مطلب ہے ''عظیم المرتبت''۔ مذہبی معنوں میں یہ عوام اور خدا کے درمیان رابطے کا ذریعہ تھے۔ بادشاہ کو ''خدا کا بیٹا'' بھی کہا گیا اور یہ سلطنت ''خدا کی سرزمین'' کہلائی۔

اور پھر ایک دور ایسا آیا جب سلطنت اسرائیل کی فوجی قوت کمزور ہوتی چلی گئی اور اقتدار بھی اُن کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ اب یہ حکومت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ شمالی علاقہ اسرائیل کہلایا اور جنوبی سلطنت (Judea) یہودی سلطنت کہلائی۔ 722ء قبل مسیح میں شمالی علاقے پر Assyrians نے قبضہ کر لیا اور اس سلطنت کی تمام فوجی اور مذہبی قوت ختم ہو گئی۔ یہی حال جنوبی حصے کا بھی ہوا اور 586 قبل مسیح میں (Babylon) بابل کا وہاں قبضہ ہو گیا۔ 539 قبل مسیح میں یہودیوں کو یہ اجازت مل گئی کہ وہ یروشلم واپس آ سکتے ہیں۔ عظیم عبادت گاہ بحال کر دی گئی۔ لیکن حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش تک یہودی دوسری قوموں کے زیر نگیں ہو کر زندگی گزارتے رہے۔

یہودی اکثر یہ سوال اپنے آپ سے پوچھتے رہتے ہیں کہ حضرت داؤدؑ کی سلطنت کیوں تباہ ہو گئی اور اُن پر آفتیں کیوں نازل ہوتی چلی گئیں جب کہ خدا نے خود کہا تھا کہ اس سلطنت کو سنبھالنا اور ترقی دینا اُس کی ذمہ داری ہے۔ لیکن دوسری طرف عوام کا بھی تو یہ دعویٰ تھا کہ وہ خدا کی نافرمانی کبھی اور کسی حال میں نہیں کریں گے۔ لہٰذا خدا انہیں ان کی گستاخی اور نافرمانی کی سزا دے رہا تھا۔

750 قبل مسیح سے مسلسل اسرائیلی ایسی حرکتیں کرتے چلے جا رہے تھے جو سراسر خدا کی نافرمانی کے مترادف تھا۔ چنانچہ ایک دن ایسا آیا جب خدا نے اُن پر اپنا قہر نازل کر ہی دیا۔ یہ خود اسرائیلیوں کا عقیدہ ہے۔

بہر حال مختصراً یہ کہ اسرائیلیوں کی خوشگوار زندگی حضرت داؤدؑ کے دور تک قائم رہی۔ بعد

Marfat.com

میں یہ صورت حال زوال پذیر ہوتی چلی گئی۔ بعد میں آنے والے چند برگزیدہ ہستیوں نے دعویٰ کیا کہ ایک دن آئے گا جب یہودی اپنی کھوئی ہوئی شان دوبارہ حاصل کرلیں گے۔ ایک ''مسیحا'' پیدا ہوگا جو ''خدا کا بیٹا'' کہلائے گا۔ وہ اسرائیلیوں کی عظمت کو واپس لائے گا اور ''خدا کی حکومت'' دوبارہ قائم ہوجائے گی۔

پیام بر

سوفی! مجھے یقین ہے کہ تم میری باتوں کو توجہ اور دھیان سے سن رہی ہوگی۔ مسیحا کے لفظی معنی ہیں ''خدا کا بیٹا'' اور ''خدا کی سلطنت'' شروع شروع میں اس کو صرف سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کیا گیا۔ حضرت عیسیٰؑ کے دور میں یہ تصور قائم کیا گیا کہ ''مسیحا'' سیاسی، فوجی اور مذہبی قوت کا نام ہے جو کہ خود حضرت داؤدؑ ہیں۔ یہ ''شفاعت کرنے والا'' جلد آئے گا اور یہودیوں کو رومنوں کے چنگل سے چھڑائے گا۔

ان خوش گمان لوگوں میں بہت سے ایسے افراد بھی تھے جن کی نگاہیں دور دور تک دیکھنے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔ گزشتہ دو سو سال کے دوران کئی پیغمبر آئے جو یہ اعتقاد اور یقین راسخ کرتے چلے گئے کہ آنے والا ''مسیحا'' تمام دنیا کا نجات دہندہ ہوگا۔ وہ نہ صرف یہودیوں کے دکھ درد کا مداوا کرے گا بلکہ پوری انسانیت کو گناہوں اور برائیوں سے پاک کردے گا، بلکہ اُس کے اختیار میں یہ بھی ہوگا کہ وہ موت پر بھی قابو حاصل کرلے گا۔

اسی دور میں حضرت عیسیٰؑ تشریف لائے۔ وہ ''بطور مسیحا'' تسلیم کرلیے گئے اور انہیں ''خدا کے بیٹے'' کا لقب بھی عطا کردیا گیا۔ علاوہ ازیں ''خدا کی سلطنت'' کے وارث بھی قرار دیئے گئے۔ انہوں نے قدیم پیغمبران کی روایت پر عمل کرتے ہوئے ایک پرہجوم لشکر کے ساتھ یروشلم میں قدم رکھا اور عوام کے نجات دہندہ ہونے کا دعویٰ کیا۔ انہوں نے ''سلطنت پر تخت نشینی'' کی رسم انجام دی اور کہا کہ خدا نے یہ سلطنت اپنے ہاتھ میں لے لی ہے۔

لیکن یہاں ایک خاص بات توجہ کی مستحق ہے۔ حضرت عیسیٰؑ نے اپنے آپ کو دوسرے پیغمبروں سے یہ کہہ کر علیحدہ مثال قائم کرنے کی کوشش کی کہ وہ فوجی اور سیاسی قوت قائم کرنے کے لئے نہیں آئے ہیں۔ اُن کا مقصد اس سے بھی بلند تر اور اعلیٰ وارفع ہے۔ انہوں نے

Marfat.com

گناہوں سے نجات اور خدا کی بخشش کی تبلیغ شروع کردی۔ جو شخص بھی اُن سے ملتا، اُس سے وہ یہی کہتے ہیں کہ خدا نے تمہارے تمام گناہوں کو بخش دیا ہے۔ بخشش کا یہ انداز لوگوں کے لئے بالکل نیا اور عجیب وغریب تھا۔ اس کے علاوہ ایک بات اور ناپسندیدگی کا باعث بنی۔ حضرت عیسیٰؑ نے خدا کو ''اپنا باپ'' کہنا شروع کردیا۔ اُس معاشرے میں اُن دنوں یہ بات لوگوں کو ناگوار گزری اور رفتہ رفتہ احتجاج بڑھتا چلا گیا۔

اب صورت حال تبدیل ہوگئی۔ جب لوگ یہ امید لگائے بیٹھے تھے کہ ایک ''مسیحا'' آئے گا، جو خدا کی سلطنت قائم کرے گا اور اُس کو عظمت بخشے گا، وہ تصور حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات سے ٹوٹ پھوٹ کر رہ گیا۔ ایک ڈرامائی تبدیلی پیدا ہوگئی۔ لوگ اس انتظار میں تھے کہ کوئی فوجی سپہ سالار آئے گا اور طاقت وقوت کے ذریعہ ''خدا کی سلطنت'' وجود میں لائے گا۔ اس کے ساتھ ہی حضرت عیسیٰؑ بھی آگے بڑھیں گے اور عوام کو سمجھائیں گے کہ یہ نئی سلطنت اب تمہاری ہے اور اس کے ذریعے تمہیں تمام دنیا میں نیکی اور بھلائی پھیلانی ہے۔ مگر ایسا نہ ہوسکا۔ حضرت عیسیٰؑ کا کہنا یہ بھی تھا کہ اپنے دوستوں کے ساتھ ساتھ دشمنوں سے بھی محبت کرو۔ اگر کوئی سنگدل تمہارے ایک گال پر طمانچہ مارتا ہے تو تم دوسرا گال بھی آگے بڑھا دو۔ نہ صرف سات دفعہ بلکہ ستتر 77 دفعہ یہ عمل دہرانا چاہئے۔

جب ہم سقراط کی بات کرتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ لوگوں کو سمجھنا کوئی کھیل نہیں ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ کے لئے بھی یہ کوئی آسان کام نہیں تھا کہ برادرانہ شفقت، محبت اور درگزر کا فلسفہ لوگوں کے دلوں میں راسخ کردیں۔ یہاں تک کہ آج کی دنیا میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ طاقتور لوگ اپنے دشمنوں اور اپنے عقیدے اور نظریات کے خلاف چلنے والوں کے ساتھ کیسا سلوک کرتے ہیں۔

عیسائی فرقے کے مطابق حضرت عیسیٰؑ ایک عظیم اور تاریخ ساز ہستی کا درجہ رکھتے ہیں۔ اگرچہ انہیں موت کا سزاوار ٹھہرایا گیا مگر عیسائی حضرات کا کہنا ہے کہ انہوں نے انسانی اقدار کی حفاظت کے لئے اپنی جان دی۔ یہ عظمت اور انسانیت سے محبت کی دلیل ہے۔ وہ خدا کے ایسے نیک بندے تھے کہ جنہوں نے ہر ایک کے گناہ کا بوجھ اپنے سر لے لیا اور اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کردی۔ تاکہ ہم لوگ خدا کے قہر وغضب سے محفوظ رہیں۔

Marfat.com

قرونِ وسطیٰ

ایک ہفتہ گزر گیا، البرٹو ناکس کی طرف سے کوئی خبر نہیں آئی۔ لبنان سے بھی کوئی پوسٹ کارڈ موصول نہیں ہوا تھا۔ اسی دوران وہ اور جوانا اُن پوسٹ کارڈوں کے ذکر سے دل بہلاتی رہیں جو انہیں میجر کے کیبن سے ملے تھے۔ جوانا تو اُن باتوں کو یاد کر کے کسی حد تک خوف زدہ سی تھی۔ لیکن جب کچھ نہیں ہوا تو وہ پرسکون ہوگئی۔

سوفی نے البرٹو کے خط کو بار بار پڑھا کہ شاید ہلڈی کے بارے میں کوئی راز آشکارا ہو جائے۔ لیکن بے سود۔ جمعہ کا دن تھا اور مئی کی پچیس 25 تاریخ۔ سوفی کچن میں ڈنر کی تیاری میں مصروف تھی۔ جمعہ کا ڈنر خصوصی طور پر تیار کیا جاتا تھا۔ آج وہ مچھلی کا سوپ اور مچھلی کے کوفتے بنا رہی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ گاجر کی ہلکی پھلکی سبزی بھی۔

باہر کا موسم سرد تھا اور تیز ہوا چل رہی تھی۔ اپنا کام ختم کر کے اُس نے کھڑکیاں بند کر دیں۔ اچانک کوئی چیز کھڑکی کے فریم سے ٹکرائی۔ سوفی نے مڑ کر دیکھا تو ایک کارڈ وہاں پھنسا ہوا تھا۔ وہ وہیں کھڑے کھڑے اُسے پڑھنے لگی۔ ''ہلڈی مولر کانگ معرفت سوفی آمنڈسین۔'' اُس نے ایک لمحے سوچا اور پھر کھڑکی کھول کر کارڈ نکال لیا۔

اس کارڈ پر پندرہ جون کی تاریخ درج تھی۔ سوفی نے کچن میں ہی اسے پڑھنا شروع کر دیا۔

ڈیئر ہلڈی! معلوم نہیں جب تمہیں یہ کارڈ ملے گا، اُس وقت تک تمہاری سالگرہ کا دن گزر چکا ہوگا یا نہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ ابھی وقت نہیں نکلا ہے ممکن ہے کہ میں موسم بہار میں آؤں۔ پھر ہم لوگ سمندر کے کنارے بیٹھ کر گھنٹوں باتیں کریں گے۔ ہلڈی! میرے پاس بہت سی

Marfat.com

باتیں کہنے کی ہیں۔ پیاری بیٹی! تمہارے ڈیڈ ان دنوں بے حد اداس رہتے ہیں اور تاریخ کے گزشتہ اوراق کو پلٹتے رہتے ہیں۔ یہودی، عیسائی اور مسلمانوں کے معاملات ہر وقت دماغ پر سوار رہتے ہیں۔ یہ تینوں مذاہب حضرت ابراہیمؑ کے زمانے سے ساتھ ساتھ چلے آ رہے ہیں کہ یہ تینوں ایک ہی خدا کے ماننے والے ہیں۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ہابیل اور قابیل کی جنگ جاری ہے اور قتل و غارت کا یہ سلسلہ ابھی ختم نہیں ہوا ہے۔

ضروری وضاحت

سوفی کو بھی دعا کہہ دینا۔ بے چاری، خواہ مخواہ اس مسئلے میں الجھی ہوئی ہے اور حالات سے پوری طرح واقف نہیں ہے۔ شاید تم اس کی کوئی مدد کر سکو۔

سوفی نے اپنا سر میز پر ٹکا دیا۔ وہ بے حد پریشان تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ آخر ایسی کون سی بات ہے جو وہ نہیں جانتی مگر ہلڈی اُس بارے میں جانتی ہے۔ جب ہلڈی کے باپ نے سوفی کو دعا کہلوایا ہے تو اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ ہلڈی اس کے بارے میں کافی معلومات رکھتی ہے، اتنی کہ سوفی، ہلڈی کے بارے میں نہیں جانتی۔ یہ معاملات اس قدر پیچیدہ اور الجھن کا باعث بنتے چلے جا رہے تھے کہ سوفی کو رونا آ گیا۔

اور اچانک ٹیلی فون کو گھنٹی بج اُٹھی۔ ''سوفی آمنڈسین آپ سے مخاطب ہے۔'' اُس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

''یہ میں بول رہا ہوں۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

یہ سوفی کے والد کی آواز تو نہیں تھی، مگر یہ ایک مردانہ آواز تھی اور سوفی یوں لگا جیسے وہ یہ آواز پہلے بھی سن چکی ہو۔ ''آپ کون ہیں؟'' اُس نے پوچھا۔

''میں البرٹو بات کر رہا ہوں۔''

''اوہ'' سوفی کے حواس گم ہو گئے۔ یہ وہی آواز تھی جو ایتھنز کی تاریخ ایک ویڈیو کیسٹ کے ذریعہ بتا رہی تھی۔ سوفی کو جلد ہی یاد آ گیا۔

''کیا تم بخیر و عافیت ہو'' البرٹو نے بڑی شفقت سے پوچھا۔

''جی ہاں، آپ کی دعا ہے۔'' سوفی نے سعادت مندی سے جواب دیا۔

Marfat.com

''آج کے بعد کوئی خط و کتابت نہیں ہوگی۔''

''مگر میں نے آپ کو منع تو نہیں کیا ہے۔'' سوفی گھبرا گئی۔

''اب ہم لوگ بالمشافہ بات چیت کیا کریں گے۔ یہ بے حد ضروری ہے۔'' البرٹو نے وضاحت کی۔

''مگر کیوں؟ ایسا کیوں ضروری ہو گیا ہے؟'' سوفی نے پوچھا۔

''ہلڈی کا باپ ہمارے گرد دائرہ تنگ کرتا چلا جا رہا ہے۔''

''اس بات سے آپ کیا کیا مراد ہے؟''

''تم یہ بات اس طرح نہیں سمجھو گی۔ اب ہم لوگوں کو مل جل کر کام کرنا ہوگا۔''

''مگر کیسے؟''

''میں نے شاید قرونِ وسطیٰ کا پہلے بھی ذکر کیا ہے۔ سترہویں صدی عیسوی کی نشاۃِ ثانیہ کا زمانہ۔ برکلے ایک خاص حیثیت رکھتا ہے۔''

''کیا یہ وہی شخصیت ہے جس کی تصویر میجر کے کیبن میں موجود تھی؟'' سوفی نے استفسار کیا۔

''ہاں'' تمہارا خیال درست ہے۔ اب ہمارا کام یہ ہے کہ ہلڈی کو اپنا ہم خیال بنا لیں، قبل اس کے کہ اُس کا باپ للّی سینڈ سے واپس آئے۔'' البرٹو نے سمجھایا۔

''مگر آپ کی بات میری سمجھ نہیں آ رہی ہے۔'' سوفی زچ ہو گئی۔

''تمہاری آنکھیں اُسی وقت کھلیں گی جب تمہیں فلسفیوں سے واسطہ پڑے گا۔ کل صبح آٹھ بجے سینٹ میری کے چرچ پر پہنچ جاؤ۔ اور تنہا ہی آنا۔'' فون بند ہو گیا۔

سینٹ میری کا چرچ ایک بے حد قدیم اور پتھروں سے بنی ہوئی عمارت تھی۔ یہاں صرف خاص مذہبی تقاریب منعقد کی جاتی تھیں۔ موسم بہار میں کبھی کبھی سیاحوں کے لئے بھی اس کے دروازے کھول دیئے جاتے۔ مگر رات میں ہمیشہ بند رہتے تھے۔

وہ رات سوفی نے جوانا کے گھر گزاری۔ اُس نے اپنی ماں کو بتا دیا کہ وہ جوانا کے ساتھ رات بھر پڑھے گی کیونکہ صبح اُن دونوں کو ایک امتحان دینا ہے۔ جوانا کو اُس نے سوائے اس کے اور کچھ نہ بتایا کہ اُسے صبح ہی صبح کسی سے ملنا ہے۔ ہلڈی کے سلسلے میں اور وہ ماں سے یہ راز خفیہ رکھے۔

Marfat.com

ایک گھنٹے تک وہ پیدل چلتی رہی۔ جب اُس نے صدر دروازے کو دھکا دیا تو وہ کھل گیا۔ البرٹو ناکسی راہبانہ لباس میں وہاں پہلے ہی موجود تھا اور اُس نے بلا کسی تمہید کے تاریخ دہرانی شروع کر دی۔

''اگر ہم ہر ایک گھنٹے کو سو سال کا عرصہ سمجھ لیں تو ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ رات کے ٹھیک درمیانی وقت میں پیدا ہوئے تھے۔ پال نے بھی اپنا تبلیغی دورہ رات کو ڈیڑھ بجے شروع کیا اور ایک گھنٹہ بعد روم میں انتقال کر گیا۔ صبح کے تین بجے عیسائی چرچ کو مقفل کر دیا گیا۔ مگر تین سو تیرہ 313 بعد مسیح میں رومی سلطنت نے اس کو بطور سرکاری مذہب قبول کر لیا لیکن مقدس بادشاہ کو عیسائیت میں داخل کرنے کی رسم اُس وقت ادا کی گئی جب کہ وہ بسترِ مرگ پر تھا۔ چنانچہ اصل عیسائی مذہب تین سو اسی 380 بعد مسیح میں رائج ہوا۔

''کیا رومن سلطنت اُس وقت زوال پذیر نہیں تھی؟'' سوفی نے پوچھا۔

''بس یہ آخری دموں پر تھی۔ اس وقت ہم تہذیب و تمدن کی ایک عظیم تبدیلی کے آس پاس کھڑے ہیں۔ چوتھی صدی عیسوی میں روم دو طرف سے شدید گھیراؤ میں پھنسا ہوا تھا۔ شمال سے غیر مہذب اور وحشی قبائل حملہ آور تھے اور اندر سے باغیوں نے پریشان کیا ہوا تھا۔ تین سو تیس 330 بعد مسیح ہی شہنشاہ معظم نے رومی سلطنت کا دارالحکومت قسطنطنیہ منتقل کر دیا۔ یہ شہر بحرِ ظلمات کے کنارے پر تعمیر کیا گیا تھا۔ اکثریت کی رائے میں یہ شہر ''دوسرا روم'' تھا۔ تین سو پچانوے 395 عیسوی میں رومن سلطنت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ مغربی سلطنت روم سے متصل تھی اور دوسری مشرقی سلطنت، جس کا دارالحکومت قسطنطنیہ تھا۔ چار سو دس 410 عیسوی میں روم کو وحشی قبائل نے تاخت و تاراج کر کے رکھ دیا اور چار سو چھیہتر 476 عیسوی میں تمام مغربی سلطنت تباہ و برباد ہو کر رہ گئی۔ مشرقی سلطنت اپنی جگہ پر قائم رہی لیکن چودہ سو پینتیس 1435 عیسوی میں ترکوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔''

''اور اس کا نام تبدیل کر کے استنبول رکھ دیا گیا؟'' سوفی نے اپنی معلومات کا مظاہرہ کیا۔

''بالکل درست، استنبول اُس کا جدید ترین نام ہے۔ دوسری تاریخ جو یاد رکھے جانے کے قابل ہے وہ ہے پانچ سو انتیس 529۔ یہ وہ سال ہے جب ایتھنز میں چرچ نے افلاطون کی درس گاہ پر پابندی عائد کر دی۔ اُسی سال راہبانہ قانون نافذ کر دیا گیا اور دعائے خیر کی دعائیں

Marfat.com

مانگی گئیں۔اور یہی وہ یادگار سال بھی ہے جب عیسائی چرچ نے یونانی فلسفے پر سبقت حاصل کرلی۔وہ دن ہے اور آج کا دن، رہبانیت، تعلیم، سوچ اور فکر پر چھا گئی۔

گھڑی ساڑھے پانچ بجا رہی تھی۔سوفی نے فی الفور اندازہ لگالیا کہ وقت کی رفتار سے البرٹو کی مراد کیا ہے۔نصف شب کا مطلب ہے صفر۔ایک بجے، حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے ایک سو سال بعد کہلاتا ہے۔چھ بجے، چھ سو سال بعد سے اور چودہ بجے چودہ سو سال کے بعد۔

البرٹو کہہ رہا تھا۔اسکول سسٹم کو قرونِ وسطیٰ میں ترقی حاصل ہوئی۔پہلی خانقاہ اور راہبانہ اسکول بھی اُسی دور میں قائم کیے گئے اور کیتھیڈرل اسکول بارہویں صدی میں علم پھیلانے لگے۔بارہویں صدی میں ہی یونیورسٹی بنائی گئی اور مختلف شعبے قائم کر کے علم پر توجہ دی گئی۔آج بھی وہی رواج اور طریقہ جاری ہے۔

''مگر ایک ہزار سال تو کافی طویل وقت دکھائی دیتا ہے۔''سوفی نے حیرت کا اظہار کیا۔

''ہاں۔عیسائی مذہب کو عوام میں جڑ پکڑنے میں بہت وقت لگ گیا۔چوتھی صدی میں رومنوں کا دور ختم ہو چکا تھا۔رومی بشپ نیرومن نے کیتھولک چرچ کا انتظام سنبھال لیا اور اُسے ''پوپ'' کا لقب دیا گیا۔جس کو اطالوی زبان میں ''پاپا'' کہتے ہیں۔اس کو زمین پر حضرت عیسیٰؑ کے نائب کا درجہ بھی حاصل ہے۔چنانچہ قرون وسطیٰ میں روم، عیسائی سلطنت کا دارالسلطنت رہا، لیکن بادشاہ اور بشپ تمام اقتدار کے مالک رہے۔بلکہ بعض بادشاہ تو اس قدر طاقتور اور باہمت تھے کہ انہوں نے چرچ کو اپنے زیر نگیں رکھا۔''

''آپ نے بتایا کہ چرچ نے آ کر افلاطون کے دارالعلوم کو بند کر دیا۔کیا اس کا یہ مطلب لیا جائے کہ تمام یونانی فلسفہ دانوں اور اُن کی تعلیمات کو بالکل فراموش کر دیا گیا؟''سوفی نے ایک دوسرا نکتہ اُٹھایا۔

''سب تو نہیں، مگر ہاں، بیشتر لوگ گمنام ہو گئے۔ارسطو اور افلاطون کی تحریریں آج بھی زندہ ہیں۔بہر حال، ہوا یہ کہ رومن سلطنت رفتہ رفتہ دو تہذیبوں میں تقسیم ہو گئی۔مغربی یورپ میں لاطینی عیسائی تہذیب نے جڑ پکڑ لی جس کا مرکز روم تھا اور مشرقی یورپ پر یونانی عیسائیت چھا گئی جو قسطنطنیہ کے زیر تسلط تھا۔یہ شہر رفتہ رفتہ اپنے یونانی نام بازنطائن سے بھی شہرت پکڑتا گیا۔اسی دور کو ہم بازنطینی درمیانی دور بھی کہتے ہیں۔شمالی افریقہ اور مشرقی وسطیٰ بھی رومی

Marfat.com

سلطنت کا حصہ رہ چکے ہیں۔ مگر قرون وسطیٰ میں یہاں عربی زبان بولنے والوں کا اسلامی تہذیب وتمدن رائج ہوگیا۔ 632ء میں حضرت محمد مصطفیٰؐ کی وفات کے بعد پورے مشرق وسطی اور شمالی افریقہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔ جلد ہی ہسپانیہ بھی اسلام کے زیر نگیں آ گیا۔ مکہ، مدینہ، یروشلم اور بغداد مسلمانوں کے مقدس مقامات قرار دیئے گئے۔ تاریخی نقطۂ نگاہ سے یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ عربوں نے قدیم یونانی شہر اسکندریہ کو بھی اپنے مفتوحہ علاقوں میں شامل کرلیا۔ عربوں نے یونانی سائنس پر بھی کافی تحقیق کی اور کارنامے انجام دیئے۔ مثال کے طور پر حساب، الجبرا، کیمسٹری، علم النجوم اور علم طب کو اُسی دور میں کافی فروغ حاصل ہوا۔ آج بھی کئی تشبیہیں اور اشارے کنائے انہی عرب سائنس دانوں کے استعمال کیے جاتے ہیں۔ بہت سے علاقوں میں عربی تہذیب وتمدن کو عیسائی تہذیب پر فوقیت دی جاتی ہے۔"

"اب آپ مجھے یہ بتائیں کہ کیا درمیانی عہد میں کوئی خاتون فلسفی بھی پیدا ہوئی ہے؟" سوفی نے ایک عجیب وغریب سوال اُٹھایا۔

"قرون وسطیٰ میں چرچ صرف مردوں کے زیر انتظام چلائے جاتے تھے گویا کہ وہاں مردوں کی حکومت تھی۔ لیکن یہ قیاس بھی درست نہیں ہے کہ کوئی مفکر خاتون پیدا ہی نہیں ہوئی۔ اُن میں ایک عظیم خاتون کا نام تاریخ میں آج بھی روشن ہے، بنجن کی ہلڈی گراڈ....."

یہ نام سن کر سوفی کی آنکھیں پھیل گئیں۔ "کیا ہلڈی سے اس کا کوئی تعلق موجود ہے؟"

"یہ کیسا احمقانہ سوال ہے؟ ہلڈی گارڈ 1018ء سے 1107ء تک زندہ رہی۔ وہ ایک نن تھی۔ وہ ایک مبلغ، مصنفہ اور ڈاکٹر بھی تھی۔ وہ اس بات کی زندہ مثال تھی کہ خواتین میں صلاحیتیں بے مثال ہوتی ہیں اور ان کو اگر موقع دیا جائیت وہ کافی اصلاحات دنیا کے سامنے لاسکتی ہیں۔

"مگر یہاں پر ہلڈی کے بارے میں بھی تو کچھ بتائیں؟"

"یہ عیسائیوں اور یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ خدا کی حیثیت صرف ایک مرد کی نہیں ہے۔ وہ کسی حد تک نسوانی خصوصیات بھی رکھتا ہے، بلکہ اُس کی فطرت میں نسوانیت داخل ہے۔ آخر عورتیں بھی تو خدا کی ہی مخلوق ہیں۔ یونانی خدا کے نسوانی وجود کا نام ہے صوفیہ یا صوفی۔ صوفی کے معنی ہیں "عقل وفہم۔"

Marfat.com

سوفی نے سرخم تسلیم کردیا۔اُس نے پہلے یہ سوال کسی سے کیوں نہیں پوچھا اور کسی نے اس بارے میں اُسے اب تک بتایا کیوں نہیں؟

البرٹو نے اپنا بیان جاری رکھا۔''خدا کا مادرانہ روپ''،''صوفیہ'' یہودیوں اور یونانی راسخ العقیدہ چرچ میں ایک بہت خاص درجہ کا حامل ہے۔مغرب والوں نے اُسے جلد ہی فراموش کردیا۔لیکن انہی دنوں ہلڈی گارڈ نے سر اُٹھایا۔صوفیہ نے اُس کے وجود میں سر ابھارا جو سنہری لباس اور قیمتی جواہرات استعمال کیا کرتی تھی۔''

سوفی یکدم کھڑی ہوگئی۔''شاید میں بھی کسی دن ہلڈی بن جاؤں؟'' وہ دوبارہ بیٹھ گئی اور البرٹو نے تیسری بار اپنا ہاتھ اُس کے شانے پر رکھا۔

''ہمیں اس معاملے پر مزید غور کرنا ہوگا۔مگر اب گیارہ بج رہے ہیں۔تمہیں گھر چلے جانا چاہئے۔ہم ایک نئے عہد میں داخل ہونے والے ہیں۔میں تمہیں نشاۃ ثانیہ کے دور میں لے چلوں گا۔جلد ہی ہر مزایک مضمون لے کر تمہارے پاس حاضر ہوگا۔'' اس کے ساتھ ہی وہ راہب اُٹھ کھڑا ہوا اور چرچ کی جانب بڑھنے لگا۔سوفی اپنی جگہ پر کھڑی ہلڈی گارڈ اور صوفیہ کے بارے میں سوچتی رہی۔ہلڈی اور سوفی۔اچانک اُس نے ایک جست لگائی اور راہب نما فلسفی کے پیچھے دوڑ لگادی۔''کیا قرونِ وسطیٰ میں البرٹو نام کا بھی کوئی فلسفی موجود تھا؟''

البرٹو نے اپنی رفتار ذرا کم کرلی اور گردن ٹیڑھی کرتے ہوئے کہا۔''البرٹ دی گریٹ نامی ایک فلسفی کا وجود ضرورت ملتا ہے۔'' یہ کہہ کر اُس نے اپنا سر جھکالیا اور سینٹ میری کے چرچ میں غائب ہوگیا۔

سوفی اس مختصر جواب سے مطمئن نہیں ہوئی تھی۔وہ ایک بار پھر اُس کے تعاقب میں دوڑی،مگر اب اُس کا کوئی وجود نہیں تھا۔پتہ نہیں آسمان کھا گیا یا زمین نگل گئی۔

چرچ سے باہر آتے آتے سوفی کی نگاہ میڈونا کی تصویر پر پڑی۔وہ اُس کے قریب گئی اور بغور مطالعہ کرنے لگی۔اچانک اُس نے محسوس کیا کہ میڈونا کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔

سوفی بھاگ کھڑی ہوئی اور جوانا کے گھر پہنچ کر ہی دم لیا۔

Marfat.com

نشاۃ ثانیہ

دوڑتے دوڑتے سوفی کی حالت خراب ہوگئی۔ جب وہ جوانا کے گھر کے دروازے پر پہنچی تو بارہ بج رہے تھے۔ جوانا باہر ہی کھڑی تھی۔ ''تم پانچ گھنٹوں کے بعد واپس آ رہی ہو؟''

''نہیں، میں ہزاروں سال کہیں اور گزار کر آ رہی ہوں۔'' سوفی نے خلا میں گھورتے ہوئے کہا۔

''تمہارا دماغ خراب ہے۔ سچ سچ بتاؤ۔ تم کہاں تھیں! تھوڑی دیر پہلے تمہاری ماں کا فون بھی آیا تھا۔'' جوانا نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''تم نے انہیں کیا بتایا؟''

میں نے کہہ دیا کہ وہ باہر دکان پر گئی ہے اور ابھی دس منٹ میں آ جائے گی۔''

''یہ تم نے بہت اچھا کیا۔'' سوفی نے ماں کو فون کر کے اُسے مطمئن کر دیا اور پھر جوانا کو منانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ ''آؤ! میں تمہیں بتاتی ہوں کہ میں نے یہ وقت کہاں گزارا؟''

''نہیں، ابھی تم اپنے گھر جاؤ۔ تمہاری کتھا بعد میں سنوں گی۔ مجھے گھر کے بہت سے کام کرنے ہیں اور کچھ پڑھائی بھی کرنی ہے۔'' جوانا نے خشک لہجے میں کہا۔

سوفی جب گھر میں داخل ہوئی تو لنچ تیار تھا۔ کھانا کھاتے ہی سوفی نے اعلان کر دیا کہ ساری رات وہ پڑھائی میں مشغول رہی لہٰذا اب وہ سونے جا رہی ہے۔ بستر پر جانے سے قبل وہ یونہی بلا ارادہ پیتل کے فریم والے آئینے کے پاس کھڑی ہوگئی جو اب ایک دیوار پر لٹک رہا تھا۔ سب سے پہلے تو اُسے اپنا زرد اور مرجھایا ہوا چہرہ نظر آیا، لیکن اُس کے پیچھے ایک دوسرے چہرے کی جھلک بھی ابھر رہی تھی۔ سوفی نے ایک گہری سانس لی۔ اس قسم کی صورت حال کوئی

Marfat.com

خوش گوار بات نہیں تھی۔ اُس نے اپنے سر کو جھٹکا، مگر وہ دوسری شکل اپنی جگہ پر موجود تھی۔ اچانک دوسری لڑکی نے سوفی کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑ دیں۔ اُس کا انداز ایسا تھا جیسے وہ اپنے وجود کا احساس دلانا چاہتی ہو۔ شاید چند لمحے یہ سماں طاری رہا اور پھر وہ لڑکی غائب ہوگئی۔

سوفی بستر کے کنارے پر بیٹھ گئی اور حالاتِ حاضرہ پر غور کرنے لگی۔ اُسے اب اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں تھا کہ وہ دوسری لڑکی ہلڈی تھی۔ میجر کے کیبن میں اُس کے اسکول کے شناختی کارڈ پر ایسی ہی مسکراہٹ ثبت تھی۔ کیا یہ ایک بے جوڑ سی بات نہیں تھی کہ اُس کو ہمیشہ ایسی ہی تلخ حقیقتوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا، اور وہ بھی اُس وقت جب وہ سکون کے لمحات کی طلب گار ہوتی تھی۔ سوفی نے اپنے کپڑے کرسی پر پھینکے اور بستر میں گھس گئی۔ اُسے گہری نیند آ گئی اور وہ خوابوں کی دنیا میں کھو گئی۔

سوفی دیکھ رہی تھی کہ وہ ایک بہت بڑے باغ میں موجود ہے۔ باغ کی روشن ڈھلوان میں کافی نیچے جا رہی ہے جہاں ایک کشتی کھڑی ہے۔ گھاٹ پر ایک نوجوان لڑکی بیٹھی ہے اور اُسکی نگاہیں پانی کی سطح پر جمی ہوئی ہیں۔ سوفی دبے قدموں چل کر اُس کے پیچھے جا کھڑی ہوئی، مگر لڑکی نے کوئی توجہ نہ دی۔ سوفی نے اپنا تعارف کرایا۔ ''میں سوفی ہوں۔'' مگر دوسری لڑکی کے جسم میں کوئی جنبش نہ ہوئی۔ اور پھر سوفی نے دور سے آتی ہوئی ایک آواز سنی۔ ''ہلڈی!'' لڑکی بدحواس ہو کر آواز کی سمت دوڑ پڑی اور کشتی گھر میں غائب ہوگئی۔ بہرحال یہ ثابت ہو گیا کہ لڑکی اندھی اور بہری نہیں تھی۔ ایک ادھیڑ عمر شخص کشتی میں سے باہر نکلا اور ہلڈی کو تھام لیا۔ اُس کے جسم پر خاکی وردی اور نیلی ٹوپی موجود تھی۔ سوفی اُس سنہری زنجیر پر جھپٹ پڑی جو لڑکی کے گردن سے نکل کر گر پڑی تھی اور جس میں حضرت عیسیٰؑ کے مصلوب ہونے کی تصویر جڑی ہوئی تھی۔ سوفی کی آنکھ کھل گئی۔

اُس نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ اُسے سوئے ہوئے دو گھنٹے گزر چکے تھے۔ وہ اُٹھ بیٹھی اور اُس عجیب وغریب خواب کے بارے میں سوچنے لگی۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ یہ خواب نہیں، حقیقت ہے۔ وہ گھاٹ اور کشتی گھر بھی کہیں نہ کہیں موجود ہے۔ شاید میجر کے کیبن میں اُس نے اس کی تصویر دیکھی تھی۔ یہ بات ہر حال میں ثابت تھی کہ خواب میں اُس نے جس لڑکی کو

Marfat.com

دیکھا۔ وہ ہلڈی مولر کا نگ تھی اور وہ مرد اُس کا باپ تھا جو لبنان سے واپس آ چکا تھا۔ اور وہ بالکل البرٹو ناکس کا ہم شکل تھا۔

سوفی اپنے بستر کو درست کرنے لگی اور تکیے کے نیچے اُسے وہ سنہری زنجیر بھی نظر آ گئی۔ حضرت عیسیٰؑ کی مصلوب شدہ تصویر کے پیچھے تین نمایاں حروف کندہ تھے۔ HMK۔ یہ کوئی پہلا اتفاق نہیں تھا جب سوفی نے خواب دیکھا کہ اُسے کوئی خزانہ مل گیا ہے۔ مگر یہ پہلا اتفاق تھا کہ واقعی ایک خزانہ اُس کے ہاتھ لگ گیا تھا۔

''لعنت بھیجو۔'' ایک دہشت زدہ چیخ اُس کے ہونٹوں سے نکلی۔ وہ اس قدر وحشت کے عالم میں تھی کہ اُس نے الماری کا دروازہ کھولا اور اس لاکٹ کو بھی دوسری چیزوں کے ساتھ اوپر والی شیلف پر ڈال دیا جہاں پہلے ہی ریشمی اسکارف، لکڑی کا کندہ اور لبنان سے آئے ہوئے پوسٹ کارڈ پڑے ہوئے تھے۔

دوسری صبح جاگتے ہی سوفی نے ایک بھاری بھرکم ناشتہ لیا۔ ماں نے سب کچھ پہلے ہی تیار کر رکھا تھا۔ ناشتے کے دوران ماں نے کہا۔ ''میں نے باغیچے میں ایک عجیب و غریب کتے کو ٹہلتے ہوئے دیکھا ہے۔ وہ پرانے غار کے آس پاس چکر لگا رہا تھا۔ کیا تمہیں اس بارے میں کوئی اندازہ ہے؟''

یہ سننا تھا کہ سوفی باغیچے کی طرف دوڑ پڑی۔ ہرمز نے بھی اُسے دیکھ لیا اور اُس کی طرف تیزی سے بڑھا۔ اُس کے بعد ہرمز نے رخ بدلا اور گویا سوفی کو اشارہ کیا کہ وہ اُس کے پیچھے پیچھے آئے۔ دوڑتے دوڑتے وہ ایک چھوٹے سے چوراہے کے پاس نکل آئے جس کو نیا چوراہا کہا جاتا تھا مگر دیکھنے میں بہت پرانا سا لگتا تھا۔ مگر اب شہر ہی پرانا ہو چکا تھا اور ایسا لگتا تھا جیسے اس کا تعلق قرونِ وسطیٰ سے ہے۔

ہرمز چودہ نمبر کے مکان کے دروازے پر جا کر رک گیا۔ سوفی نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور اُس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ بالکل سامنے ہی سبز رنگ کے میل بکس کی ایک قطار لگی ہوئی تھی۔ پہلے پہل وہ سوچ میں پڑ گئی کہ کیا وہ کسی ڈاک خانے کے اندر چلی آئی ہے؟ ایک میل بکس کے اوپر ایک پوسٹ کارڈ چسپاں تھا جس کے اوپر ایک ایسا پتہ لکھا ہوا تھا جس سے وہ واقف نہیں تھی۔ پتہ یہ تھا۔ ہلڈی مولر کا نگ۔ 14۔ نیوا سکوائر۔ اس پر تاریخ پندرہ جون

Marfat.com

کی درج تھی۔ سوفی نے وہ کارڈ کھینچ لیا اور پڑھنا شروع کیا۔

''ڈیئر ہلڈی! عنقریب سوفی فلسفی کے مکان میں داخل ہونے والی ہے۔ آج وہ پورے پندرہ برس کی ہو جائے گی جب کہ تم ایک دن پہلے ہی ہو چکی ہو۔ مگر کیا آج کا دن آج ہی ہے؟ ہماری گھڑیاں مختلف اوقات بتاتی رہتی ہیں۔ ابھی ایک نسل چل ہی رہی ہے کہ دوسری نسل بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس دوران تاریخ اپنا فرض دہراتی رہتی ہے۔ کیا تم نے کبھی اس بات پر غور کیا ہے کہ یورپ کی زندگی ایک انسانی زندگی کی طرح ہے؟

یورپ کے آثارِ قدیمہ ہمارے بچپن کے کھلونے لگتے ہیں۔ قرونِ وسطیٰ ہمارے اسکول کے دن بن جاتے ہیں۔ لیکن پھر نشاۃ ثانیہ کا دور آتا ہے۔ اسکول کا دور گزر گیا۔ اب زندگی کا وہ دور آتا ہے جب ہر طرف خوشیاں افراط سے بکھری پڑی ہیں اور زندگی اپنے پورے جوبن پر ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ نشاۃ ثانیہ اپنی پندرہویں سالگرہ منا رہی ہے۔ یہ ماہِ جون کا درمیانی دن ہے۔ اور میری بچی! یہ ہماری زندگی کا خوشگوار ترین دن ہے۔

ضروری وضاحت

یہ جان کر افسوس ہوا کہ تم نے اپنی قیمتی سونے کے لاکٹ کو گنوا دیا ہے۔ اپنی چیزوں کی حفاظت کرنا سیکھو۔ تم سے انتہائی حد تک پیار کرنیوالا۔ تمہارا باپ، جو کہ اب آس پاس ہی کہیں موجود ہے۔''

ہرمز اُس کے آگے آگے سیڑھیوں پر چڑھ رہا تھا۔ سوفی اُس کا تعاقب کرنے لگی۔ وہ تیز تیز چل رہا تھا اور اپنی دم کو ہلاتے ہوئے گویا سوفی کو اشارہ دے رہا تھا کہ قدم تیز اُٹھاؤ۔ بہت جلد انہوں نے دوسری، تیسری اور چوتھی منزل بھی عبور کر لی۔ اب صرف ایک سیڑھی رہ گئی تھی جو بالا خانے کو جا رہی تھی۔ کیا اُسے اب چھت پر جانا ہوگا؟ ہرمز چند سیڑھیاں چڑھ کر رُک گیا جہاں ایک مختصر سا دروازہ موجود تھا۔ وہ دروازے کو اپنے پنجوں سے کھرچنے لگا۔

سوفی نے محسوس کیا کہ اندر سے قدموں کی آواز دروازے کی طرف بڑھ رہی ہے۔ دروازہ کھلا اور سوفی یہ دیکھ کر ششدر رہ گئی کہ اُس کے سامنے البرٹو ناکس کھڑا تھا۔ اُس نے کھلاڑیوں جیسا شوخ رنگ کا لباس پہن رکھا تھا۔ سوفی کو اُس کا یہ انداز بالکل جوکر جیسا لگا۔ اگر

Marfat.com

اُس کا اندازہ غلطی نہیں تھا تو یہ نشاۃ ثانیہ کے دور کا ایک لباس لگتا تھا۔

''آپ آج بالکل مسخرے کی طرح لگ رہے ہیں۔'' سوفی منمنائی اور اُسے ہلکا سا دھکا دے کر آگے بڑھ گئی۔ ایک بار پھر اُسے ایک دھچکا سا لگا اور وہ کمرے میں اِدھر اُدھر حیرت سے دیکھنے لگی۔

''ذرا دھیرج سے میری بچی!'' البرٹو نے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔

''یہ پیغام میں نے پڑھ لیا ہے۔'' سوفی نے پوسٹ کارڈ اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

البرٹو نے کارڈ اُس کے ہاتھ سے لے کر سرسری مطالعہ کیا اور سر ہلا دیا۔ ''وہ ضرورت سے زیادہ گستاخ اور بے ادب ہوتا چلا جا رہا ہے۔ شاید وہ ہمیں ایک مہرے کی طرح استعمال کر کے اپنی بیٹی کی سالگرہ کی طرف راغب کر رہا ہے۔'' اُس نے جذبات میں آ کر پوسٹ کارڈ کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا۔

''اس میں یہ ذکر بھی ہے کہ ہلڈی کا لاکٹ گم ہو گیا ہے۔'' سوفی نے بتایا۔

''ہاں میں نے پڑھ لیا ہے۔''

''اور وہ میرے تکیے کے نیچے پڑا ہوا مجھے ملا ہے۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ یہ کیسے ہوا؟'' سوفی نے دریافت کیا۔

البرٹو اُس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔ ''یہ تم مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہی ہو۔ یہ ایک گھٹیا حرکت ہے۔ بہتر ہے کہ ہم لوگ مل جل کر اس بات پر غور کریں کہ ایک بڑے سفید خرگوش نے پوری دنیا کو اپنے کاندھوں پر کس طرح سنبھالا ہوا ہے۔''

دونوں نشست گاہ کی طرف بڑھے۔ سوفی نے ایسا عجیب و غریب کمرہ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ البرٹو ایک ایسے بالا خانے پر رہ رہا تھا جس کی دیواریں گول اور پھسلواں تھیں۔ آسمان سے براہ راست روشنی اُن دیواروں پر پڑ رہی تھیں گویا قدرت نے خود ہی کمرہ روشن کرنے کا بندوبست کر دیا ہو۔ وہاں ایک کھڑکی بھی تھی جس سے شہر کا نظارہ کیا جا سکتا تھا۔ اس کھڑکی میں سے سوفی پرانے شہر کا مکمل معائنہ کر سکتی تھی۔

سوفی یہ دیکھ کر مزید حیرت زدہ رہ گئی کہ کمرے میں بے شمار سامان بکھرا پڑا تھا اور یہ سب کا سب کسی نہ کسی تاریخی دور سے تعلق رکھتا تھا۔ ایک صوفہ تیسری دہائی کا تھا اور ایک ڈیسک صدی

Marfat.com

کا آغاز کا۔ ایک کرسی سو سال پرانی تھی۔ فرنیچر کے علاوہ اور بھی بہت سی یادگار اشیاء ہر کونے کھدرے، شیلف میں اور الماریوں کے اوپر پڑی ہوئی تھیں۔ پرانی گھڑیاں، گڑیائیں، چاقو چھریاں، قلم، کتابیں، گلدان اور کھرل وغیرہ وغیرہ۔ بیشتر چیزیں غیر استعمال شدہ حالت میں تھیں اور انتہائی بے ترتیبی سے یوں ہی ڈال دی گئی تھیں۔ ایک طرف مصوری کے چند شاہکار بھی لٹکے ہوئے تھے۔

سوفی گنگ ہو کر یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ ''یہ آپ نے کیا قدیم جھاڑ جھنکار اکھٹا کیا ہوا ہے۔''

البرٹو مسکرایا۔ ''ذرا غور کرو کہ میں نے کتنی صدیوں کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ میں تو اُسے کاٹھ کباڑ نہیں کہوں گا۔''

''شاید آپ قدیم نوادرات کی کوئی دکان کھولنا چاہتے ہیں؟''

البرٹو کے چہرے پر کرب کی ایک لکیر پھیل گئی۔ ''آؤ! آج ہم ان چیزوں پر تاریخ کی بکھری ہوئی گرد صاف کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔''

''مگر اس کا فائدہ کیا ہے؟'' سوفی نے جرح کرنے کی کوشش کی۔

''تم بھی اپنی جگہ درست ہو میری بچی! مگر دھیان رہے کہ ہم صرف اپنے دور میں نہیں جی رہے ہیں۔ ہمارے اندر ایک تاریخ موجود ہے۔ یہ مت بھولو کہ یہاں جو چیزیں تم اس حالت میں دیکھ رہی ہو، کبھی یہ بھی زندہ تھیں۔

لکڑی کی ایک گڑیا شاید سولہویں صدی کی کسی پانچ سالہ لڑکی کی سالگرہ پر تحفے میں پیش کی گئی ہوگی۔ اُس شاندار تقریب میں اُس کے والدین اور دادا دادی بھی شریک ہوں گے۔ اس کے بعد وہ لڑکی شباب کے دور میں داخل ہوگئی ہوگی اور پھر اُس کی شادی ہوگئی۔ اُس کی ایک بیٹی بھی ہے اور یہی گڑیا اُس نے اپنی بیٹی کو سالگرہ پر عطا کی ہے۔ پھر اُس کی عمر بڑھتی چلی گئی، یہاں تک کہ ایک دن موت نے اُسے آن لیا۔ وہ اب کبھی اس دنیا میں واپس نہیں آئے گی، مگر اُس کی گڑیا یہاں شیلف میں آج بھی موجود ہے۔'' البرٹو کہانی سنا رہا تھا اور سوفی کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بہہ رہے تھے۔

''مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تاریخ اس قدر المناک بھی ہو سکتی ہے۔'' سوفی نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔

Marfat.com

''اگر تم ایسے ہی تاثرات اور جذبات کے زیر اثر رہو گی تو تمہارے احساسات بھی یہی رہیں گے۔ زندگی کے بھی دو رخ ہیں۔ المناک اور تابناک۔ ہم ایک خوشگوار اور شاندار دنیا میں جی رہے ہیں۔ آپس میں ملتے جلتے ہیں اور تمام معاملات پر بات چیت کرتے ہیں۔ یہ زندگی چند لمحات پر محیط ہے۔ ہنس کر گزار لے یا رو کر گزار لے۔ جس طرح ہم اس دنیا میں آئے ہیں، اسی طرح ایک دن چلے جائیں گے، مگر یہ دنیا اسی طرح جاری و ساری رہے گی۔''

''کیا میں آپ سے ایک سوال پوچھ سکتی ہوں؟ سوفی نے کہا۔

''ہاں ہاں ضرور۔ اب ہم دونوں کے درمیان سے پردہ اُٹھ گیا ہے۔''

''آپ نے میجر کے کیبن میں رہائش کیوں اختیار کی تھی؟''

''تاکہ میرے خطوط تمہیں فوراً مل جایا کریں۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ کیبن آج کل خالی ہے۔''

''تب آپ اس بات کی بھی وضاحت کریں کہ ہلڈی کے باپ کو کیسے پتہ چلا کہ آپ وہاں موجود ہیں؟'' سوفی نے ایک اور سوال پوچھ لیا۔

''میرا خیال ہے کہ اُسے ہر بات پہلے ہی سے معلوم ہے۔'' البرٹو نے کہا۔

''مگر یہ بات ذرا تعجب خیز ہے کہ وہاں جنگل میں آپ کو ایک ہرکارہ کہاں سے دستیاب ہو گیا؟''

البرٹو کے چہرے پر ایک دلکشی مسکراہٹ پھیل گئی۔ ''ہلڈی کے باپ کے لئے یہ ایک معمولی بات ہے بلکہ بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔''

سوفی ذرا طیش میں آ گئی۔ ''اگر وہ بڈھا مجھے کہیں مل گیا تو میں اُس کی آنکھیں نکال کر رکھ دوں گی۔''

البرٹو اُٹھ کر بے چینی سے ٹہلنے لگا اور پھر ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ ''صرف فلسفہ ہی وہ چیز ہے جو ہمیں ہلڈی کے باپ تک لے جا سکتا ہے۔ آج میں تمہیں نشاۃ ثانیہ کے بارے میں کچھ بتاؤں گا۔''

''ذرا جلدی کیجئے۔''

''سینٹ تھومس اکیوناس کی موت کے فوراً بعد عیسائی تہذیب و تمدن سے ٹوٹ پھوٹ کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ فلسفے اور سائنس نے چرچ کے علم معرفت پر شدید حملہ کر دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک آزاد معاشرہ جنم لینے لگا۔ بیشتر افراد یہ حقیقت جان گئے کہ خدا تک پہنچنے کا

Marfat.com

ذریعہ صرف عقل اور استدلال نہیں ہے کیونکہ خدا کے وجود کا سراغ حاصل کر لینا انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ انسان کی ذمہ داری یہ نہیں ہے کہ وہ اُس کی تلاش میں مارا مارا پھرتا رہے، بلکہ اُس کا کام صرف یہ ہے کہ وہ اُس کے احکام کی تعمیل کرے۔

مذہب اور سائنس ایک دوسرے میں مدغم نہ ہو سکے۔ چنانچہ ان دونوں میں نئی ہم آہنگی پیدا کر کے ایک انقلابِ عظیم لانے کی کوشش کی گئی۔ یہ عرصہ پندرہویں اور سولہویں صدی عیسوی کا ہے۔ اسی کو نشاۃ ثانیہ کی اصلاح کا نام دیا گیا۔

''ان دونوں صدیوں کو یکجا کر دیجئے۔'' سوفی نے التجا کی۔

''نشاۃ ثانیہ سے مراد تہذیب و تمدن کی وہ ترقی ہے جو دراصل چودھویں صدی عیسوی میں شروع ہوئی۔ اس کا آغاز جنوبی اٹلی سے ہوا اور پندرہویں اور سولہویں صدی میں جنوب کی جانب ہی پھیلتا چلا گیا۔ اس عرصے میں فن اور آثار قدیمہ نے رواج پایا۔ ہمیں انسانی ترقی کے بارے میں بھی جاننا چاہئے۔ ایک طویل تاریک دور کے بعد ایک نورانی روشنی طلوع ہوئی اور ہر چیز انسان کے گرد گردش کرنے لگی۔''

البرٹو ناکس اُٹھ کھڑا ہوا۔ اُس نے سبز اور کالے رنگ کے سنگ مرمر کا ٹکڑا اُٹھایا اور اپنی اوپر کی جیب میں ڈال لیا۔ ''اب ہم باروق کے بارے میں بات کریں گے۔ مگر اس معاملے کو کسی اور دن کے لئے اُٹھا رکھو، مائی ڈیئر ہلڈی!''

''کیا، کیا کہا آپ نے؟'' سوفی گھبرا کر صوفے پر سے اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ ''آپ نے مجھے ہلڈی کہہ کر پکارا؟''

''کوئی خاص بات نہیں۔ بس ذرا زبان پھسل گئی تھی،'' البرٹو نے عام سے انداز میں کہا۔

''مگر زبان کی لغزش کو حادثہ نہیں کہا جا سکتا؟''

''ہو سکتا ہے تم درست کہہ رہی ہو۔ شاید تمہیں اس بات کا اندازہ ہو گیا ہو کہ اب ہلڈی کے باپ نے اپنے الفاظ ہمارے منہ میں ڈال دیئے ہیں۔ شاید وہ ہمیں اس بات پر مجبور کرنے کی کوشش کر رہا ہے کہ اب ہم تھک چکے ہیں اور اپنا دفاع نہیں کر سکتے۔''

''ایک بار آپ نے بتایا تھا کہ آپ ہلڈی کے والد نہیں ہیں۔ کیا یہ سچ ہے؟'' سوفی نے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

Marfat.com

''البرٹو نے اثبات میں گردن ہلا دی۔''

''لیکن کیا میں ہلڈی ہوں؟''

''سوفی! اب میں بے حد تھک گیا ہوں۔ تم یہ بات سمجھنے پر غور کرو۔ دو گھنٹے سے زیادہ ہو گیا، ہم یہاں بیٹھ کر مختلف معاملات پر بات چیت کر رہے ہیں۔ اب تم گھر چلی جاؤ اور کچھ کھا پی کر تھوڑا سا آرام کر لو۔'' البرٹو نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

سوفی نے سمجھ لیا کہ اگر وہ نہیں اُٹھی تو البرٹو اسے زبردستی باہر نکال دے گا۔ وہ یہ سوچتے ہوئے باہر نکل آئی کہ البرٹو کی زبان سے جو لفظ پھسل پڑا تھا، وہ آخر کیا تھا؟

ہرمز ہری ہری گھاس پر لیٹا ہوا درختوں پر یوں نظریں جمائے بیٹھا ہوا تھا گویا یہ درخت نہیں، مورتیاں ہیں۔ البرٹو نے کتے کو پچکارا اور کہا۔ ''یہ تمہیں تمہارے گھر تک چھوڑ آئے گا۔''

''آج کے اسباق کا شکریہ۔'' سوفی نے بے دلی سے کہا۔ ''آپ بے حد مہربان استاد ہیں۔'' یہ کہہ کر اُس نے دروازہ کھولا اور سیڑھیوں سے نیچے اترنے لگی۔

دروازہ بند کرنے سے قبل البرٹو نے ایک بار پھر اُسے مخاطب کیا۔ ''بہت جلد ہم لوگ پھر ملیں گے، ہلڈی!''

سوفی نے دیکھا کہ اُس کی جیب خالی ہے اور اب اُسے پیدل ہی جانا پڑے گا۔ لیکن ذرا سا ہی چلنے کے بعد اُسے دس کراؤن کا ایک سکہ نظر آ گیا۔ اُس نے جلدی سے یہ سکہ اُٹھایا اور بس اسٹاپ پر آن کھڑی ہوئی۔ انتظار کے دوران وہ سوچنے لگی۔ ''یہ سکہ یہاں کیسے آیا؟ کیا ہلڈی کا باپ وہیں کہیں آس پاس موجود ہے؟ اکثر وہ ضرورت کی چیز راستے میں ڈال دیا کرتا تھا۔ لیکن اگر وہ لبنان میں ہے تو یہاں میری مدد کو کیسے آ گیا؟ اور البرٹو نے کیا سوچ کر غلط فہمی پیدا کی؟ اور ایک دفعہ بھی نہیں دو دو دفعہ اُس کے منہ سے غلط نام پھسل پڑا۔

سوفی کا پورا جسم تھرا اُٹھا اور وہ دہشت زدہ انداز میں کانپنے لگی۔

Marfat.com

باروق

THE BAROQUE

بہت دنوں تک البرٹو کی جانب سے کوئی خبر نہیں آئی۔ اکثر وہ باغیچے میں جھانک لیا کرتی کہ شاید ہرمز کی ایک جھلک نظر آ جائے۔ اُس نے جوانا سے اُن تمام باتوں کا ذکر کر دیا تھا جو گزشتہ دنوں پیش آئے تھے۔ میل بکس میں پوسٹ کارڈ اور پھر گھر واپس آتے ہوئے دس کراؤن کا سکہ۔ بس ہلڈی والا خواب اور سنہری لاکٹ والی بات کو چھپا گئی۔

مئی 29 منگل کا دن تھا۔ سوفی کچن میں برتن دھو رہی تھی۔ اُس کی ماں نشست گاہ میں ٹی وی پر خبریں سن رہی تھی۔ سوفی نے سنا کہ ناروے یو این بٹالین کا میجر بم کے ایک حملے میں ہلاک ہو گیا ہے۔ وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کمرے کی طرف بھاگی۔ اُس نے میجر کی جھلک چند سیکنڈ کے لئے ہی دیکھی اور پھر ٹی وی دوسری خبر دکھانے لگا۔ سوفی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

''کیا انہوں نے میجر کا نام بتایا تھا؟'' سوفی نے ماں سے پوچھا۔

''ہاں، مگر مجھے نام یاد نہیں ہے۔''

سوفی نے آگے بڑھ کر ٹی وی بند کر دیا۔

''معاملہ کیا ہے سوفی؟''

''کچھ بھی نہیں۔''

''بات تو کوئی نہ کوئی ضرور ہے۔'' ماں نے کریدا۔ ''تمہارا کوئی نہ کوئی بوائے فرینڈ ہے اور وہ تم سے عمر میں کافی بڑا ہے۔ کیا لبنان میں تم کسی کو جانتی ہو؟''

''نہیں تو۔ میں کسی لڑکے یا لڑکی کو نہیں جانتی۔'' سوفی نے بات ٹالتے ہوئے کہا۔

Marfat.com

''یہ تم کس لڑکے یا لڑکی کی بات کر رہی ہو؟'' ماں مشکوک ہوگئی۔

''اس بات سے آپ کا کوئی تعلق نہیں۔''

''ہے، بالکل ہے۔ جو میں پوچھ رہی ہوں، وہ تمہیں بتانی پڑے گی۔''

''جواب میں آپ کو بھی چند سوالات کا سامنا کرنا پڑے گا۔'' سوفی کو غصہ آ گیا۔ ''بتایئے! ڈیڈی گھر واپس کیوں نہیں آئے؟ اگر آپ کو اُن سے دلچسپی نہیں تھی تو آپ نے طلاق کیوں نہیں لے لی؟ شاید آپ کا بھی کوئی بوائے فرینڈ ہوگا۔ اسی لیے آپ مجھے اور ڈیڈ کو اس بارے میں لاعلم رکھنا چاہتی ہوں گی، وغیرہ وغیرہ۔''

''چلو! ہم لوگ بیٹھ کر ذرا تفصیل سے بات کر لیتے ہیں۔'' ماں نے نرم انداز اپناتے ہوئے کہا۔

''ابھی مجھے سخت نیند آ رہی ہے۔ بعد میں باتیں کریں گے۔'' یہ کہتے ہوئے سوفی وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئی۔ جیسے ہی وہ بستر پر لیٹی، ماں بھی اُس کے سرہانے آ کھڑی ہوئی۔ سوفی نے آنکھیں موند لیں مگر وہ جانتی تھی کہ ماں اُس کے اتنی جلدی سو جانے کا یقین نہیں کرے گی۔ ماں بستر کے کنارے پر بیٹھ گئی اور سوفی کے بالوں میں ہاتھ سے کنگھی کرنے لگی۔

سوفی اس سوچ میں الجھی ہوئی تھی کہ بیک وقت دو زندگیاں جینا بھی کس قدر اجیرن ہے۔ فلسفے کا سبق اُسے کہاں لے جا رہا ہے۔ کیا بات اُس کی اپنی سالگرہ کی طرف جا رہی ہے یا پھر موسم بہار کے اُس دن کی طرف جب ہلڈی کا باپ لبنان سے واپس آئے گا۔ ''میں سالگرہ کی تقریب منانا چاہتی ہوں۔'' وہ اچانک بول اُٹھی۔

''یہ تو دلچسپ خبر ہے۔ کس کس کو بلانا چاہتی ہو؟''

''بہت سے لوگ ہیں۔ کیا میں سب کا نام گنواؤں؟''

''تم جس کو بھی بلانا چاہو، میری طرف سے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ ہمارا باغیچہ بہت بڑا اور موسم بھی خوشگوار ہے۔'' ماں نے بڑی فراخ دلی سے کہا۔

''مگر یہ تقریب موسم بہار کے موقع پر منعقد ہونی چاہئے۔ یہ ایک بہت ہی خاص دن ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ جیسا تم چاہتی ہو، ویسا ہی ہوگا۔'' ماں نے ہتھیار ڈال دیئے۔

Marfat.com

سوفی بات تو کر رہی تھی مگر اُس کا نصف چہرہ تکیے میں دفن تھا۔

''سوفی! آج تم کچھ پریشان سی لگ رہی ہو۔ آخر بتاؤ تو سہی، بات کیا ہے؟''

''کیا آپ کی حالت ایسی نہیں ہوتی تھی جب آپ کی عمر پندرہ سال کی ہوگی؟'' سوفی نے پلٹ کر حملہ کر دیا۔

''وہ تو ٹھیک ہے۔ مگر میں جس بارے میں بات کر رہی ہوں، وہ بتاؤ۔''

سوفی نے چہرہ ماں کے سامنے کر دیا۔ ''اُس کتے کا نام ہرمز ہے اور اُس کا تعلق البرٹو نامی ایک فلسفی سے ہے اور وہ پرانے شہر میں رہائش پذیر ہے۔''

''کیا تم وہاں کتے کے ساتھ گئی تھیں؟'' ماں نے گھبرا کر پوچھا۔

''مگر یہ کوئی خطرے والی بات تو نہیں ہے۔ البرٹو اور ہرمز یہاں کئی بار آ چکے ہیں۔ اور وہ مجھے فلسفے کے کئی اسباق سکھاتا رہتا ہے۔ کبھی لکھ کر اور کبھی زبانی۔'' سوفی نے مختصراً بتایا۔

''مگر لبنان سے اُس کا کیا تعلق ہے؟''

''البرٹو کا ایک بھائی ہے جو یو این بٹالین میں میجر ہے۔ اُس کا تعلق للّی سینڈ سے ہے۔ شاید یہ وہی میجر ہوگا جو کبھی میجر کے کیبن میں رہا کرتا تھا۔''

''البرٹو؟ یہ اطالوی نام لگتا ہے۔'' ماں نے کچھ سوچتے ہو کہا۔ ''سوفی! تم البرٹو کو اپنے گھر پر بلاؤ۔ مجھے ایک اصلی فلسفہ دان کو دیکھنے کا بڑا شوق ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ سر البرٹو کو بلانے کی کوشش کروں گی۔''

''اپنی سالگرہ کے دن اُسے دعوت دے دو۔'' ماں نے تجویز پیش کی۔ ''اور سوفی! یہ بات یاد رہے کہ میرے اور تمہارے ڈیڈ کے درمیان کوئی ایسی ویسی بات نہیں ہے۔ ہمارے درمیان کبھی کوئی دوسرا شخص نہیں آیا۔''

سوفی نے اسپرین کی ٹکیا نگلی اور سونے کی کوشش کرنے لگی۔

چند دن بعد کی بات ہے۔ سوفی کو لبنان سے ایک پوسٹ کارڈ موصول ہوا۔

''میجر ہلڈی!

جب یہ کارڈ تمہیں ملے گا، اُس سے قبل فون پر اُس المناک حادثے کے بارے میں ہم دونوں کی بات ہو چکی ہوگی جس میں میجر کا انتقال ہوا۔ کبھی کبھی میں اپنے آپ سے پوچھتا ہوں

Marfat.com

کہ کیا جنگ سے اجتناب کیا جا سکتا ہے، اگر لوگوں کی سوچ مثبت رخ اختیار کر لے۔ بے شک اب کسی دکھ کا درماں نہیں ہو سکتا لیکن میں سوچ رہا ہوں کہ اقوام متحدہ کو فلسفے کے بارے میں ایک مختصر خط لکھوں اور جنرل سیکریٹری سے درخواست کروں کہ وہ اس کی ایک نقل دنیا کے ہر فرد کو بھیج دیں۔

تم نے فون پر بتایا کہ تم میری بتائی ہوئی باتوں میں دلچسپی لے رہی ہو۔ مجھے بے حد خوشی ہوئی۔ جتنے افراد سے میں مل چکا ہوں، اُن میں تم بے شک سب سے ہونہار شاگرد ہو۔ اُس کے بعد تم نے دس کراؤن کے سکے کا ذکر کیا ہے۔ اس سلسلے میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ تمہیں کیسے اور کیوں ملا۔ (اگر مجھے کچھ رقم مل گئی تو یہ میں تمہاری سالگرہ کے تحفے میں شامل کر دوں گا)۔

تم سے محبت کرنے والا ڈیڈ۔ مجھے کچھ ایسا لگ رہا ہے گویا میں نے گھر کی طرف واپسی کا سفر شروع کر دیا ہے۔

دوسرے دن سوفی نے دیکھا کہ ہرمز بیرونی دروازے کے باہر ٹہل رہا ہے۔ وہ سمجھ گئی کہ البرٹو نے اُسے بلایا ہے۔ وہ باہر گئی اور ہرمز کو پچکارا۔ ہرمز آگے آگے دوڑنے لگا اور سوفی بھی اُس کے پیچھے چل پڑی۔ چلتے چلتے جب وہ دونوں اُس جگہ پر پہنچے جہاں سوفی کو دس کراؤن کا سکہ ملا تھا تو سوفی نے دیکھا کہ عین اُسی جگہ ایک پوسٹ کارڈ پڑا ہوا ہے۔ سوفی نے وہیں بیٹھ کر اسے پڑھنا شروع کر دیا۔

''ڈیئر ہلڈی!

زندگی اتفاقی مطابقت کی کئی زنجیروں میں منسلک ہے۔ دس کراؤن کا وہ سکہ جو تمہیں اسی جگہ پر ملا تھا، ممکن ہے کہ یہ کسی ضعیف خاتون کے پرس میں سے گر گیا ہو جو کرسٹین سینڈ پر کسی بس کا انتظار کر رہی ہو گی۔ یہ بھی عین ممکن ہے کہ یہ سکہ اُس لڑکی کو مل گیا ہو جو گھر جانے کے لئے اس کی ضرورت شدت سے محسوس کر رہی ہو۔ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن ہر بات میں خدا کی مصلحتیں شامل ہیں اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ خدا کا کوئی وجود ہے۔ ڈیڈ کی طرف سے محبتیں جو عنقریب لٹی سینڈ کی جانب سفر کرنے ہی والا ہے۔

Marfat.com

ضروری وضاحت

میں نے شاید کہا تھا کہ دس کراؤن حاصل کرنے میں میں تمہاری مدد کروں گا۔
دوسری طرف جو پتہ لکھا تھا، وہ یوں تھا۔ ''ہلڈی مولر کانگ۔ کسی بھی راہ گیر کے ذریعہ۔ اور تاریخ تھی پندرہ جون انیس سو نوے 1990ء۔''

سوفی تیزی سے سیڑھیاں چڑھتی چلی گئی۔ فوراً ہی البرٹو نے دروازہ کھولا اور کہا۔ ''میرا ہر کارہ آخر تمہیں لے ہی آیا۔''

سوفی کو یہ انداز اچھا نہیں لگا۔ بہر حال البرٹو نے ایک طرف ہو کر اُسے اندر آنے کا راستہ دے دیا۔ ''کیا میجر نے کوئی نیا وزیٹنگ کارڈ تم تک پہنچایا؟''

سوفی نے جواب دینے کے بجائے اُس کی طرف بغور دیکھا۔ آج اُس نے ایک اور نرالا لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔ سر پر ایک بڑے بڑے گھونگھریالے بالوں کی وگ تھی۔ ایک طویل اور فراخ سوٹ بدن پر تھا جس کو کئی فیتوں سے کس کر جسم پر باندھا گیا تھا۔ گلے پر شوخ رنگ کا اسکارف لپیٹا گیا تھا اور مخصوص قسم کے جوتے، چمڑے کے بنے ہوئے جن کے سرے پر بو (Bow) لگی ہوئی تھی۔ یہ تمام چیزیں مل جل کر سوفی کو سولہویں صدی کے لوئی چہاردہم کی عدالت کا ایک منظر یاد دلا رہی تھیں جو اُس نے پہلے کسی کتاب میں دیکھ رکھی تھی۔

''بالکل مسخرے لگ رہے ہیں۔'' سوفی نے مسکراتے ہوئے کہا اور کارڈ اُس کی طرف بڑھا دیا۔

''تمہیں یہ کارڈ ٹھیک اُسی جگہ ملا جہاں دس کراؤن کا سکہ ملا تھا؟''

''جی ہاں۔''

''وہ اب بیوقوفی کی انتہا پر پہنچتا جا رہا ہے۔ اُسے ذرا بھی احساس نہیں ہے کہ اس طرح اُس کا نقاب جلد ہی اُتر جائے گا۔ اچھا اب اندر آؤ۔ ہم لوگ بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔ کیا وقت ہوا ہے؟'' البرٹو نے پوچھا۔

''چار بج رہے ہیں۔''

Marfat.com

''آج ہم سترہویں صدی کی باتیں کریں گے۔''

وہ نشست گاہ میں بیٹھ گئے جہاں کی دیواریں پھسلواں اور گول گنبد کی طرح تھیں اور جہاں سورج کی روشنی ایک عجیب انداز سے پھیلی ہوئی تھی۔ سوفی نے محسوس کیا کہ البرٹو نے اکثر و بیشتر چیزوں کو ترتیب سے لگا دیا ہے جو پہلے اَدھر اُدھر پھیلی ہوئی تھیں۔

کافی ٹیبل پر ایک پرانے زمانے کی یادگار صندوقچی رکھی ہوئی تھی جس میں مختلف قسم کے آنکھوں پر لگانے والے چشمے کے شیشے موجود تھے۔ اس کے قریب ہی ایک چھوٹی سی نوٹ بک رکھی ہوئی تھی اور یہ واقعی صدیوں پرانی لگتی تھی۔

''یہ کیا ہے؟'' سوفی نے بے اختیار پوچھا۔

''یہ ڈسکریٹس (Descrate) کے فلسفے پر مشتمل مضامین کی ایک کتاب ہے جو 1637ء میں شائع ہوئی۔ یہ ایک بہت ہی عجیب و غریب کتاب اور معلومات کا ایک خزانہ ہے۔ اس میں دوربین کے عدسوں اور نظر کے شیشوں کا ایک ذخیرہ موجود ہے۔ سولہویں صدی میں ڈنمارک کے ایک فلسفی اسپیز وِنا نے (Spizona) پالش کر کے انہیں جگمگا دیا تھا۔''

''ذرا تفصیل سے سمجھایئے! یہ اسپیز وِنا اور ڈسکریٹ کون تھے؟''

''ٹھیک ہے۔ آؤ! پہلے ہم لوگ ذرا اُس زمانے سے روشناس ہو جائیں۔ آرام سے بیٹھ جاؤ۔'' وہ دونوں پہلے والی اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے۔

سوفی بڑی آرام دہ کرسی میں اور البرٹو ناکس صوفے پر۔ اُن کے درمیان کافی کی میز تھی جس پر صندوقچی اور وہ کتاب رکھی ہوئی تھی۔

البرٹو نے اپنی وگ اتاری اور لکھنے والی میز پر رکھ دی۔ ''اب ہم سترہویں صدی میں جا رہے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں اسے باروق کا زمانہ کہتے ہیں۔''

''باروق؟ کیسا مضحکہ خیز نام ہے۔'' سوفی منمنائی۔

''لفظ باروق ایک ایسے ہیرے کی یاد دلاتا ہے جو عجیب و غریب شباہت کا تھا۔ یہی انداز باروق کی بنائی ہوئی آرٹ کی تصویروں کا بھی تھا۔ نشاۃ ثانیہ کے دور میں یہ آرٹ بے حد مقبول ہوا اور سترہویں صدی میں یہ فن اپنے عروج کو پہنچا۔ دوسرے معنوں میں باروق کا زمانہ خود نمائی کی انتہا پر تھا لیکن ساتھ ہی ساتھ بہت سے لوگ دوسرے نقطۂ نظر سے بھی حالات کو

Marfat.com

دیکھ رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ محض چند دنوں کی بات ہے اور جلد ہی اس کی زیب وزینت کو زوال آ جائے گا۔"

"یہ بھی ایک حقیقت ہے۔ ہر عروج کو زوال ہے۔

ہر شے جو چمکتی ہے، وہ زر نہیں ہوتی
نادانوں کو یہ بات ہی باور نہیں ہوتی

سوفی نے شیکسپیئر کے ایک شعر کو بڑے خوبصورت انداز میں دہرایا۔

"سترہویں صدی کے دو عظیم فلسفہ دانوں کا ذکر ضروری ہے۔ یہ ہیں۔" ڈسکریٹس (Descrates) اور سپیزونا (Spinoza)۔ ان دونوں نے روح اور جسم کی چیقلش اور مسائل پر کافی غور وخوص کیا اور بہت نزدیک سے ان پر تفتیش کی۔"

ٹھیک ہے، میں سننے کو تیار ہوں۔ مگر ذرا مختصراً بتایئے گا۔ مجھے سات بجے تک گھر واپس پہنچنا ہے۔" سوفی نے تاکید کی۔

Marfat.com

ڈسکریٹس (DESCRATES)

(1596 - 1650)

البرٹو نے کھڑے ہو کر اپنا لباس درست کیا اور دوسرے صوفے پر بیٹھ گیا۔ ''عظیم ڈسکریٹس 1596ء میں پیدا ہوا اور دنیا کے مختلف شہروں کی سیر و سیاحت کرتا رہا اور علم حاصل کرتا رہا۔ جوانی میں اس کی خواہش تھی کہ وہ انسانی فطرت اور کائنات کا علم حاصل کرے۔ مگر فلسفے کے علم نے اس کی ہر خواہش کو فراموش کر دیا۔ ایک اندازے کے مطابق وہ سقراط کے مرتبے تک پہنچ چکا تھا۔ کچھ کم یا زیادہ۔ اس کا کہنا تھا کہ تھوڑا سا علم حاصل کرو مگر اس پر پوری دسترس حاصل کر لو۔''

''افلاطون کا خیال بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ وہ کہتا تھا کہ اچھی طرح معلومات حاصل کر لینا ہی اصل ذہانت اور علم ہے۔ سوفی نے کہا۔

''بالکل درست۔ سقراط سے لے کر افلاطون، سینٹ آگسٹائن اور ڈسکریٹس تک وراثت میں یہ بات چلی آ رہی ہے۔ یہ سب کے سب صاحب علم افراد تھے۔ ایک سخت تحقیق کے بعد ڈسکریٹس اس نتیجے پر پہنچا کہ انسانی علوم کا جو تجزیہ سولہویں صدی سے ہم تک پہنچا، نا قابل اعتبار ہے۔ سقراط کا رویہ بھی ایسا ہی تھا۔ وہ ایتھنز کے خاص چوراہے پر دوسرے عالموں سے بحث مباحثے میں یہی کہا کرتا تھا۔ چنانچہ میں نے بھی اسی فلسفے پر سوچنا شروع کر دیا۔ ڈسکریٹس نے ایک دن فیصلہ کیا کہ وہ تمام یورپ کا چکر لگا لے گا۔ چنانچہ وہ فوج میں داخل ہو گیا جس کی وجہ سے اسے یورپ کے کئی علاقوں کو دیکھنے کا موقع ملا۔ کچھ عرصہ اس نے پیرس میں بھی گزارا مگر پھر 1629ء میں ہالینڈ چلا گیا۔ یہاں اسے بیس سال تک رہنے کا موقع ملا لہٰذا اس نے پوری دلجمعی کے ساتھ علم ریاضی اور فلسفے پر اپنا وقت لگا دیا۔ ان موضوعات پر اس نے کئی کتابیں

Marfat.com

بھی لکھیں۔

1649ء میں سویڈن کی ملکہ کرسٹینا نے اسے اپنے ملک آنے کی دعوت دی لیکن انہی دنوں اس پر نمونیا کا زبردست حملہ ہوا اور وہ 1650ء میں انتقال کر گیا۔''

''گویا وہ صرف 54 سال کی عمر میں مر گیا؟'' سوفی نے دریافت کیا۔

''ہاں۔لیکن اتنی کم عمر میں بھی اس نے کئی کارنامے انجام دیے۔

فلسفے کے میدان میں اس کے علم کا اثر کافی عرصے تک قائم رہا۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ جدید فلسفے کا اصل موجد تھا۔اور اس کے بعد اسپرز ونا، کپبنیز ،لاکس، برکلے، ہیوم اور کانٹ نے مزید تحقیقات کرتے اس علم کو عروج پر پہنچا دیا۔آؤ! اب اسپرز ونا کی طرف چلتے ہیں۔'' البرٹو نے بات کو مختصر کرتے ہوئے کہا۔

Marfat.com

اسپیز ونا (SPINOZA)
(1632-1677)

بارش اسپیز ونا کا عرصہ حیات 1632ء سے 1677ء تک ہے۔اس کا تعلق ایمسٹرڈم کی یہودی آبادی سے تھا لیکن وہ ہر قسم کے تعصب سے پاک تھا۔اس نے اچانک عیسائیت اور یہودیت کے بعض عقائد پر حملہ کر کے اپنے مخالف پیدا کر لیے۔"

"ذرا وضاحت کیجیے۔" سوفی نے کہا۔

"اس نے اس بات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ بائبل کے آخری الفاظ خدا نے تحریر کروائے تھے۔اس نے بتایا کہ جب ہم بائبل کا مطالعہ کرتے ہیں، ہمیں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ کون سا دور تھا۔علم و عقل کا ایک مشکل اور مایوس کن دور جس کے بارے میں کتابیں ہمیں کچھ نہیں بتاتیں۔حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات نے کچھ آزادی کی راہ دکھائی اور یہودیت کے کٹر اعتقادات سے کسی حد تک نجات دلائی۔حضرت عیسیٰؑ نے جس مذہب کی تعلیم اور ترغیب دی وہ عوام میں مقبولیت کا درجہ حاصل کرتا جا رہا تھا۔اسپیز ونا نے بھی یہی طرز عمل اپنایا اور خدا، محبت اور انسانیت کا پرچار کرتا رہا۔

اسپیز ونا نے یہ فلسفہ اپنایا کہ تمام مادی چیزیں اور ہر وہ شے جو ہمارے اردگرد موجود ہے، وہ خدا کی قدرت کا نمونہ ہے۔چنانچہ جو کچھ ہم سوچتے ہیں، وہ خدا کی سوچ کے مطابق ہے۔ہر چیز بنیادی طور پر ایک ہی ہے۔خدا ایک ہے، فطرت ایک ہے یا اس کا اصل مادہ ہے"۔

"لیکن ذرا میرے سوال کا جواب دیجیے،" سوفی کا چلبلا پن اسے درمیان میں سوال کرنے سے نہ روک سکا۔" جب میں کچھ سوچ رہی ہوں تو یہ صرف میں ہوں۔جب میں کوئی جنبش کر رہی ہوں تو یہ میرا ذاتی فعل ہے۔ان باتوں کے درمیان خدا کو خواہ مخواہ بیچ

Marfat.com

میں لانے کی کیا ضرورت ہے؟''

''مجھے خوشی ہوئی کہ تم ہر بات دلچسپی اور محویت سے سن رہی ہو۔'' البرٹو نے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کہا۔ ''مگر یہ سمجھنے کی کوشش کرو کہ تم کون ہو اور کیا ہو؟ تم سوفی آمنڈسین نامی ایک لڑکی ہو، مگر تم خدا کی تخلیقی قوت کا محض ایک ذرہ ہو۔ تم اگر خواہش کرو تو تم اپنی سوچ کے مطابق سوچ سکتی ہو، حرکت کر سکتی ہو۔ مگر کیا تم اس حقیقت سے انکار کرو گی کہ یہ سب کچھ فطرت کا تقاضا ہے۔ سوال صرف یہ ہے کہ معاملے کو تم کس انداز سے دیکھتی ہو، یعنی کون سا عدسہ استعمال کرتی ہو؟''

''گویا آپ یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ مجھے اپنی مرضی پر اختیار نہیں ہے۔''

''اس کا جواب ہاں بھی ہے اور نہیں بھی۔ تمہیں یہ حق حاصل ہے کہ اپنے انگوٹھے کو جس رخ پر چاہو، حرکت دے سکتی ہو۔ لیکن انگوٹھا اپنی فطرت کے مطابق ہی آگے پیچھے جا سکتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ یہ اچانک تمہارے ہاتھ سے باہر نکل جائے اور کمرے کے درمیان میں رقص کرنا شروع کر دے۔ اسی طرح خود تمہارا اپنا وجود قدرت کے کارخانے میں ایک خاص مقام رکھتا ہے۔ تم بھی خدا کے جسم کی ایک انگلی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی ہو، مائی ڈیئر سوفی!''

''گویا کہ خدا کی مرضی کے بغیر ایک پتہ بھی نہیں ہل سکتا؟''

''اس کو فطرت کہتے ہیں یا فطرت کا قانون۔ اسپیز وزا کا اعتقاد تھا کہ خدا یا فطرت، ہر اس چیز میں خود بخود شامل ہے جو دنیا میں وقوع پذیر ہو رہا ہے۔ کٹھ پتلی کا تماشا دکھانے والا فن کار، کٹھ پتلی کی ایک ایک حرکت کو اپنی مرضی کے مطابق قابو میں رکھتا ہے اور اسے جنبش دیتا ہے۔ مگر خدا کی قدرت کا انداز ذرا مختلف ہے۔ وہ دنیا کو فطرت کے قوانین کے مطابق چلا رہا ہے۔ جو کچھ ہمیں دکھائی دے رہا ہے، اس کے اندر یہی راز پوشیدہ ہے۔ اسپیز وزا، دنیا اور فطرت کو حقیقت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ فلسفی زینو کے پرستاروں کا بھی یہی رویہ تھا۔ (زینو کا مقولہ تھا کہ انسان کو خوشی اور رنج کے احساس سے بالاتر ہونا چاہیئے)۔ ان کا کہنا بھی یہی تھا کہ ہر چیز ضرورت کے مطابق اپنے وقت پر سامنے آتی ہے۔ لہذا زینو کے فلسفے کے مطابق ہر ردعمل ہونا چاہیئے۔ مختصراً یہی اسپیز وزا کا اخلاقی اصول تھا۔''

''آپ کی باتیں تو سمجھ میں آ رہی ہیں۔ مگر مجھے اس بات سے اتفاق نہیں ہے کہ میں اپنی

Marfat.com

مرضی سے کوئی فیصلہ نہیں کرسکتی؟'' سوفی نے ایک اور نکتہ اعتراض اٹھایا۔

''چلو! ہم تیس ہزار برس قبل پتھروں کے دور میں چلتے ہیں۔ایک لڑکا جب جوان ہوتا ہے تو اس کی حرکتیں وحشیانہ ہوتی ہیں اور وہ خوں خوار جانوروں کے انداز میں پرورش پاتا ہے۔ ایک وقت ایسا آتا ہے جب وہ کسی لڑکی سے محبت کرنے لگتا ہے اور وہ لڑکی اس کے بچے کو جنم دیتی ہے۔وہ سب اپنے قبیلے کے خداؤں کی پرستش کرتے ہیں۔کیا تمہارا خیال ہے کہ یہ سب کچھ اس کے ذاتی افعال کا نتیجہ ہے؟''

''نہیں، ایسا تو نہیں ہے۔'' سوفی نے تسلیم کیا۔

''جب تک بچے کو اپنی مرضی کا اختیار ہے، تب دو سال کی عمر میں وہ ہر طرف دوڑنے بھاگنے کی کوشش کرتا ہے۔تین سال کی عمر میں والدین کا ناک میں دم کر دیتا ہے۔اور چار سال میں اندھیرے اور تنہائی سے خوف محسوس کرنے لگتا ہے۔اگر وہ لڑکی ہے تو پندرہ سال میں آئینے کے سامنے بیٹھنا اور میک اپ کرنا پسند کرتی ہے تو یہاں اس کی ذاتی پسند و ناپسند کہاں چلی جاتی ہے؟ مگر یہ حقیقت ہے کہ وہ قدرت کے قانون سے روگردانی نہیں کرسکتی۔اس کی وجہ یہ ہے کہ کئی ایسے احساسات اور وجوہات ہیں جن کا علم خود اسے بھی نہیں ہے۔''

''بس، اب مجھ میں اور زیادہ سننے کا حوصلہ نہیں ہے۔'' سوفی تھک چکی تھی۔

''مگر ایک سوال کا جواب دیتی جاؤ، دو ہم عمر درخت ایک ہی باغ میں پرورش پا رہے ہیں۔ایک درخت کو اچھی آب و ہوا اور زمین میسر ہے، جب کہ دوسرے درخت کو یہ چیزیں ذرا کم میسر ہیں۔اب بتاؤ! کون سا درخت سرسبز و شاداب رہے گا اور کس درخت میں زیادہ پھل آئیں گے؟''

''ظاہر ہے، وہی درخت زیادہ بارآور ہوگا جس کو زیادہ اچھا ماحول میسر ہے۔''

''اسپنوزا بھی یہی کہتا ہے۔جس درخت کو جتنی زیادہ سہولتیں میسر ہیں، اس کی صلاحیتیں بھی اتنی ہی زیادہ اجاگر ہوں گی۔لیکن اس کے باوجود وہ اپنی فطرت سے روگردانی نہیں کرسکتا۔ اگر وہ سیب کا درخت ہے تو اس پر سیب ہی پھلیں گے، آڑو ناشپاتی نہیں۔انسان پر بھی یہی قانون لاگو ہوتا ہے، ہماری تعلیم و تربیت میں مختلف سیاسی اور سماجی رکاوٹیں حائل ہوسکتی ہیں لیکن ہماری نشوونما اس وقت پھلے پھولے گی جب ہم ہر قسم کے دباؤ سے آزاد ہوں گے۔لیکن ہماری فطرت ایک ہی ہوگی۔افریقہ کا شیر۔پتھر کے زمانے کا انسان، یا سیب کا درخت۔''

Marfat.com

''اچھا! اب میں اجازت چاہتی ہوں۔ بہت دیر ہوگئی ہے۔'' سوفی نے درخواست کی۔

البرٹو کھڑا ہوگیا اور بک شیلف پر سے پھلوں کا طشت اٹھا کر سوفی کو پیش کیا۔ ''جانے سے قبل ایک دو پھل کھالو تا کہ تمہارے ذہن کی کشیدگی دور ہو جائے۔''

سوفی نے ایک کیلا اٹھا لیا اور البرٹو نے سبز رنگ کا سیب۔ سوفی نے کیلے کا چھلکا اتارنا شروع کیا اور اچانک چلائی۔ ''اس پر تو کچھ لکھا ہوا ہے۔''

''کہاں''؟

''چھلکے کے اندر، ایسا لگتا ہے گویا کسی نے قلم اور روشنائی سے باقاعدہ طور پر کچھ لکھا ہے۔''

سوفی البرٹو کی طرف جھکی اور البرٹو نے بلند آواز میں یہ تحریر پڑھی۔

''ہلڈی! میں دوبارہ تمہارے سامنے موجود ہوں۔ تم مجھے ہر جگہ موجود پاؤ گی۔ سالگرہ مبارک ہو۔''

''یہ کیا مذاق ہے۔'' سوفی دنگ رہ گئی۔

''یہ شخص بلا کا عیار اور چالباز دکھائی دیتا ہے۔'' البرٹو نے تبصرہ کیا۔

''میں یہ کیلا نہیں کھاؤں گی۔'' سوفی کو غصہ آ گیا۔

''ٹھیک ہے۔ اسے رہنے دو۔ مگر ذرا غور کرو۔ جو شخص اپنی بیٹی کو سالگرہ کی مبارکباد اس طرح دے سکتا ہے، وہ کتنا ذہین اور خوش سلیقہ ہوگا۔''

''یقیناً۔''

''تو ہمیں یہ تسلیم کر لینے میں کوئی عار نہیں ہونا چاہیئے کہ ہلڈی کا باپ کس قدر اعلیٰ قابلیت اور ذہانت کا حامل ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ وہ کوئی احمق نہیں ہے۔'' البرٹو نے اس کی تعریف کی۔

''یہی تو میں بھی کہہ رہی ہوں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ایک بار پہلے آپ مجھے ہلڈی کے نام سے مخاطب کر چکے ہیں۔ شاید وہ آپ کے منہ میں اپنے الفاظ ڈالنے کی کوشش کر رہا ہے۔''

''یقین سے تو کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔''

''اچھا! اب میں چلتی ہوں۔ میری ماں میرے انتظار میں دیوانی ہو رہی ہوگی۔''

البرٹو نے اسے دروازے پر خدا حافظ کہا۔ ''جلد ہی دوبارہ ملیں گے، ڈیئر ہلڈی۔'' اور دروازہ بند ہو گیا۔

Marfat.com

لوکی (LOCKE)
(1632-1704)

سوفی جب گھر پہنچی تو رات کے ساڑھے آٹھ بج رہے تھے۔

''کیا البرٹو سے مل کر آ رہی ہو؟'' ماں نے خشمگیں نگاہوں سے پوچھا۔

''جی ہاں۔'' سوفی نے شرمندہ لہجے میں جواب دیا۔

''اپنی سالگرہ کی تقریب کے لیے اسے دعوت دی؟''

''اوہ۔ میں بالکل ہی بھول گئی۔'' سوفی نے شرمندگی کا اظہار کیا۔

''میں البرٹو سے ملاقات کیلئے بے چین ہوں۔ کل صبح ہوتے ہی مجھے اس کے پاس لے چلو۔ تمہاری جیسی نوجوان لڑکی کا اس جیسے مرد سے ملنا بڑا ہی غیر فطری لگتا ہے۔''

''البرٹو بالکل بے ضرر آدمی ہے، لیکن ہلڈی کا باپ بڑا ہی خطرناک ہے۔'' سوفی نے انجانے میں کہہ دیا۔

''مگر ہلڈی کون ہے؟''

''اس کا باپ لبنان میں ہے اور کوئی نیک انسان نہیں لگتا۔''

''اگر تم نے فوراً ہی البرٹو سے میری ملاقات نہیں کروائی تو پھر میں آئندہ تمہیں اس سے ملنے نہیں دوں گی۔ اس کو دیکھے بغیر میرے دل کی خلش دور نہیں ہوگی۔''

سوفی کو اچانک ایک خیال آیا اور وہ اپنے کمرے کی طرف دوڑ پڑی۔ اس نے ایک وڈیو کیسٹ پکڑا ہوا تھا جسے اس نے فوراً ہی وی سی آر میں لگا دیا۔ جلد ہی ایتھنز کی تصویریں نمایاں ہونے لگیں۔ البرٹو براہ راست سوفی سے مخاطب تھا۔ سوفی کی یاد بھی تازہ ہوگئی۔ ایتھنز سیاحوں سے بھرا پڑا تھا اور وہ مختلف گروپ میں تقسیم ہو کر ادھر اُدھر سیر کر رہے تھے۔ ایک گروپ نے

Marfat.com

ایک پلے کارڈ تھام رکھا تھا جس پر واضح حروف میں ہلڈی لکھا ہوا تھا۔ البرٹو ایتھنز کے بارے میں اپنی معلومات بکھیرتا جارہا تھا۔ چند لمحوں بعد وہ صدر دروازے میں داخل ہو کر Areopagos نامی پہاڑی پر چڑھ گیا جہاں پال Paul نے ایتھنز کے باشندوں سے خطاب کیا تھا۔ اور پھر وہ چوراہے پر چڑھ کر سوفی سے باتیں کرنے لگا۔

ماں کی آنکھیں تصویروں میں گڑ کر رہی گئیں۔ ''ناقابل یقین! کیا یہی البرٹو ہے؟ اس نے کسی کمزور کھلاڑی کا ذکر کیا۔ کیا واقعی وہ تم ہی سے مخاطب ہے سوفی؟ مجھے نہیں معلوم کہ پال کبھی ایتھنز گئے تھے۔''

اب وڈیو وہ منظر دکھا رہا تھا جہاں قدیم ایتھنز تباہی کے بعد از سر نو ابھرنا شروع ہوا تھا۔ سوفی نے فوراً ویڈیو بند کر دیا۔ وہ بس البرٹو کی شکل اپنی ماں کو دکھانا چاہتی تھی اور یہ مقصد پورا ہو گیا تھا۔ کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

''اب بتائیں! آپ نے اس کے بارے میں کیا فیصلہ کیا؟'' سوفی نے پوچھا۔

''یہ تو کوئی جادوگر لگتا ہے۔ اس نے اپنے آپ کو ایتھنز میں فلم بند کیا۔ صرف ایک انجان لڑکی کو یہ کیسٹ بھیجنے کے لیے۔ وہ ایتھنز کب گیا تھا؟''

''مجھے نہیں معلوم'' سوفی نے اعتراف کیا۔

''مگر ایک بات اور بھی ہے۔ اس کی شباہت اس میجر سے کافی ملتی جلتی ہے جو جنگل کے اندر ایک چھوٹے سے کیبن میں رہا کرتا تھا۔''

''یہ تو عین ممکن ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ وہی ہو۔''

''لیکن پندرہ سال گزر گئے اسے کسی نے نہیں دیکھا۔''

''وہ کہیں چلا گیا ہوگا۔ ممکن ہے ایتھنز میں ہی بس گیا ہو۔'' سوفی نے اندازہ لگایا۔ ماں نے سر کو ایک جنبش دی۔ ''ستر 70 کے عشرے میں جب میں نے اسے دیکھا تو وہ ایسا ہی لگتا تھا جیسا کہ اس کیسٹ میں ہے، اس کا کوئی عجیب و غریب نام بھی تھا؟''

''ناکس؟'' کیا یہی نام تھا؟'' سوفی نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا۔

''ہاں سوفی۔ ہوسکتا ہے یہی نام ہو۔''

''یا پھر ناگ ہوگا؟''

Marfat.com

''مجھے یاد نہیں ہے۔ معلوم نہیں تم کس ناکس یا ناگ کے بارے میں بات کر رہی ہو؟''
ماں کچھ پریشان سی لگ رہی تھی۔

''ایک نام تو البرٹو کا ہے اور دوسرا ہلڈی کے باپ کا۔''

''ان باتوں نے مجھے سخت پریشانی مین مبتلا کر دیا ہے''۔

دونوں نہ جانے کس فکر میں گم ہو گئیں۔

دو ہفتے مزید گزر گئے۔ البرٹو کی طرف سے کوئی خبر نہیں آئی۔ اس اثنا میں ہلڈی کی سالگرہ کا ایک اور کارڈ موصول ہو گیا۔ مگر خود اسے کوئی کارڈ نہیں ملا حالانکہ اس کی سالگرہ کا دن بھی قریب تر آتا جا رہا تھا۔

ایک دن سوفی یوں ہی گھومتے گھامتے پرانے شہر کی طرف جا نکلی۔ اس نے البرٹو کے دروازے پر دستک دی۔ وہ شاید گھر پر نہیں تھا مگر دروازے پر ایک رقعہ چسپاں تھا۔ لکھا ہوا تھا۔

''سالگرہ مبارک ہو ہلڈی! یہ پرمسرت دن اب تمہارے دروازے پر دستک دینے ہی والا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے۔ جب بھی میں اس بارے میں سوچنے لگتا ہوں، نہ جانے کیوں مجھے ہنسی آجاتی ہے۔ اس بات کا ایک فطری تعلق برکلے سے ہے، لہٰذا تم اپنے آپ کو تیار رکھو۔''

سوفی نے یہ پرزہ ایک جھٹکے سے کھینچ لیا اور باہر نکلتے ہوئے البرٹو کے میل بکس میں ڈال دیا۔ ''کہیں وہ دوبارہ ایتھنز نہ چلا گیا ہو؟ اسے ایسا نہیں کرنا چاہیئے تھا، میرے ذہن میں جو ہزاروں سوالات کلبلا رہے ہیں، ان کا جواب کون دے گا؟''

چودہ جون کو جب وہ اسکول سے واپس آئی۔ اس نے دیکھا کہ ہرمز باغیچے کے آس پاس ٹہل رہا ہے۔ سوفی بے اختیار اس کی طرف دوڑی اور وہ بھی اسی طرح خوشی سے بے تاب ہو کر آگے بڑھا۔ دونوں ایک طرف روانہ ہو گئے مگر سوفی نے ایک رقعہ ماں کے نام لکھا اور اس میں البرٹو کا پتہ بھی لکھ دیا۔

جیسے جیسے اس کے قدم آگے بڑھتے چلے گئے، وہ آنے والے کل کے بارے میں سوچ سوچ کر بے چین ہوتی رہی۔ اپنی سالگرہ کے بارے میں نہیں، کیونکہ وہ تو موسم بہار میں منائی جاتی تھی۔ کل ہلڈی کی سالگرہ کا دن تھا۔ سوفی کو ایسا لگ رہا تھا جیسے کل کچھ خلاف توقع

Marfat.com

ہونے والا ہے۔ کم از کم شاید لبنان سے آنے والے سالگرہ کی مبارکباد کے کارڈوں کا مسئلہ ہی حل ہو جائے۔

جب وہ پرانے شہر میں داخل ہونے سے قبل ایک پارک میں پہنچے تو ہرمز اچانک رک گیا۔ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ سوفی کو بھی ذرا آرام کرنے کو کہہ رہا ہے۔ سوفی قریب ہی پڑے ہوئے بنچ پر بیٹھ گئی اور جب اس نے کتے کے سر پر بڑے پیار سے ہاتھ پھیرا تو وہ بھی اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ ہرمز انگڑائیاں لینے لگا۔ سوفی ڈر گئی۔ پتہ نہیں وہ کیا چاہتا ہے۔ لیکن سوفی کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب ہرمز نے بڑے پرخلوص اور پیار بھرے انداز میں کہا۔

''سالگرہ مبارک ہو ہلڈی!''

سوفی ساکت ہو کر رہ گئی۔ کیا یہ بات کتے نے ادا کی تھی؟ یہ ناممکن ہے۔ یہ یقیناً اس کا تصور ہوگا کیونکہ وہ ہلڈی کے بارے میں ہی سوچ رہی تھی۔ مگر شش و پنج کے عالم میں بھی وہ یہ جان رہی تھی کہ یہ الفاظ کتے نے ہی کہے ہیں اور بالکل صاف اور واضح آواز میں۔

اگلے چند لمحات میں حالات معمول پر آ چکے تھے۔ ہرمز نے بھونکنے کا مظاہرہ کر کے شاید یہ ثابت کرنا چاہا کہ وہ انسانی آواز اس کی نہیں تھی، اور پھر مستانہ چال چلتا ہوا البرٹو کے فلیٹ کی جانب بڑھنے لگا۔ سوفی نے آسمان کی طرف دیکھا۔ موسم سارا دن بے حد خوشگوار تھا، لیکن اب بادل گھر کر آنے لگے تھے۔

البرٹو نے جیسے ہی دروازہ کھالا، سوفی اس پر برس پڑی۔ ''آپ اس قدر سنجیدہ اور عالم فاضل بنتے ہیں، لیکن آپ عقل سے بالکل کورے ہیں۔''

''مگر ہوا کیا؟ کچھ بتاؤ تو سہی؟'' البرٹو پریشان ہو گیا۔

''میجر نے ہرمز کو انسانی زبان بھی سکھا دی ہے۔''

''ہیں؟ یہ کیسے ہوا؟ اچھا یہ بتاؤ۔ اس نے کہا کیا؟ شاید اس نے سالگرہ کے بارے میں کچھ کہا ہوگا؟'' البرٹو نے اندازہ لگایا۔

''بالکل ٹھیک''۔ کیا آپ نے وہ خط پڑھا جو میں نے آپ کے میل بکس میں ڈال دیا تھا؟'' سوفی نے پوچھا۔

''مجھے اس بات سے کوئی واسطہ نہیں کہ اسے برکلے کی شکل دیکھ کر ہنسی کیوں آتی ہے؟

Marfat.com

بہرحال، آؤ اب کچھ کام کی باتیں کرتے ہیں۔ آج ہم چند عظیم اور تجربہ کار فلسفہ دانوں کے بارے میں بات کریں گے۔ ان کے نام لوکی، برکلے اور ہیوم ہیں۔ یہ تینوں افراد برطانیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ارسطو نے کہا کہ انسانی دماغ ایک سلیٹ کی طرح بالکل سادہ ہوتا ہے۔ لوکی بھی ارسطو کے اس خیال سے متفق تھا۔ جب تک کوئی بات تصور میں نہیں آتی، اس وقت تک دماغ بالکل خالی رہتا ہے۔ اس کی مثال سونا ملی ہوئی مٹی سے دی جاسکتی ہے۔ پہلے پہل جو چیز آپ کے ہاتھ آتی ہے، وہ ریت یا مٹی ہے لیکن رفتہ رفتہ اس کے اندر سے سونے کی ایک جھلک ابھرتی ہے۔"

"اور سونے کا یہی ذرہ ہمارے تجربے کا اصل حصول ہے؟" سوفی نے کہا۔

"تم نے ٹھیک سمجھا۔ مگر بہتر ہے کہ ہم ایک وقت میں ایک شخصیت پر غور کریں۔ پہلا فلسفہ داں ہے، جون لوکی (John Locke) وہ 1632ء سے 1704ء تک زندہ رہا۔ "انسانی سوجھ بوجھ پر مشتمل مضامین" نامی کتاب 1690ء میں شائع ہوئی۔ اس پوری کتاب میں دو سوالوں پر بحث کی گئی ہے۔ اول یہ کہ ہمیں خیالات کہاں سے موصول ہوتے ہیں اور دوم، کیا ہم ان خیالات پر بھروسہ کرسکتے ہیں۔ ان دونوں سولات پر ہم بیک وقت بات کریں گے۔ لوکی کا دعویٰ ہے کہ ہمارے خیالات ہمارے تصورات سے جنم لیتے ہیں۔ قبل اس کے ہم کوئی بات فرض کریں، ہمارا دماغ بالکل صاف سلیٹ کی مانند ہے۔ اور جب ہم کوئی بات محسوس کرنے لگتے ہیں تو ہمارا دماغ اس بلیک بورڈ کی طرح صاف ہوتا ہے جیسا کہ کلاس روم میں داخل ہونے سے قبل۔ لوکی نے انسانی ذہن کو ایک خالی کمرے سے تشبیہ دی۔ لیکن جب ہم غور کرنا شروع کرتے ہیں تو دنیا ایک عجیب وغریب انداز میں سامنے آتی ہے۔ ہم آس پاس کی چیزیں دیکھنے لگتے ہیں، ہماری ناک سونگھنے لگتی ہے۔ ہماری زبان کو ذائقہ محسوس ہونے لگتا ہے اور ہماری سننے کی طاقت بحال ہوجاتی ہے۔ شیر خوار بچے بھی بس اتنا ہی کچھ کرسکتے ہیں۔ اسی بات کو لوکی نے عام احساسات کا نام دیا ہے اور دماغ کو انہی معلومات تک محدود رہنا پڑتا ہے۔ آگے چل کر سوچنے کی قوت کام کرنے لگتی ہے، جیسے کہ سوال جواب، یقین اور شک وشبہ۔ ان باتوں کو اس نے عکس قرار دیا۔ دماغ سست رفتار نہیں ہے۔ وہ ہر سوچ کی آمد کو تیزی سے منتقل کرتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ہمیں اپنی نگرانی کرنی ہے۔

Marfat.com

''نگرانی یا حفاظت سے کیا مراد ہے؟'' سوفی نے دریافت کیا۔

''لوکی کا اصرار تھا کہ ہمیں صرف سادہ اور عام سے خیالات پر توجہ دینی چاہیئے۔ مثلاً میں سیب کھا رہا ہوں۔ میں ایک ہی بار میں ہر بات پر توجہ نہیں دے سکتا ہوں کہ اس کا رنگ کیسا ہے، اس میں کون سی خوشبو ہے اور یہ سخت ہے یا نرم۔ کئی بار دیکھنے اور کھانے کے بعد سیب کا ایک واضح تصور ذہن میں آتا ہے، اور یہی بات لوکی ہمیں بتانا چاہ رہا ہے۔ جب ہم ناسمجھ بچے ہوتے ہیں اور پہلی بار سیب کا مزہ چکھتے ہیں تو اس وقت ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ بس ہمیں اتنا اندازہ ہوتا ہے کہ کوئی سبز رنگ کی چیز ہمارے منہ میں جا رہی ہے جو کہ رس دار بھی ہے میٹھی بھی اور کچھ ترش بھی۔ رفتہ رفتہ مختلف پہچان ہوتی جاتی ہے۔ اس طرح ہم دنیا کو پہچاننے لگتے ہیں۔''

''گویا کہ ہم کوئی بات اسی وقت یقین سے کہہ سکتے ہیں جب تک کہ ہم پوری طرح اسے دیکھ نہ لیں، سن نہ لیں، سونگھ نہ لیں اور اس کا ذائقہ نہ چکھ لیں۔''

''ہاں بھی اور نہیں بھی۔ اس کے بعد ہم دوسرے سوال کی طرف آتے ہیں جس کا جواب لوکی نے دینے کی کوشش کی ہے۔ پہلے اس نے یہ بات سمجھائی ہے کہ خیالات کہاں سے آتے ہیں۔ اب وہ دریافت کر رہا ہے کہ کیا دنیا وہی دنیا ہے جس طرح ہم نے اسے پہچانا ہے۔ اس بات پر ذرا غور کرنے کی ضرورت ہے سوفی! ہم لوگ یکدم کوئی آخری نتیجہ نہیں حاصل کر سکتے۔ ایک عالم اور فاضل فلسفی ایسا کبھی نہیں کرتا۔

لوکی نے ابتدائی اور ثانوی کے درمیان فرق بیان کیا ہے اور یہ بھی بتایا کہ اسے عظیم فلسفہ دانوں کے خیالات کے بارے میں شک وشبہ کیوں ہے۔ بنیادی خصوصیات میں ہم وسعت، وزن، حرکت اور تعداد کو رکھ سکتے ہیں اور یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ سب کچھ شعور کی کرامات ہیں۔ اب ہمیں مٹھاس اور ترشی کا احساس ہوتا ہے، سبز اور سرخ دکھائی دیتا ہے، گرم اور ٹھنڈے کا فرق پتہ چلتا ہے۔ ثانوی معلومات میں لوکی نے رنگوں کی پہچان، سونگھنے کی قوت، لذت اور آواز کی خوبیوں کا ذکر کیا ہے اور شعور کی حقیقت کو بیان کیا ہے''۔

''دوسرے لفظوں میں یہ ہر ایک کے اپنے ذائقے پر منحصر ہے؟'' سوفی نے پوچھا۔

Marfat.com

''بالکل ٹھیک۔ بنیادی باتیں سب کو واضح نظر آتی ہیں، مثلاً وزن اور جسامت۔ مگر ثانوی خوبیاں مثلاً رنگ و بو اور ذائقہ ہر انسان اور جانور میں الگ الگ پایا جا سکتا ہے۔

جب جوانا ایک سنگترہ کھاتی ہے تو اسے میٹھا لگتا ہے اور دوسرا کوئی لیموں چوستا ہے تو وہ کھٹا محسوس کرتا ہے۔ لیکن جوانا یہ فرق محسوس نہیں کرتی کیونکہ اس نے جو پھل کھایا ہے اس کا ذائقہ میٹھا ہے۔ لیکن اس بات پر اتفاق ہوگا کہ سنگترہ گول ہے اور اس کا وزن دو سو گرام کے آس پاس ہوگا، نہ کہ آٹھ کلو۔

لوکی نے تسلیم کیا کہ اس کو وجدانی کیفیت یا مثبت حالت کا نام دیا جائے یا نہیں۔ اس نے کہا کہ ہر ایک کا اخلاقی نظریہ مختلف ہو سکتا ہے دوسرے الفاظ میں اس کا مقصد یہ تھا کہ باغیانہ خیالات بھی جنم لے سکتے ہیں۔ اسی طرح کا ایک باغیانہ تصور یہ بھی تھا کہ کیا واقعی خدا کا کوئی وجود ہے؟''

''ممکن ہے کہ وہ درست کہتا ہو؟'' بہت دیر بعد سوفی نے ایک نکتہ اٹھایا۔

''کون سی بات؟''

''خدا کے وجود کے بارے میں''۔

''ہاں، ایسا ممکن ہے۔ مگر اس نے سب کچھ اعتقاد پر نہیں چھوڑ دیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ انسان کا وجود ہی اس بات کا بین ثبوت ہے کہ کوئی خدا ہے۔ پہلے خیال کو وحشیانہ اور باغیانہ سوچ سے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ میں یہاں ذرا یہ وضاحت کر دوں کہ وہ مرد اور عورت کے درمیان روشن خیالی اور قوت برداشت کا قائل تھا۔ اس کا یہ بھی کہنا تھا کہ عورت کو محکوم، مطیع و فرماں بردار بنانا مرد کی خصلت ہے، لہٰذا اس میں تبدیلی پیدا کی جا سکتی ہے۔ لوکی نے پہلے پہل یہ خیال پیش کیا اور پھر اسی بات کو بنیاد بنا کر عظیم دانشور، جان اسٹورٹ ملز، میدان میں اترا اور جنسی مساوات کی علم برداری میں ایک بہت بڑا کردار ادا کیا۔ بہرحال یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ بہت سے خیالات کا موجد لوکی ہی تھا اور اس کا نتیجہ اٹھارہویں صدی میں ظاہر ہوا۔

اس کا ایک کارنامہ یہ بھی تھا کہ اقتدار اور طاقت کی تقسیم کا نظریہ اس نے پہلے پہل پیش کیا۔ قانون سازی اور منتخب نمائندگان، عدالتی طاقت اور پھر انتظامی اختیارات، جو

Marfat.com

کہ حکومت کہلائی۔ یہ خیالات اس نے ایک فرنچ تربیت گاہ سے حاصل کیے۔ لوکی نے محسوس کیا کہ اگر آمریت سے بچنا ہے تو عدالت اور تنظیمی نظام کو علیحدہ کرنا ہوگا۔ وہ لوئی چہاردہم کے دور میں پیدا ہوا جس نے تمام طاقت کو اپنے اختیار میں لے رکھا تھا۔ ''میں ہی ریاست ہوں۔'' وہ کہتا تھا جب کہ دوسروں کا خیال ہے کہ وہ ایک مطلق العنان حکمران تھا، لوکی نے بتایا کہ ایک انصاف پرور حکومت کو قانون اور حکومت کے درمیان مناسب اختیارات سونپ دیے جانے چاہئیں۔''

Marfat.com

ڈیوڈ ہیوم (DAVID HUME)
(1711-1776)

موسم بے حد خوشگوار تھا۔ البرٹو نے کھڑکی پر کھڑے ہو کر گہری سانس لی اور کہا۔ ''اب ہم ہیوم کے بارے میں کچھ باتیں کریں گے۔ وہ 1711ء سے 1776ء تک زندہ رہا۔ وہ عظیم دانشور ایمانویل کانٹ (Immanuel Kant) سے کافی متاثر تھا اور اس نے وہی راستہ اپنایا۔ ہیوم اسکاٹ لینڈ میں ایڈن برگ کے آس پاس پلا بڑھا۔ گھر والے اسے قانون داں بنانا چاہتے تھے لیکن وہ فلسفے کا رسیا تھا۔ اس کا دور شباب اس وقت آیا جب کہ فرنچ فلاسفر والٹیر (Voltaire) اور روسیو (Rousseau) کا طوطی بول رہا تھا۔ زندگی کے آخری ایام میں ایڈن برگ میں مستقل سکونت اختیار کر لینے سے قبل وہ یورپ کے بیشتر ممالک کی سیر کر چکا تھا۔ اس کی بہترین تخلیق ''فطرت انسانی کا صحیفہ'' نام کی کتاب ہے۔ یہ کتاب اس نے اٹھائیس سال کی عمر میں شائع کروائی مگر اس کا دعویٰ تھا کہ پندرہ سال کی عمر میں ہی وہ تمام کام مکمل کر چکا تھا۔

ہیوم کی سوچ دیگر فلسفہ دانوں سے بالکل مختلف تھی۔ وہ ہر نئے دن کو نئے سرے سے دیکھنا شروع کرتا تھا۔ اسے بچوں سے بے حد دلچسپی تھی اور زندگی کے نئے نئے تجربات سے دل بہلایا کرتا۔ اپنے پیشرو فلسفہ دانوں کے دھندلے خیالات پر غور کرتا اور ان کے اندر ڈوب کر سراغ حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہتا۔ قرون وسطیٰ کی بے شمار کتابیں اور باتیں ایک ڈھیر کی صورت میں اس کے پاس موجود تھیں۔ سترہویں صدی کے باغیانہ خیالات سے بھی واقف تھا۔ وہ کہتا تھا کہ دنیا کو اب بدل جانا چاہیئے کیونکہ ہر دن ایک تبدیلی لے کر آتا ہے اور ہمارے معمولات کو تبدیل کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔''

Marfat.com

''کیا آپ اس کی کوئی مثال دے سکتے ہیں؟'' سوفی خاموش نہ رہ سکی۔

''ہیوم کے دور میں فرشتوں کے وجود کا خیال کافی مقبول ہوا۔ یہ لوگ انسانی شکل میں ہوتے تھے لیکن ان کے دونوں بازو کی جگہ پر لگے ہوئے تھے۔ سوفی! کیا تم نے کبھی ایسے لوگ دیکھے ہیں؟''

''میں نے انسانوں اور پروں کو الگ الگ ضرور دیکھا ہے مگر ایسا کوئی انسان نہیں دیکھا جس کو پر لگے ہوئے ہوں''۔

''ہیوم کا نظریہ تھا کہ ''فرشتوں کا وجود محض ایک وہم ہے اور ایک لغو خیال، جسے فوراً اپنے ذہن سے نکال دینا چاہیے، بلکہ اپنی کہانیوں اور داستانوں میں سے بھی ایسے وجود کو مٹا دینا چاہیئے۔ ایسی باتیں سوچ کر ہم خدا کی ناشکری کرتے ہیں بلکہ ایک طرح منافقت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ہیوم اس بات کا بھی قائل ہے کہ ہم بہت سی باتیں اپنے ذہن سے اختراع کر لیتے ہیں جن کا حقیقی دنیا میں کوئی وجود نہیں۔ فرشتوں کے بارے میں ہم بات کر چکے ہیں۔ اس سے قبل جل پریوں کی کہانیاں بھی ہمارے ذہنوں کو متاثر کر چکی ہیں۔ آج کل اُڑنے والے گھوڑے کا تصور بھی عام ہے۔ اس قسم کی خام خیالی پہلے پہل کسی کے ذہن میں پیدا ہوئی اور پھر اس نے آگے بڑھ کر ایک وجود کی شکل اختیار کر لی۔ ہیوم نے اسی میدان میں تحقیق کرنی شروع کر دی کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟

ہیوم کے دور میں ایسے لوگ بہ کثرت پائے جاتے تھے جن کے ذہن میں جنت کا خیال کلبلا رہا تھا جسے وہ لوگ ''جدید یروشلم'' سے تعبیر کرتے تھے۔ بہت جلد لوگ سمجھ گئے کہ جنت کئی باتوں سے مل کر بنتی ہے۔ جنت کے دروازے سونے کے بنے ہوئے اور تمام راستے میں جواہرات بکھرے پڑے ہیں۔ آگے پیچھے اور دونوں اطراف میں فرشتے ہمارا استقبال کرنے کو والہانہ انداز میں کھڑے ہیں۔

ہیوم کے پاس ان باتوں کا جواب موجود تھا۔ ہمارا تصور ہے کہ خدا بے انتہا ذہین، عقلمند اور بہترین صلاحیتوں کا مالک ہے۔ یہ ایک ذہنی الجھاؤ بھی کہا جا سکتا ہے جو کہ اس بات پر منحصر ہے کہ ذہانت، فطانت اور صلاحیت کو ہم کن معنوں میں لیتے ہیں۔ اگر ہم ان باتوں کی گہرائی اور گیرائی تک نہیں پہنچیں گے تو ہم خدا کو بھی مکمل طور پر نہیں سمجھ پائیں گے۔ خدا کے

Marfat.com

بارے میں ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ ایک سخت گیر باپ جیسا ہے تو اس میں تین خصوصیات کو یکجا کر دیا جاتا ہے یعنی بے رحمی، انصاف اور باپ کی فطرت۔ ہیوم کا دعویٰ تھا کہ خدا کو ہم اس طرح پہچان سکتے ہیں کہ اپنے باپ کی ایک جھلک دیکھ لیں، یعنی بچپن میں اس کا برتاؤ ہمارے ساتھ کیسا رہا ہے۔"

Marfat.com

جارج برکلے (GEORGE BERKELEY)
(1685 to 1753)

البرٹو ذرا تازہ دم ہونے کیلئے اٹھا اور کھڑکی کے پاس جا کھڑا ہوا۔ سوفی بھی اس کے قریب چلی گئی۔ ایک چھوٹا سا ہوائی جہاز اس طرف سے گزر رہا تھا جہاں پرانے اور بوسیدہ مکانات کی ایک قطار تھی۔ جہاز کی دم سے ایک علم لہرا رہا تھا۔ سوفی کا خیال تھا کہ کسی کمپنی کی اشتہاری مہم کا کوئی حصہ ہوگا یا کسی میوزک کنسرٹ کے بارے میں کوئی اعلان۔ مگر وہ یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی کہ اس جھنڈے پر ''سالگرہ مبارک ہو ہلڈی!'' تحریر تھا۔

''کیسا عجب اتفاق ہے''۔ البرٹو نے تبصرہ کیا۔

سیاہ بادل گھر گھر کر چھانے لگے تھے اور پورا شہر تاریکی میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ اس دھندلکے میں وہ جہاز نہ جانے کہاں گم ہوگیا۔ ''موسلا دھار بارش آنے والی ہے۔'' البرٹو منمنایا۔

''مجھے فوراً گھر کی طرف چل دینا چاہیئے۔'' سوفی نے خوف زدہ انداز میں کہا۔

''کہیں اس طوفان کے پیچھے بھی میجر کا ہاتھ تو نہیں ہے؟'' البرٹو مسکرایا۔ ''بہتر ہے کہ گھر جانے کا خیال چھوڑ دو۔ یہ موسم خطرناک ہے۔ تھوڑی دیر بیٹھ جاؤ۔ اس دوران ہم برکلے کے بارے میں کچھ باتیں کر لیتے ہیں۔''

سوفی خود بھی خوفزدہ تھی۔ البرٹو کی تجویز سن کر اس نے اطمینان کا سانس لیا اور ایک طرف بیٹھ گئی۔

''جارج برکلے، آئرلینڈ کا ایک راہب تھا۔ تمہیں حیرت ہو رہی ہوگی کہ ایک راہب اور پادری ہونے کے ساتھ وہ ایک فلسفی بھی تھا؟ اس نے اندازہ لگایا کہ موجودہ فلسفہ اور سائنس مل

Marfat.com

جل کر عیسائی مذہب کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔

یہ مادی تصورات لوگوں کے ذہنوں سے خدا کے خیال کو فراموش کرنے کا باعث بن رہے ہیں اور تب اس نے یہ نظریہ پیش کیا کہ ہم دنیا کو اس وقت تک نہیں پہچان سکتے جب تک کہ ہم پوری عقل استعمال نہ کرلیں۔اس کے علاوہ برکلے نے دعویٰ کیا کہ دنیاوی اشیاء دراصل وہ نہیں ہیں جس طرح ہم انہیں دیکھ رہے ہیں۔لوکی نے یہ اشارہ دیا تھا کہ ہم کسی چیز کی اوپری سطح کو دیکھ کر اس کی اندرونی حالت کے بارے میں دعویٰ کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتے۔جیسے کہ سیب اوپر سے سبز ہے لیکن کیا وہ اندر سے میٹھا ہے یا ترش؟ اسی نکتے پر برکلے نے سوال اٹھایا ہے۔ برکلے کا کہنا ہے کہ ہم پھلوں وغیرہ کا تھوڑا بہت ادراک تو کر سکتے ہیں لیکن مادی چیزوں کا نہیں۔ہم ان کے بارے میں یقین سے نہیں کہہ سکتے جو کہ بالکل ٹھوس ہیں۔ہمارے پاس ایسی کوئی واضح دلیل نہیں جس کے بارے میں ہم پورے یقین کے ساتھ کہہ سکیں کہ اصل مادہ کا ماحصل کیا ہے۔

کسی چیز کی سختی اور ٹھوس ہونے کا اندازہ کسی چیز کو چھو کر کر سکتی ہو لیکن وہ مخصوص مادہ کیا ہے، اس کا ادراک آسان نہیں ہے۔اسی طرح تم خواب دیکھتی ہو کہ تم نے کسی سخت چیز کو ٹھوکر ماری ہے، مگر حقیقت میں وہ چیز موجود ہی نہیں ہے۔"

"کیا صرف خواب میں ہی ایسا ہو سکتا ہے؟" سوفی نے پوچھا۔

"کوئی شخص سحر میں مبتلا ہو سکتا ہے یا مصنوعی نیند میں کسی چیز کی گرمی یا سردی کو محسوس کر سکتا ہے۔ برکلے روح کا قائل تھا۔اس کا کہنا تھا کہ ہمارے تمام خیالات کا انحصار ہماری ذہنی صلاحیت پر منحصر ہے۔مگر اس کا تعلق مادیت سے نہیں بلکہ محض روح سے ہے۔"

سوفی ناخن چبانے لگی۔

"برکلے کے خیال کے مطابق خود میری روح بھی میرے خیال پر مشتمل ہو سکتی ہے"۔ البرٹو نے بات جاری رکھی۔"بالکل اسی طرح گویا میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔مگر ایک دوسرا خیال جسمانی دنیا میں بھی لے جا سکتا ہے۔ہر بات ہمیں یہ جتلانے کی کوشش کر رہی ہے کہ روح کی سفارش کیا ہے۔برکلے اسی بات پر غور کرتا رہا کہ وہ خدا کی حقیقت کو کیسے پہچان سکتا ہے۔اس کا کہنا تھا کہ خدا تک پہنچنا انسان کے بس کی بات نہیں۔ہم بھی تصور کی ایک حد تک رہ

Marfat.com

سکتے ہیں کہ خدا کیا ہوگا۔ اصل سوال یہ ہے کہ ہم خود کیا ہیں۔ کیا ہم صرف ایک انسانی مخلوق ہیں جس کے اندر خون گردش کر رہا ہے؟ کیا ہماری دنیا ٹھوس حقیقت پر مبنی ہے یا صرف ہم اپنے خواب و خیال کی دنیا میں سیر کر رہے ہیں؟ مادی دنیا سے بھی ماورا ہو کر برکلے اس بات کی تحقیقات میں مشغول ہو گیا تھا کہ ''وقت'' اور ''فضا'' کیا کوئی علیحدہ حیثیت رکھتے ہیں۔ ہمارا اپنا شعور ان دونوں باتوں کے بارے کیا کہتا ہے۔ کیا یہ محض ہمارا ذہنی فتور ہے۔ کیا ہمارا ایک یا دو ہفتہ اور خدا کا اپنا ہفتہ یا دو ہفتے دونوں برابر ہیں؟ ذرا غور کرو، میری زبان کیسے پھسل گئی اور میں نے تمہیں ہلڈی کہہ کر پکارا۔ یا ہرمز انسان کی زبان کیسے بولنے لگا۔ یہ زبان کی بھول چوک ہے۔ حالانکہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تمہارا نام سوفی ہے۔''

''یہ آپ اچانک کیسی باتیں کرنے لگ گئے؟ آپ نے تو مجھے الجھن میں مبتلا کر کے رکھ دیا۔'' سوفی نے احتجاج کیا۔

''میرا دماغ اب مختلف جہتوں میں سرگرداں ہے، میری بچی! کسی چکراتے ہوئے سیارے یا جلتے ہوئے سورج کی طرح۔''

''کہیں وہ جلتا ہوا سورج ہلڈی کا باپ تو نہیں؟''

''تم ایسا سوچ سکتی ہو''۔ البرٹو بڑبڑایا۔

''کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہمارے لیے ایک خدا کا درجہ رکھتا ہے؟''

''میں تو یہی کہوں گا کہ اسے اپنی حرکتوں پر شرمندہ ہونا چاہیئے۔''

''اچھا تو اب کچھ ہلڈی کے بارے میں بتائیں۔''

''وہ ایک فرشتہ ہے سوفی!'' البرٹو نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اور اچانک ہی پورا کمرہ ایک ہلکی نیلی روشنی میں نہا گیا۔ چند لمحوں میں بادلوں کی گرج اور چمک نے ایک لرزش پیدا کر دی۔

''اب میں نہیں رک سکتی۔ میں جا رہی ہوں''۔ وہ دروازے کی طرف دوڑی۔ ہرمز کی آنکھ کھل گئی۔ سوفی کو ایسا لگا جیسے وہ کہہ رہا ہو۔ ''پھر ملیں گے ہلڈی!'' سوفی تیزی سے نیچے اتر گئی۔ اب وہ سڑک پر دوڑ رہی تھی اور بارش تیز تر ہوتی چلی گئی۔ ایک دو کاریں چل رہی تھیں مگر بس کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ سوفی دوڑتی رہی اور اس دوران ایک ہی خیال اس کے ذہن میں بار بار آتا رہا۔ ''کل میری سالگرہ ہے۔ کیا یہ زندگی کی ایک عظیم خوش بختی نہیں ہے کہ زندگی

Marfat.com

صرف ایک خواب نہیں ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ خواب میں کوئی دیکھے کہ اس نے ایک خطیر رقم جیت لی ہے اور جب اس کی آنکھ کھلے تو یہ رقم واقعی اس کے پاس موجود ہو۔

وہ دوڑتی رہی اور پھر اس نے دیکھا کہ کوئی اس کی جانب تیزی سے دوڑتا ہوا آرہا ہے۔ یہ اس کی ماں تھی۔ بادلوں کی گرج اور چمک بڑھتی چلی جارہی تھی۔ ماں نے آگے بڑھ کر سوفی کو اپنے بازوؤں میں چھپالیا۔

Marfat.com

جرکیلی (BJERKELY)

ہلڈی مولر کانگ، للّی سینڈ کے باہر کپتان کے قدیم گھر میں نیند سے جاگ اٹھی۔اس نے گھڑی پر ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈالی۔ابھی صرف چھ بجے تھے مگر سورج کی روشنی چھن چھن کر اندر آ رہی تھی۔وہ بستر سے باہر نکل آئی اور کھڑکی کے پاس آن کھڑی ہوئی۔راستے میں ڈیسک کے پاس کھڑی ہو کر اس نے کیلنڈر کا ایک صفحہ پھاڑا۔جمعرات جون 14، 1990ء۔اس صفحے کے ٹکڑے کر کے اس نے ردی کی ٹوکری میں ڈال دیئے۔

اب سامنے جمعہ پندرہ جون کا صفحہ تھا۔اسے جنوری کی وہ گھڑی یاد آئی جب اس نے اس صفحے پر بڑے چاؤ سے لکھا تھا ''پندرہویں سالگرہ'' اسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے یہ خاص تاریخ صرف اس کے لیے ہی بنائی گئی تھی اور آئندہ یہ تاریخی واقعہ پھر کبھی ظہور پذیر نہیں ہوگا۔ پندرہ تاریخ، یہ اس کی بلوغت کا پہلا دن تھا۔اب وہ گزشتہ ایام میں واپس نہیں جا سکتی تھی۔مزید برآں یہ اس کے اسکول کا بھی آخری دن تھا۔ٹھیک ایک بجے دن تمام شاگردوں کو چرچ میں جمع ہونا تھا۔ایک خبر یہ بھی تھی کہ اگلے ہفتے ڈیڈ لبنان سے واپس آنے والے تھے۔ انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ موسم بہار کی پہلی شام کو وہاں موجود ہوں گے۔

ہلڈی کھڑکی میں کھڑی ہو کر گھاٹ کی جانب چھوٹے سے کشتی گھر کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ابھی تک موٹر بوٹ کو موسم بہار کے لیے نکالا نہیں گیا تھا لیکن چپو وغیرہ بالکل تیار کر لیے گئے تھے۔گزشتہ رات کی بارش کے بعد کشتی میں سے پانی نکالنا بھی ضروری ہو گیا تھا۔گھاٹ کی طرف دیکھتے ہوئے اسے وہ وقت یاد آیا جب ایک چھ سالہ بچی کشتی میں سوار ہو کر چپو کے ذریعہ کشتی کو کھیتی ہوئی آگے بڑھتی چلی جا رہی تھی۔اچانک وہ دریا میں گر گئی اور اپنی جان بچانے کی جدوجہد کرنے لگی۔بالآخر وہ کنارے پر پہنچنے میں کامیاب ہو گئی لیکن جھاڑیوں اور پتھروں نے

Marfat.com

اس کے جسم پر کئی خراشیں ڈال دیں۔ جب وہ گھر کے قریب پہنچی تو اس کی ماں نے آگے بڑھ کر اسے تھام لیا۔ کشتی اور چپو دریا میں لاوارث اِدھر اُدھر ڈول رہے تھے۔ اسے اکثر وہ کشتی یاد آتی تھی۔ یہ اس کی زندگی کا ایک خوفناک اور ناقابل فراموش واقعہ تھا۔

باغیچہ اگرچہ بہت بڑا اور شاندار نہیں تھا اور نہ ہی اس کی اچھی طرح دیکھ بھال کی گئی تھی لیکن پھر بھی ہلڈی کو پیارا تھا، کیونکہ یہ اس کا باغیچہ تھا۔ سردی کا مارا ایک سیب کا درخت اور چند بے برگ و بار پودے بکھرے ہوئے تھے۔ درمیان میں انار کا ایک درخت مضبوطی سے اپنے پیر جمائے کھڑا تھا۔ دھیمی دھیمی روشنی میں یہ درخت ایسا لگتا تھا جیسے کوئی نامراد عاشق مایوسی کے عالم میں سر جھکائے افسردہ و اداس کھڑا اپنی قسمت پر آنسو بہا رہا ہو۔ ماں نے بڑی ہمت سے کام لے کر ان درختوں کو ڈھک دیا تھا اور انہیں سردی سے بچانے کی بھرپور کوشش کی تھی۔ باغیچے کے چاروں طرف صنوبر کے درختوں نے گھیرا ڈال رکھا تھا۔ انہوں نے اپنا سایہ باغ پر اس طرح پھیلایا ہوا تھا کہ گویا انہیں باغ کی نگہبانی پر مامور کر دیا گیا ہو۔ جرکیلی جو سو سال قبل وفات پا چکا تھا، اس کے نام پر یہ مکان ''جارکیریا'' کہلانے لگا جس کے معنی آئرش زبان میں صنوبر کے درخت کے ہیں۔

ہلڈی کے جدامجد نے یہ مکان یہ صدی شروع ہونے سے چند سال قبل بنایا تھا۔ وہ بحری جہاز کا ایک کپتان تھا۔ لہٰذا اس کے مکان کا نام ''کپتان کا مکان'' ہی پڑ گیا۔

رات کے آخری حصے میں بارش پھر شروع ہو گئی تھی اور باغیچے کی حالت مزید افسوس ناک ہو گئی۔ بادلوں کی گرج اور بجلی کی کڑک سے ہلڈی کی آنکھ بار بار کھل جاتی۔ مگر اس وقت آسمان بالکل صاف تھا اور پتہ پتہ دھل کر صاف و شفاف نظر آنے لگا تھا۔ ہلڈی کو ایسا لگا گویا اس کا بچپن بھی اس بارش میں دھل کر پاک صاف ہو گیا ہو۔

''جب موسم بہار میں کلی کھلتی ہے تو درد کی انتہا ہوتی ہے۔'' سوئیڈن کی ایک شاعرہ نے کہا تھا۔ شاید اس کا نام فی نش تھا۔ ہلڈی اس پیتل کے بھاری آئینے کے سامنے کھڑی تھی جو اس کی دادی کی آرائشی میز کے اوپر لٹک رہا تھا۔ ''پتہ نہیں وہ کتنی حسین و جمیل تھیں۔ یا شاید بدصورت سی ہوں؟ ممکن ہے کہ عام سی شکل و صورت کی ہوں۔ بہرحال ایک بات تو طے تھی کہ ان کے گیسو بے حد دراز اور گھونگھریالے تھے۔ ان کا رنگ مٹیالا سا تھا۔ ہلڈی کی خواہش تھی کہ اس کے بال

Marfat.com

بھی ان ہی کے جیسے ہوتے۔

اس آئینے میں نہ جانے ایسی کیا بات تھی کہ اسے دیکھتے ہی ہلڈی کو اپنے والد کی یاد آ جاتی۔ ایک بار یہ آئینہ اسٹوڈیو میں گر پڑا تھا۔ یہ ''اسٹوڈیو'' اس کے اور اس کے والد کی مشترکہ لائبریری میں واقع تھا۔ وہاں لکھنے کی ایک میز اور چند آرام دہ کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ ہلڈی اپنے والد کو البرٹ کے نام سے پکارا کرتی تھی اور جب بھی وہ گھر آتا، اس سے فرمائش کرتی کہ کوئی خاص اور عمدہ مضمون تیار کرے۔ ایک بار اس نے کوئی ناول لکھنے کی کوشش کی مگر اسے مکمل کرنے میں ناکام رہا۔ بعض اوقات وہ نظم کے چند ٹکڑے یا کوئی تصویر بنانے میں ضرور کامیاب ہو جاتا اور پھر مختلف رسالوں میں اشاعت کے لیے بھیج دیتا۔ ہلڈی اپنے باپ کا نام کسی رسالے میں دیکھ کر خوشی سے پھولی نہ سماتی۔ ''البرٹ کانگ'' اتفاق سے اس کے جدامجد کا نام بھی البرٹ ہی تھا۔

کئی سال قبل اس کے باپ نے مذاق ہی مذاق میں کہہ دیا تھا کہ تم اس کے اندر اپنی شبیہہ کبھی نہ دیکھ پاؤ گی، اور واقعی ایسا ہی ہوا۔ شاید کسی جادوگر نے اس پر اپنا سحر پھونک دیا تھا۔ اس کی کسی پڑدادی نے یہ آئینہ کسی خانہ بدوش عورت سے خریدا تھا۔

ہلڈی اکثر اوقات کوشش کرتی لیکن وہ بیک وقت دونوں آنکھوں سے اپنا عکس نہیں دیکھ پائی۔ چنانچہ اس نے اسے بس ایک ترکے کے طور پر چھوڑ رکھا تھا۔ کبھی کبھار وہ ایک مشکل اور ناممکن فن پر عبور حاصل کرنے کی بھی پوری کوشش کرتی۔ آج وہ کچھ دل گیر اور اداس تھی۔ آہ! بے چاری پندرہ سالہ معصوم لڑکی۔

اس نے میز کے آس پاس نظر ڈالی۔ وہاں ایک بڑا سا پیکٹ رکھا ہوا تھا جو کہ نہایت خوبصورت انداز میں پیک کیا ہوا تھا اور اسے سرخ ربن سے باندھا گیا تھا۔ شاید یہ میری سالگرہ کا تحفہ ہوگا۔ ڈیڈی نے بڑے خفیہ طریقے سے یہ یہاں میز پر رکھوا دیا ہے۔ پہلے بھی وہ مختلف قسم کے پوسٹ کارڈ انجانے طریقے سے بھجواتے رہے ہیں۔ لیکن اس بار کچھ زیادہ ہی پابندی کا انداز اپنایا ہے۔

یہ تحفہ بڑا پیچیدہ قسم کا تھا۔ پہلے انہوں نے لکھا کہ جس قدر تم اس کی تہہ میں پہنچنے کی کوشش کرو گی، اتنا ہی الجھتی چلی جاؤ گی۔ اس کے بعد انہوں نے لکھا تھا کہ ایک لڑکی سے جلد ہی

Marfat.com

تمہاری ملاقات ہوگی۔ وہ لڑکی جس کو انہوں نے تمام پوسٹ کارڈ کی نقل پہلے ہی بھیج رکھی ہے۔ ہلڈی نے اس معاملے پر اپنی ماں کی مدد طلب کی، مگر وہ بھی کچھ نہ کر سکی۔

ان کا فرمان یہ بھی تھا کہ اس تحفے مین دوسروں کو بھی شریک کرلو کیونکہ وہ اقوام متحدہ کے لیے مفت میں کوئی خدمت سرانجام نہیں دے رہے تھے۔ اقوام متحدہ کے اختیارات لامحدود ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ اس قدر زیادہ طاقت کی مالک ہے۔ ممکن ہے کہ اقوام متحدہ کسی دن تمام قوموں کو متحد کرنے میں کامیاب ہو جائے۔

ہلڈی اس پیکٹ کو کھولنے کی ہمت نہیں پا رہی تھی۔ اور پھر اس کی ماں ''سالگرہ مبارک ہو'' گاتی ہوئی اس کے کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کے ایک ہاتھ میں پیسٹری اور دوسرے ہاتھ میں ناروے کا جھنڈا تھا جو اس نے ہلڈی کے سامنے رکھ دیا۔ چند لمحوں بعد اس کی نظر پیکٹ پر پڑی اور اس نے اسے ہاتھوں میں اٹھا لیا۔ یہ کافی وزنی تھا اور اس پر ایک پرچہ لٹک رہا تھا۔ ''ہلڈی کے لیے، اس کی پندرہویں سالگرہ پر، ڈیڈ کی طرف سے''۔

بستر پر اطمینان سے بیٹھ کر اس نے ربن کھولا اور پھر نیلے کاغذ کو علیحدہ کیا۔ اندر ایک گھنٹی بجانے والی ضخیم فائل تھی۔ کیا یہی اس کی سالگرہ کا تحفہ تھی؟ کیا یہی وہ بم کا گولہ تھی جس کے لیے اتنی تمہید مدتوں سے باندھی جا رہی تھی؟ اور یہ اس قدر ضخیم و ثخیم چیز تھی جو دوسروں کو بھی خوفزدہ کر سکتی تھی؟

پہلی نظر میں بس اتنا ہی دکھائی دیتا تھا کہ وہ فائل ٹائپ شدہ کاغذات سے بھری ہوئی ہے۔ ہلڈی نے فوراً پہچان لیا کہ یہ اسی ٹائپ رائٹر کی تحریر ہے، جو اس کے والد اپنے ہمراہ لبنان لے گئے تھے۔ کیا انہوں نے اپنی بیٹی کے لیے ایک پوری کتاب تحریر کر دی ہے؟

پہلے صفحے پر انہوں نے اپنے ہاتھ سے خوبصورت اور نمایاں الفاظ میں تحریر کیا تھا۔ ''باطل دنیا'' اگلے دو صفحات پر ٹائپ کی ہوئی ایک غزل تھی۔

ایک روشن منارہ، جو انسان کو سیدھی راہ پر چلنے کی ترغیب دیتی ہے۔

این ایف ایس گرنڈوگ

(N.F.S. Grundtvig)

ہلڈی نے دوسرا ورق پلٹا۔ اس کا آغاز ''باغ عدن'' سے ہو رہا تھا۔ وہ بستر پر اطمینان سے

Marfat.com

لیٹ گئی اور فائل کو سینے پر رکھ کر پڑھنے لگی۔

سوفی آمنڈسین اسکول سے گھر کی طرف جا رہی تھی۔ تھوڑا سا راستہ اس نے جوانا کے ہمراہ طے کیا تھا اور اس دوران وہ روبوٹ کے بارے میں بات چیت کرتی رہی تھیں۔ جوانا کا کہنا تھا کہ انسانی دماغ ایک ترقی یافتہ کمپیوٹر کی طرح ہے۔ سوفی اس دلیل سے مکمل طور پر مطمئن نہیں تھی۔ یقیناً ایک انسان اور مشینی کل پرزے کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔

ہلڈی پڑھتی چلی گئی، یہاں تک کہ یہ بھی بھول گئی کہ آج اس کی سالگرہ ہے۔ درمیان میں کئی جگہ مختلف سوالات سر اٹھاتے رہے، مثلاً یہ کہ کیا ڈیڈ نے واقعی ایک کہانی لکھی ہے یا کسی ادھورے ناول کو لبنان میں جا کر مکمل کیا ہے؟ اکثر وہ کہتے تھے کہ وقت بہت قیمتی ہے۔ وقت کی قدر کرو۔ اگر یہ ہاتھ سے نکل گیا تو پھر ہاتھ نہیں آئیگا۔

سوفی کا باپ اپنے گھر سے بہت دور تھا۔ اور یہی وہ لڑکی تھی جس کے بارے میں ہلڈی معلومات حاصل کرنے کو بے چین تھی۔ موت ایک حقیقت ہے اور اس کے بارے میں سوچ کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ زندگی ایک عظیم نعمت ہے۔ یہ بات یاد رکھو۔ یہ دنیا کیسے وجود میں آئی؟ بہت سی چیزیں بلا مقصد بھی خود بخود پیدا ہو جاتی ہیں، لیکن کیا یہ ممکن ہے؟ اسی طرح یہ خیال بالکل باطل ہے کہ دنیا ہمیشہ سے اسی طرح موجود تھی۔

ہلڈی حیرت میں مبتلا ہوتی چلی گئی۔ اس نے پڑھا کہ سوفی آمنڈسین نے لبنان سے آیا ہوا ایک پوسٹ کارڈ وصول کیا جس پر یہ پتہ تحریر تھا۔

''ہلڈی مولر کا نگ معرفت سوفی آمنڈسین۔ 3۔ کلوور کلوز...''

ڈیئر ہلڈی! پندرہویں سالگرہ مبارک ہو۔ میں تمہیں یہ سمجھانا چاہ رہا ہوں کہ میں تمہیں ایک تحفہ بھیجوں گا جو کہ تمہیں عقل و شعور عطا کرے گا۔ سوفی کی معرفت ہی یہ کارڈ بھیجنا ذرا آسان تھا لہٰذا میری اس حرکت کو درگزر کر دینا۔

تمہارا چاہنے والا ڈیڈ

مسخرہ کہیں کا! ہلڈی اپنے باپ کی مذاق کرنے کی عادت کو جانتی تھی، مگر آج تو اس نے اسے حیرت میں مبتلا کر دیا تھا۔ بجائے اس کے کہ کارڈ کو پیکٹ کے اوپر رکھ دیتا۔ اس نے یہ بات کتاب میں تحریر کر دی تھی۔

Marfat.com

مگر بے چاری سوفی! وہ تو سخت کشمکش میں مبتلا ہوگی۔

آخر سوفی کے پتہ پر یہ کارڈ کیوں بھیجا گیا جب کہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ کارڈ کہاں جائے گا؟ کیا ایک باپ اپنی بیٹی سے بے ایمانی کر سکتا ہے اور جان بوجھ کر سالگرہ کا کارڈ کسی دوسرے پتہ پر بھیج سکتا ہے، یہ کہہ کر کہ اس طرح زیادہ آسانی ہوگی؟ اور سب سے تکلیف دہ بات تو یہ کہ وہ ہلڈی نام کی لڑکی کو کیسے اور کہاں تلاش کرے گی؟

ہلڈی نے چند اور صفحات الٹ پلٹ کئے اور دوسرا باب پڑھنا شروع کیا۔ ''باعزت کلاہ'' جلد ہی وہ اس طویل خط پر آ گئی جو کسی پراسرار شخص نے سوفی کو لکھا تھا۔

ہم اس دنیا میں کس لیے لائے گئے ہیں؟ یہ کوئی اتفاق نہیں ہے۔ یا کوئی کھیل مذاق نہیں ہے جیسے کہ ڈاک کے ٹکٹ جمع کرنا۔ جن لوگوں کو اس موضوع سے دلچسپی ہے وہ بڑی دقیق قسم کی تحقیقات کرتے ہیں اور پوری دلچسپی کے ساتھ ایک فرض سمجھ کر اپنا کام کرتے ہیں۔

سوفی بدحواسی کی انتہا پر پہنچی ہوئی تھی۔ اور اسی طرح ہلڈی بھی۔ نہ صرف یہ کہ ڈیڈ نے اس کی سالگرہ پر کتاب کا تحفہ دیا تھا، بلکہ ایک اعلیٰ ذوق اور حیرت انگیز صلاحیت کا مظاہرہ کیا تھا۔

کتاب کا لُبِ لباب یہ تھا۔ ایک بلند و بالا مقام سے ایک سفید رنگ کا خرگوش نکلتا ہے۔ چونکہ یہ خرگوش بہت بڑی جسامت کا ہے، اس لیے اس کے پیدا ہونے میں کئی ہزار سال لگ جاتے ہیں۔ دنیا کے تمام فنا پذیر حادثات اس کے ایک ایک بال میں پوشیدہ ہیں اور اس حالت میں بالکل تیار کھڑے ہیں کہ انہیں ذرا بھی موقع ملے تو وہ دنیا بھر میں پھیل کر فساد برپا کر دیں۔ لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا چلا جاتا ہے، وہ پروں کے اندر ہی اندر گھٹ گھٹ کر ختم ہوتے جاتے ہیں، لیکن چند ایک آج بھی زندہ ہیں اور نہ معلوم کب یہ لاوا پھوٹ پڑے۔

سوفی کو ایسا لگ رہا تھا گویا وہ خرگوش کی کھال میں رہ کر ہی محفوظ ہے۔ آج ہلڈی کی پندرہویں سالگرہ تھی اور اس نے طے کر لیا تھا کہ آج اسے کیا کام سرانجام دینا ہے۔ اس نے یونان کے عظیم فلسفہ دانوں کے بارے میں بہت کچھ جان لیا تھا۔ ہلڈی کو بھی معلوم تھا کہ اس کے باپ کو فلسفے میں کس قدر دلچسپی ہے۔ اس نے اخباروں میں کئی مراسلے لکھے تھے جن میں زور دیا گیا تھا کہ فلسفے کے مضمون کو اسکولوں میں باقاعدہ ایک حیثیت دے دی جائے۔

اس نے گھڑی کی طرف ایک نظر ڈالی۔ صبح کے ساڑھے سات بج رہے تھے۔ آدھے گھنٹے

Marfat.com

کے اندر اندر اس کی ماں ناشتہ لے کر اوپر آنے والی تھی۔ وہ ابھی تک دیگر فلسفیانہ خیالات میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اب جس باب کا وہ مطالعہ کر رہی تھی وہ ''ڈیموکریٹس'' کے بارے میں تھا۔ پہلی بات جو زیادہ اہم تھی، وہ یہ تھی کہ ''لیگو'' دنیا بھر میں ذہانت سے بھرپور کھیل کیوں سمجھا جاتا ہے۔ اور اس قدر مقبول کیوں ہے؟ اور پھر تھوڑی ہی دیر بعد اپنے میل بکس میں اسے ایک بہت بڑا سا لفافہ ملا۔

ڈیموکریٹس کو اپنے پیش رو فلسفہ دانوں سے اس بات پر اتفاق تھا کہ کایا پلٹ اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک کہ یہ سب کچھ فطری طور پر رفتہ رفتہ تبدیل نہ ہو۔ اس نے یہ نظریہ بھی دریافت کیا تھا کہ ہر چیز مختلف چھوٹے چھوٹے حصوں میں بٹی ہوئی ہے جو کہ غیر فانی اور لازوال ہے۔ ڈیموکریٹس نے انہیں مختصر ترین ذرات کا نام دیا۔

سوفی کو جب ہلڈی کا سرخ ریشمی اسکارف ملا تو ہلڈی سخت برہم ہوئی۔ اس کو اس بات پر طیش آیا ہوا تھا کہ یہ کہاں گم ہو گیا۔ اسے یہیں کہیں ہونا چاہیے تھا۔

اب سوفی سقراط والے مضمون پر آ گئی تھی۔ اخبار میں ان دنوں لبنان میں اقوام متحدہ کی ناروے کی ٹیم کا ذکر برابر آ رہا تھا لیکن عام لوگوں کو اس امن کی فوج سے کوئی دلچسپی نہ تھی، مگر سوفی کافی بے چین تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ اس کا باپ کوئی مضمون لکھے اور وہاں اپنی مصروفیت اور اقوام متحدہ کے کام کے بارے میں کتاب لکھے اور اخباروں کے ذریعہ شہرت حاصل کرے۔

فلسفے کے استاد نے خط کے نیچے ایک ضروری وضاحت تحریر کی تھی، جسے پڑھ کر سوفی بے اختیار مسکرا اٹھی۔

اگر تمہیں کبھی کہیں سے سرخ رنگ کا اسکارف مل جائے تو اس کو بڑی حفاظت سے رکھنا۔ بعض اوقات چیزیں اِدھر اُدھر ہو جاتی ہیں، کبھی اسکول میں یا ایسے ہی کسی مقام پر۔ خاص طور پر جب کہ تم فلسفے کے اسکول میں تعلیم حاصل کر رہی ہو۔

ہلڈی کو ماں کے اوپر چڑھتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی۔ اس نے جلدی سے سوفی کی ان تحقیقات پر توجہ دینی شروع کر دی جو اس نے ایتھنز اور اپنے خفیہ غار کے بارے میں تحریر کیا تھا۔

''سالگرہ مبارک ہو۔'' اس کی ماں نے سیڑھیوں پر ہی گنگنانا شروع کر دیا۔

Marfat.com

''اندر آجایئے!'' ہلڈی نے ماں کو آواز دی۔ اس وقت وہ سوفی کا وہ کیسٹ دیکھ رہی تھی جو اس کے فلسفہ کے استاد نے ایتھنز سے بھیجا تھا اور وہ فلسفی اس وقت قلعے کی سیر کروا رہا تھا۔ اس کی شباہت ہلڈی کے باپ سے بے حد ملتی جلتی تھی۔ اوہ! کس قدر سیاہ اور چمکتی دمکتی داڑھی ہے۔

''ماں! کیا تم کبھی ایتھنز گئی ہو؟''

''نہیں۔ مگر تم یہ بات کیوں پوچھ رہی ہو؟''

''یہ قبریں دو ہزار پانچ 2500 سو سال پرانی ہیں۔ ان میں جو سب سے بڑی قبر ہے، وہ ''دوشیزہ کا گھر'' کہلاتی ہے۔'' ہلڈی بتانے لگی۔

''چھوڑو ان باتوں کو۔ کیا تم نے اپنے باپ کے تحفے کو دیکھا؟''

''کون سا؟ اوہ! میں تو بھول ہی گئی۔'' ہلڈی نے گھبرا کر کہا۔ اس نے وہ پیکٹ اٹھایا اور اپنی گود میں رکھ کر ربن کھولنے لگی۔

ماں سر جھکائے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ ''ہلڈی! تمہارے ڈیڈ نے کیا لکھا ہے۔؟''

''انہوں نے ایک کہانی لکھی ہے''۔

''کیا؟ صرف ایک کہانی؟ اور کچھ بھی نہیں؟'' ماں نے تعجب کا اظہار کیا۔

''نہیں اور کچھ نہیں۔ یہ کہانی بھی فلسفے کی تاریخ کے بارے میں ہے۔''

''اچھا خیر چھوڑو۔ کیا تم میرے تحفے کو دیکھنا پسند کرو گی؟''

''ہاں ہاں، کیوں نہیں۔'' ہلڈی نے ماں کا دیا ہوا پیکٹ کھولا۔ اس میں سونے کا ہار تھا۔

''واہ واہ۔ ماں؟ یہ بے حد خوبصورت ہے۔ بہت بہت شکریہ۔'' ہلڈی نے تعریفوں کے پل باندھ دیے اور گرم جوشی سے بغل گیر ہو گئی۔

دو چار منٹ مزید گفتگو ہوتی رہی اور پھر ہلڈی نے کہا۔ ''ماں! مجھے دوبارہ سبق یاد کرنا ہے۔ وہ اس وقت قلعہ کے اندر موجود ہے۔''

''مگر وہ کون ہے؟''

''مجھے کچھ معلوم نہیں، اور نہ ہی سوفی اس بارے میں کچھ جانتی ہے۔'' ماں نے کچھ نہ سمجھنے کے انداز میں سر ہلایا اور سیڑھیوں پر غائب ہو گئی۔ فلسفے کا استاد ایتھنز کے چوراہے پر چند لمحے

Marfat.com

بعد آن موجود ہوا۔ ہلڈی کا چہرہ فق ہو گیا اور اس کا پورا جسم دہشت کی شدت سے کانپنے لگا جب اس نے دیکھا کہ تمام تباہ شدہ عمارتیں یکا یک زندہ ہونے لگیں۔

سوفی اپنے غار میں سے رینگتی ہوئی باہر آئی مگر اس اثناء میں ہرمز کہیں غائب ہو چکا تھا۔ افلاطون کا ایک سبق اپنے ذہن میں تازہ کرتے ہوئے وہ کچھ اور جنگل کے اندر تک چلی گئی اور جھیل کے کنارے ایک سرخ کیبن کے پاس پہنچ گئی۔ اندر جرکیلی کی ایک تصویر لٹک رہی تھی۔ بظاہر یہ بالکل ہلڈی کے جرکیلی جیسا ہی لگ رہا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ایک اور شخص کا پورٹریٹ بھی تھا جس پر برکلے کا نام لکھا ہوا تھا۔ ''کس قدر فالتو اور بے جوڑ سا لگتا ہے''۔

ہلڈی نے اپنا وزنی رنگ بائنڈر بستر پر رکھا اور شیلف میں سے تین حصے والا انسائیکلو پیڈیا نکال کر دیکھنے لگی۔ جو اسے اس کی چودھویں سالگرہ پر دیا گیا تھا۔

جارج برکلے۔ 1685 سے 1753۔ انگریز فلاسفر۔ کلووائن کا راہب۔ جس نے انسان کے دل سے دنیا کی محبت کو ختم کر دینے کا نظریہ پیش کیا تھا۔ یہی ادراک ہمیں خدا کے وجود کا احساس دلاتا ہے۔ اس کا بہترین کارنامہ، ''انسانی ذہانت کے بنیادی اصول'' نامی کتاب جو 1710ء میں شائع ہوئی۔

واقعی یہ کچھ بے ربط سی باتیں ہیں۔ سوفی چند لمحے سوچتی رہی اور پھر بستر پر دراز ہو گئی۔ یہ دونوں تصویریں اس کے باپ نے ہی یہاں لٹکائی ہوں گی۔ مگر ان دونوں کا آپس میں کوئی تعلق نظر نہیں آتا، سوائے اس کے کہ نام میں کچھ مشابہت ہے۔

وہ مزید معلومات حاصل کرنا پسند کرے گی۔ ہلڈی نے اِدھر اُدھر دیکھا اور یہ یاد کر کے ذرا مسکرائی کہ سوفی نے ایک لڑکی دیکھی جو آئینے میں دوسری طرف اپنی دونوں پلکیں جھپکا رہی تھی۔ وہ سوفی کو یوں دیکھ رہی تھی گویا کہہ رہی ہو کہ میں تمہیں دیکھ سکتی ہوں سوفی! میں یہاں دوسری جانب موجود ہوں۔ سوفی کو کیبن میں ایک سبز رنگ کا والٹ ملا جس میں رقم کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت کچھ موجود تھا۔ ''یہ یہاں کیسے آیا؟''

ہلڈی کے چہرے پر حیرانی کے آثار نمودار ہوئے اور پھر اسے یقین آ گیا کہ یہ والٹ یقیناً سوفی کے پاس ہی ہوگا۔ پہلی بار ہلڈی کے دل میں شدید خواہش پیدا ہوئی کہ اسے سوفی سے ملنا چاہیئے اور تمام معاملات پر براہ راست گفتگو کرنی چاہیے۔

Marfat.com

ہلڈی نے سوڈے کا ایک بڑا گھونٹ لیا اور چکن رول کا ایک حصہ کاٹا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ ارسطو کے خیالات کو بھی جانچتی رہی جس نے افلاطون کے نظریے سے اختلاف ظاہر کیا تھا۔ جب اس نے خواتین کے بارے میں ارسطو کے خیالات کا جائزہ لیا تو بے اختیار اس کی زبان سے نکلا۔ اتنا بڑا فلاسفر اور اتنے بے ہودہ خیالات۔

ارسطو نے سوفی کو اس بات پر اکسایا تھا کہ کمرے کی صفائی کرنی چاہیے۔ چنانچہ جہاں اسے مختلف کھوئی ہوئی اشیا ملیں، وہاں اسے لکڑی کا ایک تختہ بھی ملا جو ایک ماہ قبل ہلڈی کی الماری سے غائب ہو گیا تھا۔ سوفی نے ان تمام کاغذات کو بھی اکٹھا کیا جو البرٹو کے رنگ بائنڈر میں سے اسے ملے تھے۔ یہ پچاس صفحات تھے۔ ہلڈی کے پاس بقیہ ایک سو چوبیس صفحات موجود تھے۔ اس کے علاوہ وہ مزید خط و کتابت بھی اس کے قبضے میں تھے جن میں البرٹو ناکس نے سوفی کی کہانی لکھی تھی۔

اگلا باب ''یونانی محقق'' کے بارے میں تھا۔ سب سے پہلے سوفی کو ایک پوسٹ کارڈ ملتا ہے جس پر اقوام متحدہ کی ایک جیپ کی تصویر ہے۔ اس پر یو۔ این بٹالین جون 15 کندہ ہے۔ بقیہ تمام کارڈ جو ہلڈی کے نام تھے، انہیں ڈاک سے بھیجنے کے بجائے اس کہانی میں شامل کر دیا گیا تھا۔

ڈیئر ہلڈی! تم ابھی تک اپنی پندرہویں سالگرہ کی جشن میں مصروف ہو گی۔ میں ایک بار پھر تمہیں مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ یقیناً اب تک تمہاری سمجھ میں آ گیا ہو گا کہ میں نے وہ کارڈ سوفی کو کیوں بھیجے۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اس نے وہ کارڈ تم تک ضرور پہنچا دیے ہوں گے۔

ضروری وضاحت

تمہاری ممی نے بتایا کہ تم نے اپنا والٹ گم کر دیا ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ ایک سو پچاس کراؤن کا تمہارا نقصان پورا کر دوں گا۔ اسکول بند ہونے سے قبل تم اپنا نیا شناختی کارڈ بنوا لو۔

ڈیڈ کی طرف سے بے پناہ پیار۔

چنانچہ ثابت ہوا کہ جون پندرہ سوفی کی سالگرہ کی تاریخ بھی تھی۔ مگر ہلڈی کون تھی۔ اس کے باپ کو یہ یقین کیوں تھا کہ سوفی اسے تلاش کر لے گی اور تمام کارڈز اس کی بیٹی کو

Marfat.com

پہنچا دے گی؟

یہ بات ہلڈی کو کسی طرح ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ وہ دوسرے باب کا مطالعہ کرنے لگی۔ سوفی اور جوانا قومی تہوار کے دن سیر و تفریح کے لیے نکل گئیں جو کہ مئی کی سترہ تاریخ تھی اور وہ سیدھی میجر کے کیبن تک پہنچ گئیں۔ اس کے باپ نے پہلے ہی ان لڑکیوں کے لیے تمام کارڈ کی کاپیاں فراہم کر رکھی تھیں۔ ہلڈی نے یہ سب کچھ پہلے ہی پڑھ رکھا تھا اور وہ ایک ایک تحریر پہچانتی تھی۔

ڈیئر ہلڈی! جذبات کی شدت نے میرے دل میں اک آگ سی لگا دی ہے۔ تمہاری سالگرہ سے قبل میں اس قدر ٹوٹ پھوٹ چکا ہوں کہ اب گھر آنے کا خیال بھی چھوڑ دیا ہے۔ تم کو یہ اندازہ تو ضرور ہوگا کہ جب کوئی دردنا قابل برداشت ہو جائے تو لاوا ایک نہ ایک دن پھوٹ پڑتا ہے۔

سوفی کو البرٹو کی طرف سے کچھ نئے کاغذات ملے ہیں جو کہ یہودیوں اور یونانیوں کی تہذیب کے بارے میں ہیں۔ ہلڈی کو بھی ان معاملات سے بے حد دلچسپی ہے۔ اسکول میں اسے ان چیزوں کے بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا۔ اب اس کی آنکھیں کھلتی جا رہی ہیں اور وہ ان معاملات کو سمجھنے کی کوشش کر رہی ہے۔

اگلا باب اس کارڈ سے شروع ہوتا ہے جو سوفی کی کچن کی کھڑکی پر چپکا ہوا تھا۔ یہ ہلڈی کے لیے ایک نیا کارڈ تھا۔

ڈیئر ہلڈی! مجھے ابھی تک یہ اندازہ نہیں کہ اس کارڈ کے ملنے تک میں تمہارے پاس پہنچ پاؤں گا یا نہیں۔ امید ہے کہ میں موسم سرما کے درمیان میں آ جاؤں گا اور پھر ہم دونوں خوب باتیں کریں گے۔ ہلڈی! میرے پاس بہت سی باتیں تمہیں بتانے کے لیے موجود ہیں۔

نہ جانے کتنی مرتبہ ہلڈی آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر کچھ اس طرح جھانکتی رہی جیسے وہ اس کے اندر کسی کو تلاش کر رہی ہو۔ مگر یہ بات اس کے باپ کو کس طرح پتہ چلی؟ کیا وہ سفید براق جیسے بالوں والی اس کی دادی تو نہیں تھی۔ جس نے یہ آئینہ کسی حبشی عورت سے خریدا تھا۔ اندر شاید سوفی موجود تھی۔

دوسری طرف سوفی، ہلڈی اور جرکیلی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ ہلڈی نہ ہی اسے دیکھ

Marfat.com

سکتی تھی اور نہ اس کی باتیں سن سکتی تھی۔ مگر سوفی کو ہلڈی کا سنہرا ہار گھاٹ پر سے مل چکا تھا اور یہ سوفی کے بستر کے نیچے اب بھی رکھا ہوا تھا۔

ہلڈی اپنے دماغ پر مزید زور دیتی چلی گئی۔ اسے یاد نہیں آ رہا تھا کہ اس نے اپنا ہار کہاں گم کیا ہے۔ اس نے ہر جگہ اسے تلاش کیا مگر وہ کہیں نہیں تھا۔ مگر اس کے باپ کو یہ خبر کہاں سے ملی جب کہ اس نے کسی کو بھی نہیں بتایا تھا۔ دوسری بات سوفی نے خواب میں ہلڈی کے باپ کو دیکھا تھا اور یہ بھی دیکھا تھا کہ وہ لبنان سے واپس آ چکا ہے۔ اس بات کو ایک ہفتہ گزر چکا تھا۔ کیا سوفی کا خواب سچا تھا۔ کیا اس کے باپ کو معلوم تھا کہ جب وہ واپس آئے گا تو سوفی وہاں موجود ہوگی۔ اس نے لکھا تھا کہ بہت جلد اسے ایک نئی دوست ملنے والی ہے۔

یہ سب باتیں اس کے ذہن میں گڈمڈ ہونے لگیں اور اسے یہ یقین سا ہو گیا کہ سوفی اس کے خواب و خیال سے بھی ماورا کوئی شے ہے۔

Marfat.com

مشعل راہ

ابھی ہلڈی نے نشاۃ ثانیہ کا باب شروع ہی کیا تھا کہ اس کی ماں اندر داخل ہوئی۔ اس نے گھڑی پر نظر ڈالی شام کے چار بج رہے تھے۔ وہ چلائی۔ ''کیا چرچ نہیں جانا ہے؟ اور ابھی تک تم نے لباس بھی نہیں پہنا ہے؟''

''میں نائٹ گاؤن میں ہی چلی جاؤں گی۔'' ہلڈی نے لاابالی پن سے کہا۔

''یہ کوئی قدیم زمانے کا چرچ نہیں ہے۔ یہاں ذرا تہذیب دکھانی ہوگی۔''

ہلڈی کے ہاتھ میں وہ رنگ بائنڈر موجود تھا جسے وہ مستقل پڑھ رہی تھی۔

''مم! آئی ایم ساری۔ آپ اکیلی ہی چلی جائیں۔ اس وقت میں ایک بہت دلچسپ مضمون پڑھنے میں مشغول ہوں۔'' ہلڈی نے درخواست کی۔

''اچھا اچھا، ٹھیک ہے۔ تم مطالعہ کرو۔ میں جلدی سے ہو کر آتی ہوں۔''

سوفی، ہرمز کے تعاقب میں چلی جا رہی ہے۔ البرٹو کے بڑے کمرے میں اسے ایک کارڈ نظر آیا جو لبنان سے آیا تھا اور اس پر بھی جون پندرہ کی تاریخ درج تھی۔

ہلڈی ابھی تک تاریخ کے نظام کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ پندرہ جون سے پہلے کی تاریخ والے کارڈ ان کی کاپی تھی جو ہلڈی پہلے ہی وصول کر چکی تھی۔ مگر آج کی تازہ ترین تاریخ والے کارڈ اسے رنگ بائنڈر کے ذریعہ موصول ہو رہے تھے۔

ڈیئر ہلڈی! اب سوفی فلسفہ دان کے گھر کی طرف آ رہی ہے۔ جلد ہی وہ پندرہ سال کی ہو جائے گی، جب کہ تم کل ہی پندرہ سال کی ہو چکی ہو۔

اب ہلڈی وہ باتیں پڑھ رہی تھی جس میں البرٹو نے سوفی کو مشعل راہ اور جدید سائنسی علوم

Marfat.com

کے بارے میں بتایا ہے۔ سترہویں صدی کے دانشوروں اور برطانوی شہنشاہوں کے بارے میں کافی کچھ لکھا گیا ہے۔ جب البرٹو نے برکلے کا ذکر شروع کیا تو ہلڈی بھی اس کے سحر میں اس طرح کھو گئی جیسے کہ سوفی کھو گئی تھی۔ اب کیا ہونے والا ہے؟ ایک ایک لفظ تجسس کو ابھار رہا تھا اور وہ اس فلسفی کے نظریے کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

یہ باب اس طرح شروع ہوتا ہے کہ البرٹو اور سوفی کھڑکی کے پاس کھڑے ہیں۔ سامنے خلا میں چھوٹا سا جہاز اڑ رہا ہے جس پر سالگرہ مبارک ہو کا پھریرا بھی لہرا رہا ہے۔ ٹھیک اس وقت گہرے بادل پورے شہر کو اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں۔

اب کیا ہوگا اور کیا نہیں ہوگا؟ اصل سوال یہ ہے کہ ہم لوگ خود کون ہیں؟ کیا ہم خون اور گوشت کے بنے ہوئے جیتے جاگتے انسان ہیں؟ کیا ہماری دنیا حقیقت میں قائم ہے یا یہ سب کچھ محض ہمارا وہم و خیال ہے؟

سوفی حیرت کے مارے اپنے ناخن چبانے لگ گئی۔ ناخن چبانے کا مشغلہ ہلڈی کو بھی پسند تھا۔ مگر اس وقت وہ کسی اور سوچ میں گم تھی۔ اور پھر شاید اس نے کوئی حل تلاش کر لیا۔ ''ہم سب کیلئے یہ خواہش یا یہ جذبہ بس ایک ہی طرف جاتا ہے اور وہ ہے ہلڈی کا باپ''۔

''کیا یہ کہنا درست ہے کہ وہ ہمارے لیے ایک خدا کا درجہ اختیار کرتا جا رہا ہے؟'' اگر تعصب سے پاک ہو کر سوچا جائے تو اس کا جواب ہاں میں ہی ہوگا۔ مگر اسے بعد میں پچھتانا پڑے گا۔ اور سوفی کی کیا حیثیت ہے؟ کیا وہ کوئی فرشتہ ہے؟ یہ خیال ہلڈی کو مستقل ستاتا رہا۔

مگر سوفی البرٹو کو چھوڑ کر کیوں بھاگی اور اس قدر شدید طوفان کا بھی اسے کوئی خیال نہیں آیا۔ کیا یہ وہی طوفان تھا جو انتہائی شدت سے گزشتہ رات جرکیلی پر برسا تھا..... سوفی کے شہر کی طرف بھاگنے کے چند گھنٹوں بعد۔

بھاگتے ہوئے اس کے ذہن پر بس ایک ہی دھن سوار تھی۔ ''کل میری سالگرہ ہے۔ کیا یہ ایک خوبصورت خواب نہیں ہے؟ بالکل اس طرح جیسے خواب میں تم نے کوئی خطیر رقم جیت لی ہے اور جب تم جاگتی ہو تو یہ دیکھ کر حیرت سے گنگ رہ جاتی ہو کہ وہ رقم واقعی تمہارے ہاتھوں میں موجود ہے۔''

سوفی کھیل کے میدان میں بھاگتی چلی جا رہی تھی۔ چند لمحے قبل اسے ایسا محسوس ہوا

Marfat.com

گویا کوئی اس کا تعاقب کر رہا ہو۔ یہ اس کی ماں تھی۔ آسمان ایک بار پھر غضبناک ہو گیا۔ بادل گرج رہے تھے اور بجلی زوروں پر کڑک رہی تھی۔ قریب آتے ہی ماں نے اسے اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔

''یہ ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے، میری بچی!''

''پتہ نہیں۔'' سوفی سسکیاں بھرنے لگی۔ ''یہ کوئی ڈراؤنا خواب لگتا ہے۔''

ہلڈی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اس نے رنگ بائنڈر کو ایک طرف پھینکا اور کھڑی ہو گئی۔ اس نے بے چینی سے ٹہلنا شروع کر دیا اور پھر بیتل کے آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی اور اس وقت تک کھڑی رہی جب تک کہ اس کی ماں نے ڈنر تیار ہونے کی خبر آ کر نہ سنا دی۔ ہلڈی کو خود اندازہ نہ تھا کہ وہ اس حال میں کب تک کھڑی رہی۔ مگر اس بات پر اسے پورا یقین تھا کہ اس کے عکس نے دونوں آنکھیں بیک وقت جھپکی تھیں۔ ڈنر کے دوران اگرچہ وہ سالگرہ والی لڑکی کے بارے میں بھی سوچتی رہی مگر اس کا سارا دھیان سوفی اور البرٹو کی طرف ہی رہا۔

''سالگرہ مبارک ہو۔'' آئس کریم اور اٹالین اسٹرابیری ختم کرتے ہی اس کی ماں گانے لگی۔ ''اب تمہاری مرضی کا کام ہوگا، جو تم چاہو۔''

''اگرچہ یہ کچھ عجیب سا لگتا ہے، مگر میں ڈیڈ کے لیے ایک تحفہ تیار کرنا چاہتی ہوں۔ میرے ہار کا ابھی تک کوئی پتہ نہیں چلا۔ کوئی دو ہفتے قبل گھاٹ پر شاید گر گیا تھا۔'' ہلڈی نے میز سے نکلتے ہوئے کہا۔

''کیا تم نے اپنے ڈیڈ کو بتایا تھا؟

''ہاں، بتایا تو تھا۔''

اس کی ماں فوراً اٹھی اور اپنا زیوروں کا ڈبہ ٹٹولنے لگی۔ ''میرے پاس بھی نہیں ہے۔ تم اسے تلاش کرو۔ اپنے کمرے میں ہی اِدھر اُدھر رکھا ہوگا۔ جاؤ۔ دیکھو!'' ماں نے سرزنش کی۔

اس نے اپنی ماں کی طرف بڑے پیار سے دیکھا اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اب وہ اطمینان سے سوفی اور البرٹو کے بارے میں مزید مطالعہ کر سکتی تھی۔ اس نے رنگ بائنڈر کو اپنے گھٹنوں پر رکھا اور اگلے باب پر نظر ڈالی۔

اگلی صبح سوفی اس وقت جاگی جب اس کی ماں سالگرہ کے تحفوں سے لدی پھندی اس کے

Marfat.com

کمرے میں داخل ہوئی۔اس نے ایک خالی بوتل میں ''سالگرہ مبارک ہوسوفی!'' کا جھنڈا بھی لہرا رکھا تھا۔

سوفی آنکھیں ملتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی اور یاد کرنے کی کوشش کرنے لگی کہ گزشتہ رات کیا ہوا تھا۔مگر یہ سب کچھ اسے مزید الجھانے کا سبب بن رہا تھا۔پہلا معما تو البرٹو کا تھا، دوسرا ہلڈی اور میجر کا۔اس کے بعد برکلے اور جرکیلی کا مسئلہ تھا۔آخیر میں ایک اور گمبھیر معاملہ بے لگام طوفان کا بھی تھا۔اس کی ماں نے آگے بڑھ کر تولیئے سے اس کا چہرہ صاف کیا اور اسے آرام سے بستر پر لٹا دیا۔وہ فوراً ہی دوبارہ نیند کی وادیوں میں کھو گئی۔

''شاید میں ابھی زندہ ہوں،'' وہ بے حد نحیف آواز میں بولی۔

''یقیناً تم زندہ بھی ہو اور اس وقت تمہاری عمر پندرہ سال ہے۔'' ماں نے بھی اسی پر مذاق لہجے میں جواب دیا۔''ایک ماں سے زیادہ بڑھ کر اور کون یہ بات سمجھ سکتا ہے۔میری زندگی کا بہترین لمحہ وہ تھا، جون 1975ء کی پندرہویں تاریخ اور دن کا ڈیڑھ بج رہا تھا۔جب تم اس دنیا میں وارد ہوئیں۔'' اس نے تحفے کو ایک طرف رکھا اور چند لمحوں کے لیے غائب ہو گئی۔ دوبارہ جب وہ آئی تو اس کے ہاتھ میں سوڈے کی بوتل تھی۔اس نے بوتل بستر کے کنارے پر رکھ دی۔''کل شام تم بے حد پریشان تھیں۔کیا خیال ہے اگر آج ہم کسی ماہر نفسیات سے رجوع کریں؟''

''اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' سوفی نے جھلا کر کہا۔

''شاید تیز برسات اور آندھی طوفان نے تمہارے ذہن پر کوئی اثر ڈالا ہے، یا پھر البرٹو تمہاری پریشانی کا باعث ہے؟''

''قصور یا مسئلہ کسی کا بھی نہیں ہے۔میں فلسفے کے اسباق میں الجھی ہوئی ہوں، اسی لیے آپ کو پریشان نظر آ رہی ہوں۔فکر مت کریں۔میں بالکل ٹھیک ہوں۔''

ماں کے جاتے ہی ٹیلیفون کی گھنٹی بج اٹھی۔''سوفی آمنڈسین! میں البرٹو بول رہا ہوں۔''

''شکریہ۔آپ کی آواز سن کر خوشی ہوئی۔لیکن میں سوچ رہی ہوں کہ کچھ دنوں کیلئے مجھے فلسفے کے اسباق سے پرہیز کرنا چاہیئے۔'' سوفی نے سنجیدگی سے کہا۔

''نہیں۔ایسا مت سوچو۔ہمیں موسم بہار تک یہ کورس مکمل کر لیا ہے اور یہ آخری موقع ہے۔''

Marfat.com

''آخری موقع؟ کس بات کا؟'' سوفی نے حیرت سے پوچھا۔

''اطمینان سے بیٹھ جاؤ اور توجہ سے میری بات سنو! کیا تمہیں ڈسکریٹس یاد ہے؟'' البرٹو نے حکم دیا۔

''ہاں، شاید، کچھ کچھ۔'' سوفی نے ہکلاتے ہوئے جواب دیا۔

''سبق تازہ کرنے کیلئے ہمیں آموختہ کر لینا چاہیئے۔ بعض اوقات خیالات اس بات سے اتفاق نہیں کرتے کہ ہماری سوچ دراصل کیا ہے۔ اس بات پر یقین کرنے کیلئے ہمارے پاس بہترین جواز موجود ہے کہ ہلڈی کے باپ نے ہمارے خیالات کو موڑنے کی کس قدر کوششیں کیں؟ مگر یہ تمام حرکتیں محض جھوٹ پر مبنی تھیں۔''

''آپ مجھے خوفزدہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔''

''سب سے پہلے میں تمہیں فرنچ مشعل راہ کے بارے میں کچھ بتاتا ہوں۔ اس کے بعد کانٹ کے فلسفے کے بارے میں بات کریں گے۔ ہیگل نے اس کارنامے میں اچھا خاصا کردار نبھایا ہے۔ تھوڑا بہت مارکس، ڈارون اور فریوڈ سے بھی واسطہ پڑے گا۔ مزید برآں اگر ہم سارترے اور اس کے فلسفے کو بھی ہاتھ لگا لیں تو ہمارا منصوبہ کامیابی سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔''

''افوہ! اتنی ساری باتیں سمجھنے کیلئے تو ایک ہفتہ چاہیئے۔'' سوفی نے ایک سرد آہ بھری۔

''اسی لیے تو کہہ رہا ہوں کہ سب باتیں بے حد اہم نوعیت کی ہیں۔ کیا تم ابھی فوراً یہاں آسکتی ہو؟''

''مگر آج مجھے اسکول جانا ضروری ہے۔ میں اسکول سے سیدھا آپ کے پاس آجاؤں گی۔'' سوفی نے دھڑکتے دل سے کہا۔

''ہاں، ٹھیک ہے۔ وہاں تمہاری ملاقات ہلڈی سے بھی ہو جائے گی۔ وہاں سے سیدھے میجر کے کیبن پر آجانا۔''

''میجر کا کیبن؟'' سوفی کا دل دھک سے ہو گیا۔ مگر دوسری طرف لائن کٹ چکی تھی۔

اسکول میں سوفی کی شاندار طریقے سے پذیرائی کی گئی کیونکہ آج اس کی سالگرہ کا دن تھا۔ کلاس ٹیچر نے جیسے ہی کلاس برخاست کی، سوفی گھر کی طرف دوڑ پڑی۔ جوانا نے اسے آہستہ چلنے کی تلقین کی لیکن سوفی نے سنی ان سنی کر دی۔

Marfat.com

میل بکس میں لبنان سے آئے ہوئے دو کارڈ پڑے تھے جو کہ سالگرہ کی مناسبت سے تھے۔ سالگرہ مبارک ہو۔ پندرہویں سالگرہ خوشیوں کا سال ثابت ہو۔ ایک کارڈ ''ہلڈی مولر کانگ معرفت سوفی آمنڈسین'' تھا۔ مگر دوسرا براہ راست اسی کے نام تھا۔ دونوں پر یو این بٹالین۔ جون پندرہ کی مہر ثبت تھی۔

سوفی نے پہلے اپنا کارڈ پڑھنا شروع کیا۔

''ڈیئر سوفی آمنڈسین! سالگرہ مبارک ہو۔ ہلڈی کیلئے تم نے جو خدمات انجام دیں، ان کا بہت بہت شکریہ۔ بہت ساری نیک تمناؤں کے ساتھ۔

میجر البرٹ کانگ

سوفی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس ردعمل کا مظاہرہ کرے۔ بالآخر ہلڈی کے باپ نے اسے براہ راست مخاطب کر ہی ڈالا۔ اب اس نے ہلڈی کا کارڈ پڑھنا شروع کیا۔

ڈیئر ہلڈی! مجھے کچھ اندازہ نہیں ہے کہ اس وقت للّی سینڈ میں کیا بج رہا ہے۔ لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ زیادہ دیر سرد ہوا میں مت گھوما پھرا کرو۔ تمہاری طبیعت آج کل خراب رہتی ہے۔ اپنی صحت کا خیال رکھو۔ بہت جلد البرٹو تمہیں فرنچ مشعل راہ کے بارے میں کچھ بتانے والا ہے۔ سات نکات خاص طور پر زیر بحث آئیں گے اور وہ یہ ہیں:۔

1- اقتدار کی مخالفت
2- معقول استدلال
3- مشعل راہ کی تحریک
4- خوش امیدی
5- فطرت کی طرف رجوع
6- فطرت مذہب
7- انسانی حقوق

میجر کی نگاہیں آج بھی ان ہی پر مرکوز تھیں۔

سوفی نے تمام بہترین رپورٹ کارڈ کچن کی میز پر رکھ دیے اور پھر اپنی پناہ گاہ سے ہوتی ہوئی جنگل کی طرف دوڑ پڑی۔ جلد ہی وہ چھوٹی میز کے پاس پہنچ گئی۔ البرٹو کیبن کے قریب

Marfat.com

سیڑھیوں پر بیٹھا ہوا اس کا منتظر تھا۔ اس نے سوفی کو اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ موسم خوش گوار تھا، سوائے اس کے کہ نہر کی جانب سے تیز اور گرد آلود ہوا آ رہی تھی۔

''ہمارے پاس وقت بالکل نہیں ہے۔ آؤ! کام شروع کرتے ہیں۔''

البرٹو نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔'' ہیوم کے بعد دوسرا بڑا فلاسفر ایمونوئیل کانٹ (Immonual Kant) تھا جو جرمن تھا۔ مگر اٹھارہویں صدی میں فرانس میں بھی بڑے بڑے دانشور گزرے ہیں۔ یہ بھی مانا جاتا ہے کہ یورپ میں دانائی اور فلسفے کا اصل مرکز شروع میں انگلینڈ تھا، فرانس میں یہ دور اٹھارہویں صدی کا درمیانی حصہ تھا اور جرمنی میں اس صدی کا آخری دور۔''

''دوسرے لفظوں میں مغرب سے مشرق کا سفر۔'' سوفی نے دخل اندازی کی۔

''یقیناً''۔ مگر پہلے میں ذرا فرنچ مشعل راہ کی کچھ نشان دہی کر دوں۔ اس سلسلے میں اہم نام مونٹسکیو (Montesquieu) والٹیئر ز (Voltaire) اور روسو (Rousseaou) کے آتے ہیں، مگر ان کے علاوہ کچھ دوسرے بھی ہیں۔ میں صرف سات اہم نکات کے بارے میں بات کروں گا۔''

''ان نکات کا علم مجھے پہلے ہی سے ہے۔'' سوفی نے ہلڈی کے باپ کی طرف سے بھیجا ہوا کارڈ نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

البرٹو نے ایک گہری سانس لی۔'' اس نے یہ کارڈ لکھ کر اپنے آپ کو بہت سی مصیبتوں سے بچا لیا ہے۔ فرنچ مشعل راہ کے فلسفہ دانوں نے انگلینڈ کے دورے کیے۔ انگلینڈ ان دنوں فرانس کے مقابلے میں زیادہ ترقی یافتہ اور آزاد ملک تھا۔ نیوٹن کا عالمی طبیعات کا فلسفہ عرج پر تھا، لیکن اس کے علاوہ لوکی کے سیاسی نظریات کا بھی بے حد چرچا ہو رہا تھا۔ ایک بار پھر فرانس کی طرف واپس چلتے ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ انسان کو ہر بات پر ثابت قدم رہنا چاہیئے جو ان کی عقل کے مطابق درست ہو۔ ڈیسکریٹس ہر طرح سے ان کے معیار پر پورا اترتا تھا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے ایک اچھی بنیاد ڈالی تھی۔''

''اور پھر فرانس میں انقلاب آ گیا۔''

''ہاں۔ یہ واقعہ 1789ء میں پیش آیا۔ مگر انقلابی خیالات بہت پہلے سے پرورش پا رہے

Marfat.com

تھے۔ دوسری کلید معقول استدلال کی ہے اور اس کا تعلق ہیوم سے ہے۔ ہیوم 1776ء تک زندہ رہا۔ یہ عرصہ مونٹسکیو کے بیس سال بعد اور والٹیئر اور روسو سے دو سال پہلے کا ہے۔ یہ دونوں حضرت 1778ء میں داغ مفارقت دے گئے۔ یہ تینوں اپنی موت سے قبل انگلینڈ آ چکے تھے اور لوکی کے فلسفے سے بے حد متاثر تھے۔ لوکی شہنشاہیت سے بے حد نالاں تھا۔ اس کی رائے میں خدا پر اعتقاد انسان کی روح میں بسی ہوئی ہے۔ فرنچ مشعل راہ کا یہ نظریہ بنیادی درجہ رکھتا ہے۔''

''آپ نے بتایا کہ فرانسیسی باشندے زیادہ معقول استدلال رکھتے ہیں، بہ نسبت انگریزوں کے؟'' سوفی بول اٹھی۔

''بالکل ٹھیک۔ یہ اختلاف ہمیں واپس قرون وسطیٰ کی طرف لے جاتا ہے۔ برطانوی اس کو عام عقل و شعور گردانتے ہیں اور فرنچ کہتے ہیں کہ یہ بات سب پر عیاں ہے۔ قدیم آثار کے مطابق..... سقراط اور فلسفی زینو کے پیروکاروں کا نظریہ، مشعل راہ کے فلسفہ دان انسانی اقدار پہ زیادہ یقین رکھتے ہیں۔ فرنچ مشعل راہ کی زبان میں اسی کو عقل و ادراک کا زمانہ کہتے ہیں۔ نئی فطری سائنس کے مطابق یہ استدلال صحیح نظر آتا ہے۔ اب مشعل راہ کے فلسفہ دان اس طرف آتے ہیں کہ اخلاق، مذہب اور شائستگی، انسان کی بنیادی ضروریات ہیں اور اسی بات نے مشعل راہ کی جانب توجہ دلائی۔ اگر معاشرے کو بہتر بنانا ہے تو ہمیں ان باتوں پر پوری توجہ دینی ہوگی۔ لوگ سوچتے تھے کہ غربت اور جور و ستم کی وجہ سے لوگوں کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں کند ہو کر رہ گئی ہیں۔ چنانچہ دانشوروں نے بچوں اور بالغوں کی تعلیم کی طرف پوری توجہ مرکوز کر دی۔ ان فراخ دلانہ خیالات نے سائنس کی دنیا میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔

سب سے بڑی یادگار جو ہمیں مشعل راہ کی تحریک نے عطا کی وہ ایک عظیم انسائیکلوپیڈیا ہے۔ یہ 1751ء اور 1772ء کے درمیانی عرصے میں اٹھائیس جلدوں میں شائع کی گئی۔ دنیا کے تمام بڑے بڑے عالموں، دانشوروں اور فلسفہ دانوں نے اپنے علم کو اس کتاب میں نچوڑ کر رکھ دیا۔ کہا جاتا ہے کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے جو اس میں موجود نہ ہو۔''

''اب اگلا موضوع خوش امیدی کا آتا ہے۔'' سوفی نے یاد دلایا۔

''فلسفیوں نے اندازہ لگایا کہ جب تک تعلیم اور معلومات عام نہیں ہو جاتیں، انسانیت

Marfat.com

ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہوسکتی۔لیکن اس کیلئے کافی وقت کی ضرورت ہوگی۔ یورپ میں یہ خیال تیزی سے پھیلتا چلا گیا اور دو صدیوں تک اس کا بہت غلبہ رہا۔اس کے بعد فطری مذہب کے معاملے نے ہماری زندگی میں نمایاں تبدیلی پیدا کی۔ مادہ پرست گروہ جو خدا پر یقین نہیں رکھتا تھا،ان لوگوں نے ملحدانہ نظریات ابھارے۔لیکن مشعل راہ دکھانے والے فلسفہ دانوں نے اسی مسئلے پر زیادہ توجہ دلائی کہ خدا کے بغیر دنیا کا تصور بھی محال ہے۔استدلال کا تقاضا بھی یہی تھا۔ نیوٹن (Newton) نے بھی اسی نظریے کو عام کیا۔ڈسکریٹس خود اس خیال کا حامی تھا کہ اگر روح کے غیر فانی ہونے کو رد کر دیا جائے تو اعتقاد کو شدید نقصان پہنچے گا۔مشعل راہ کے حامی دانشوروں کے خیال کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات کو من وعن قبول کر لینا چاہیئے۔"

"اب ہمیں انسانی حقوق پر بات چیت کر لینی چاہیئے۔" سوفی کو جانے کی جلدی تھی۔

"ہاں،اور یہ انتہائی اہم اور نازک موضوع ہے۔اس بارے میں فرنچ مشعل راہ کا نظریہ انگریزی مشعل راہ کے فلسفے سے بہتر ہے۔فرنچ دانشور اس بات سے متفق نہیں ہیں کہ عملی طور پر انسان کو بس اپنے معاشرے میں ہی قید رہنا چاہیئے۔انہوں نے انسانی حقوق کیلئے عملی طور پر اچھی خاصی جدوجہد کی۔سب سے پہلے انہوں نے سنسر شپ کے خلاف آواز اٹھائی اور پریس کی آزادی کا نعرہ لگایا۔اس کے بعد مذہبی معاملات،اخلاقیات،سیاست اور انسان کی ذاتی ذہنی سوچ اور انداز کو آزادی عطا کرنے کی پھرپور کوشش کی۔غلامی اور اذیت ناک سزاؤں کے خلاف احتجاج کیا۔ 1789ء میں انسانی حقوق کا چارٹر قومی اسمبلی میں پیش کیا گیا۔1814ء کے نارویجین آئین میں یہ شقیں شامل ہیں۔انگریز فلاسفروں کا بھی یہی کہنا تھا کہ یہ انسان کے بنیادی حقوق ہیں جو انہیں پیدائش طور پر حاصل ہونے چاہئیں۔

خواتین کے بارے میں بھی مطالبات کیے گئے کہ انہیں بھی وہی حقوق حاصل ہونے چاہئیں جو مردوں کو حاصل ہیں۔ 1789ء کے انقلاب کے وقت خواتین بھی شہنشاہیت اور آمریت کے خلاف جدوجہد کر رہی تھیں۔اسی کا نتیجہ تھا کہ بادشاہ کو اپنے محل سے باہر نکلنا پڑا۔ خواتین نے شادی بیاہ کے قوانین میں ردوبدل کا بھی مطالبہ کیا۔لیکن یہ جدوجہد پورے طور پر کامیاب نہ ہوسکی اور بہت سی ایسی باتیں درمیان مین ہی شک وشبہات اور بحث مباحثے کی نذر ہوگئیں۔لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ معاملہ ٹھپ ہو کر رہ گیا۔اس کے بعد بھی مختلف

Marfat.com

خواتین اور افراد میدان میں آئے جو اپنی کوششیں کرتے رہے۔

ان افراد میں سے سے نمایاں نام اولمپی ڈی گوگس (Olympe De Gouges) کا آتا ہے۔ انقلاب کے دو سال بعد 1791ء میں اس نے خواتین کے حقوق پر ایک قرارداد پیش کی اور اسے شائع کروایا۔ شہریوں کے حقوق پر جو عہد نامہ تسلیم کیا گیا تھا اس میں عورتوں کے خاص حقوق کی کوئی بات نہیں کی گئی تھی۔ اولمپی ڈی گوگس نے اب ان تمام حقوق کا مطالبہ کیا جو صرف خواتین کے مسائل سے تعلق رکھتے تھے۔

مگر نتیجہ کیا نکلا؟ 1793ء میں اسے سزائے موت دے دی گئی اور خواتین پر سیاست میں دخل اندازی کی پابندی عائد کر دی گئی۔ انیسویں صدی میں ایک بار پھر صنف نازک نے سر اٹھایا، نہ صرف فرانس میں بلکہ تمام یورپ میں۔ رفتہ رفتہ اس معاملے میں کامیابیاں ملنے لگیں۔ لیکن ناروے میں 1913ء تک عورتوں کو ووٹ ڈالنے کا حق حاصل نہیں تھا۔ آج بھی دنیا کے بیشتر ممالک میں عورتوں کو یہ حق حاصل نہیں ہے۔"

Marfat.com

ایمانویل کانٹ (IMMANUEL KANT)
(1724 - 1804 A.D)

ایمانویل کانٹ ایک زین ساز کے گھر کونسبرگ کے شہر میں پیدا ہوا۔اس نے اپنی تمام عمر ایک ہی جگہ گزار دی۔اس کا تعلق ایک دین دار خاندان سے تھا اور یہی وجہ تھی کہ اس کے مذہبی خیالات نے اس کے فلسفے کو ایک نئی جہت عطا کی۔ برکلے کی طرح اس کا رجحان بھی عیسائی مذہب اور عقیدے پر مکمل مرکوز تھا۔وہ یونیورسٹی میں فلسفے کا پروفیسر بھی رہا۔فلسفہ دانوں کی دو قسمیں ہیں۔ایک وہ جو خود اپنے فلسفیانہ سوالات پیدا کرتے ہیں اور خود ہی ان کے جوابات دے کر اپنے آپ میں مگن رہتے ہیں۔دوسرے وہ جو فلسفے کی تاریخ پر مکمل نظر رکھتے ہیں مگر اپنا فلسفہ لوگوں پر زبردستی نہیں ٹھونستے۔

''گویا کانٹ کا تعلق دوسری قسم سے تھا؟'' سوفی نے پوچھا۔

''کانٹ کا شمار دونوں میں کیا جا سکتا ہے۔اگر وہ صرف ایک ذہین اور باصلاحیت پروفیسر ہوتا جو دوسرے فلسفیوں کے فلسفے پر گہری نظر رکھتا ہے تو وہ فلسفے کی تاریخ میں اپنا نام کبھی اجاگر نہیں کر سکتا۔اہم ترین بات یہ ہے کہ کانٹ گزرے ہوئے فلسفہ دانوں کے تمام پس منظر سے اچھی طرح واقفیت رکھتا تھا۔وہ ڈسکریٹس اور سپنوزا کے استدلال پر بھی مہارت رکھتا تھا اور لوکی، برکلے اور ہیوم کے آسرانہ نظریات سے بھی۔کانٹ کے خیال میں دونوں نظریات درست بھی تھے اور غلط بھی۔یہ خیال اس کی سوچ کا مرکز تھا کہ ہم دنیا کے بارے میں کیسے جان سکتے ہیں۔ڈسکریٹس سے لے کر آج تک ہر شخص اس سوال سے پریشان تھا۔

انحراف کے مسئلے پر کانٹ کو ہیوم کے ساتھ اتفاق ہے۔مگر یہاں استدلال سے اس کو زیادہ اطمینان نہیں۔انسان کے ذہن میں مختلف خیالات پرورش پاتے رہتے ہیں جو دنیا کے وجود

Marfat.com

کے بارے میں شک وشبہات پیدا کرتے ہیں۔اسے ہیوم کا یہ نظریہ پسند ہے کہ ہم یہ یقین سے کہہ ہی نہیں سکتے کہ دنیا بذات خود کیا چیز ہے۔ہم صرف یہ دیکھتے ہیں کہ دنیا ہماری نظروں میں صرف ایک سرزمین ہے اور کچھ نہیں۔فلسفے کی دنیا میں کانٹ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اشیاء اور انسانوں کے درمیان فرق کو واضح کر دیا۔اس نے بتایا کہ کوئی چیز اپنے اندر سے کیا ہے اور ہم اسے کیا سمجھتے ہیں۔یقینی طور پر ہم اس چیز کے اندر نہیں جھانک سکتے۔ہم صرف اس کی ظاہری صورت ہی دیکھ سکتے ہیں۔دوسری طرف کسی تجربے کے بغیر بھی انسانی ذہن نتیجہ اخذ کر لیتا ہے۔"

"کیا ہم ایسا کر سکتے ہیں؟" سوفی کا جذبۂ تجسس جاگ اٹھا۔

"اگر تم صبح کی سیر کے لیے نکلو تو پہلے سے اندازہ نہیں کر سکو گی کہ باہر تمہیں کیا کیا دیکھنے کو ملے گا۔مگر وقت اور مقام کے بارے میں سوچ کر تم بہت کچھ جان سکتی ہو۔اسی بات کو اس طرح بھی کہا جا سکتا ہے کہ اکثر فلسفہ دانوں نے آزادی کو انسان کی بنیادی ترجیح قرار دیا ہے۔مثال کے طور پر زینو کے پیروکار اور اسپینوزا، جن کا قول تھا کہ ہر بات قدرتی صورت کے مطابق پیدا ہوئی ہے۔کانٹ کا کہنا بھی یہی تھا کہ انسان کی عقل پہلے سے کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی۔

آخر کار ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ خدا کے وجود پر یقین لائے بغیر ہم کہیں سے بھی آگے نہیں بڑھ سکتے۔یہاں ڈسکریٹس جیسا استدلالی فلسفی بھی اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ ہمارے ذہنوں میں خدا سمایا ہوا ہے اور ہم یہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ ایک اعلیٰ اقتدار کا مالک کہیں موجود نہیں ہے۔

ارسطو اور تھومس اکوئناس کا فیصلہ بھی یہی تھا کہ کوئی خدا ہے، ورنہ کسی بھی چیز کی بنیاد کیسے پڑ سکتی تھی؟ عیسائی مذہب نے بھی اس خلا کو پر کرنے میں کافی مدد دی ہے۔اب اس بات کی کوئی اہمیت نہیں کہ کیا کانٹ پروٹسٹنٹ فرقے سے تعلق رکھتا تھا۔کیتھولک چرچ نے بھی اس زمرے میں بے حد کام کیا ہے۔

مگر کانٹ نے اس معاملے کو اور آگے بڑھایا۔اس نے کہا کہ یہ باتیں انفرادی سوچ پر چھوڑ دینی چاہئیں اور یہ سب کچھ ان کی اخلاقی اور تہذیبی اقدار پر منحصر ہے کہ وہ لافانی روح کے بارے میں سوچیں، جو صرف خدائی طاقت ہے۔"

Marfat.com

اچانک دروازے پر ایک دستک سنائی دی۔ سوفی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''کیا میں دیکھ لوں کہ دروازے پر کون ہے؟''

البرٹو نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ سوفی نے دروازہ کھولا۔ ایک چھوٹی سی لڑکی اس کے سامنے کھڑی تھی جس نے سردیوں کا سفید لباس پہنا ہوا تھا اور چھجے والی لال ٹوپی اس کے سر پر تھی۔ یہ وہی لڑکی تھی جو اس نے نہر کی دوسری طرف پہلے بھی دیکھی تھی۔ اس کے ایک ہاتھ میں پھلوں کی ٹوکری تھی۔

''تم کون ہو؟'' سوفی نے پوچھا۔

میں اپنی دادی کا گھر تلاش کر رہی ہوں۔ لڑکی بڑی معصومیت سے بولی۔

''وہ بہت ضعیف اور بیمار ہیں۔ لہٰذا میں ان کیلئے کچھ کھانے پینے کی چیزیں لائی ہوں۔''

''مگر تمہاری دادی یہاں نہیں رہتی۔'' البرٹو نے خشک انداز میں کہا۔ ''بہتر ہے کہ تم کہیں اور جا کر ان کو تلاش کرو''۔

لڑکی نے اپنے جسم کو کچھ اس انداز میں حرکت دی گویا مکھی بھگا رہی ہو۔ ''دراصل مجھے یہاں ایک خط پہنچانا تھا۔'' اس نے جلدی سے ایک لفافہ سوفی کے ہاتھ میں پکڑایا اور ایک خرگوش کی طرح بھاگ کھڑی ہوئی۔

سوفی نے اس کا تعاقب لاحاصل سمجھ کر خط کو کھولا۔ یہ ہلڈی کے نام تھا۔

ڈیئر ہلڈی! اگر انسانی دماغ اس قابل ہوتا کہ وہ تمام گتھیوں کو چٹکیوں میں سلجھا لیتا تو پھر احمق اور عقل مند میں کیا فرق رہ جاتا۔

بڑی محبتوں کے ساتھ

تمہارا ڈیڈ

سوفی نے اس مختصر سے خط کو تہہ لگا کر اپنی جیب میں رکھ لیا اور البرٹو سے اجازت لے کر گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔

Marfat.com

رومان پسندی

ہلڈی نے تیزی سے رنگ بائنڈر کو اپنی گود میں چھپا لیا لیکن رنگ بائنڈر پھسل کر زمین پر گر پڑا۔ کمرے میں تھوڑی تھوڑی سی روشنی پھیل رہی تھی۔ وہ دوبارہ بستر پر گر پڑی۔ اسے نیند میں بھی یہی خیال ستا رہا تھا کہ اس کا باپ Little Red Ridinghood اور Winnie-the-Pooh کے بارے میں اسے کیا بتانا چاہتا ہے۔ وہ گیارہ بجے دن تک سوتی رہی۔ جب وہ جاگی تو اس کے جسم میں کھچاؤ اور درد کی سی کیفیت طاری تھی۔

وہ نیچے اتری اور اپنا ناشتہ تیار کیا۔ اس کی ماں نے اس کیلئے تیرنے والا جیکٹ تیار کر کے رکھا ہوا تھا تا کہ وہ کشتی میں جا کر اس کی کچھ مرمت وغیرہ کر لے اور جب اس کا باپ لبنان سے واپس آئے تو اسے یہ موٹر بوٹ ٹھیک ٹھاک حالت میں ملے۔ ہلڈی نے موٹر بوٹ کا جائزہ لیا۔ اسے سب کچھ ٹھیک ٹھاک نظر آیا۔ وہ اپنے کمرے میں واپس آئی اور رنگ بائنڈر اٹھا کر دوبارہ مطالعے میں گم ہو گئی۔

سوفی جھاڑیوں میں سے گزرتی ہوئی ایک بڑے سے باغ میں جا کھڑی ہوئی جس کے بارے میں وہ سوچ رہی تھی کہ یہی باغ عدن ہے۔ گزشتہ رات کی آندھی نے تمام نازک شاخوں کو اچھا خاصا نقصان پہنچایا تھا۔ پورے باغ میں پتے بکھرے پڑے تھے۔ اسے ایسا لگا گویا کہ طوفان اور تباہ و برباد باغ کا کوئی نہ کوئی تعلق لٹل ریڈ رائڈنگ ہڈ اور ونی۔ دی۔ پوہ سے ضرور ہے۔

وہ گھر میں داخل ہو گئی۔ اس کی ماں سوڈے کی بوتلیں ریفریجریٹر میں سجا رہی تھی اور میز پر ایک شاندار کیک رکھا ہوا تھا۔

Marfat.com

''کیا مہمان آنے والے ہیں؟'' سوفی نے پوچھا۔ وہ شاید یہ بات بھول گئی تھی کہ اس کی سالگرہ سر پر آ گئی ہے۔

اس سنیچر کے روز ہم ایک زبردست پارٹی دے رہے ہیں، مگر اس سے قبل ایک چھوٹی سے تقریب آج رات بھی ہے۔ ماں نے خوشی سے سرشار لہجے میں کہا۔

''میں نے جوانا اور اس کے والدین کو دعوت دے دی ہے''۔

''یہ تو آپ نے بہت اچھا کیا۔'' سوفی مسکرا اُٹھی۔

مہمان شام ساڑھے سات بجے ہی آ گئے۔ موسم کافی خوشگوار تھا۔ سوفی کی ماں جوانا کے والدین کی خوب خاطر تواضع کر رہی تھی۔ کچھ دیر بعد سوفی اور جوانا اوپر چلے گئے۔ سوفی چاہتی تھی کہ اپنے کمرے میں بیٹھ کر اطمینان سے بڑی پارٹی کا دعوت نامہ تحریر کرے جو کہ عنقریب باغ میں ہونے والی تھی۔ چونکہ البرٹو ناکس کو بھی دعوت دی جائے گی چنانچہ سوفی نے اس پارٹی کو ''فلسفیانہ گارڈن پارٹی'' کے نام سے موسوم کیا تھا۔ جوانا نے بھی یہ نام پسند کیا۔ بالآخر وہ دونوں مل کر ایک مسودہ تیار کرنے کامیاب ہو گئیں۔

ڈیئر.....

ہم آپ کو فلسفیانہ گارڈن پارٹی میں مدعو کرتے ہوئے بے حد خوشی محسوس کر رہے ہیں۔ یہ پارٹی ہفتہ تیئیس 23 جون کو شام سات بجے منعقد کی جا رہی ہے۔ اس تقریب کے دوران ہم زندگی کے فلسفے پر غور و فکر کریں گے۔ براہ کرم گرم کپڑے اور روشن خیالات اپنے ہمراہ لے کر آیئے گا۔ جنگلی جانوروں کے خطرات کے پیش نظر اپنی حفاظت کی ذمہ داری بھی آپ کا فرض ہے۔ ہم اس سلسلے میں آپ کی کوئی مدد نہ کر سکیں گے۔ لیکن ہر شخص اپنے خیالات اور جذبات کی حرارت اور روشنی سے ماحول کو منور کرنے کیلئے آزاد ہے۔ مہمانوں کے درمیان ایک اصلی اور خالص فلسفہ دان موجود ہوگا۔

اس دعوت میں ہم نے صرف خاص خاص لوگوں کو بلایا ہے۔ پریس کے نمائندوں کو داخلے کی اجازت نہیں ہے۔

بہترین امیدوں کے ساتھ
جوانا انگرسین (آرگنائزنگ کمیٹی)
اور سوفی آمنڈسین (میزبان)

Marfat.com

دونوں لڑکیاں نیچے اتر کر اپنے والدین کے پاس آ گئیں جو کہ اب تک بڑی آزادی سے گفت وشنید کر رہے تھے۔ سوفی نے خوش خطی میں لکھا ہوا مسودہ اپنی ماں کی طرف بڑھا دیا۔

''اب ان کی اٹھارہ فوٹو کاپیاں بنوا لیجئے۔

ماں نے ایک نظر مسودے پر ڈالی اور جوانا کے والد کی طرف بڑھا دیا۔ ''میری بیٹی کچھ کچھ دیوانی سی لگتی ہے۔''

''مگر اس دعوت نامے میں کافی دلچسپی اور امنگ موجود ہے۔'' جوانا کے باپ نے یہ کاغذ اپنی بیوی کے ہاتھ میں پکڑاتے ہوئے کہا۔ ''میں ضرور اس میں شرکت کروں گا۔''

''اور میں بھی''۔ بار بی بے ساختہ بول اٹھی۔

''تب اس کی بیس کاپیاں بنانی ہوں گی۔'' سوفی نے ماں کی دیکھا۔

بستر پر دراز ہونے سے قبل سوفی کھڑکی کے پاس کھڑی ہو کر بہت دیر تک باہر دیکھتی رہی۔ اسے یاد آ رہا تھا کہ کس طرح اندھیرے میں اسے البرٹو کا ہیولا نظر آیا تھا۔ اس بات کو ایک ماہ گزر گیا تھا۔ آج بھی ایسی ہی ایک رات تھی، مگر اب گرمی کا موسم تھا۔

اگلے منگل کی صبح تک اسے البرٹو کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں ملی، اور پھر ماں کے کام پر روانہ ہوتے ہی اس کا فون آ گیا۔ ''مجھے افسوس ہے کہ میں کئی دنوں کے بعد رابطہ کر رہا ہوں۔ میں کسی ضروری کام میں مصروف تھا لیکن اس دوران میجر برابر تم پر نگاہ رکھے ہوئے تھا۔''

''یہ تو بڑے نصیب کی بات ہے۔'' سوفی مسکرائی۔

''اسی لیے میں اپنے آپ کو ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ دنیا کے جھمیلوں سے محفوظ رہنے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ ہر معاملے میں زیادہ لوگ دخل اندازی نہ کریں۔ مجھے تمہارا دعوت نامہ مل گیا۔ مگر اس دوران کوئی خطرہ بھی پیش آ سکتا ہے۔''

''بہر حال، آپ کو ضرور آنا ہے۔''

''ہاں، میں ضرور شرکت کروں گا۔ کیا تمہیں یاد ہے کہ ٹھیک اسی دن ہلڈی کا باپ بھی لبنان سے واپس آ رہا ہے؟''

''ارے نہیں۔ یہ تو مجھے خیال ہی نہیں تھا۔'' سوفی چونک اٹھی۔

''یہ بھی عجیب اتفاق ہو سکتا ہے کہ وہ گھر واپس آتے ہی جرکیلی میں ایسی ہی کسی دعوت کا

Marfat.com

اہتمام کرے۔"

"نہیں ایسا نہیں ہوسکتا۔" سوفی خوفزدہ ہوگئی۔

"اس بارے میں بعد میں باتیں کریں گے۔ صبح سویرے میجر کے کیبن میں آجاؤ۔"

سوفی جب وہاں پہنچی تو اس نے دیکھا کہ البرٹو سیڑھیوں پر بیٹھا اس کا انتظار کر رہا ہے۔

"آؤ! یہیں بیٹھ جاؤ۔ ہم لوگ جلد از جلد اپنا کام شروع کر دیں۔ پچھلی دفعہ ہم نشاۃ ثانیہ کی بات کر رہے تھے جو کہ مشعل راہ اور باروق کا زمانہ تھا۔ آج ہم رومان پسندی کے دور میں داخل ہوں گے جس کو یورپ کا آخری مخصوص دور کہا جا سکتا ہے، تہذیب وتمدن کے حوالے سے۔ یہ اٹھارہویں صدی کے وسط سے شروع ہو کر انیسویں صدی کے وسط تک قائم رہا۔ مگر 1850ء کے بعد یہ عہد شعر وشاعری، فلسفہ، سائنس، موسیقی اور بیشتر فنون کی ترقی کا سنہرا دور کہلائے جانے کے لائق ہے۔ زندگی کے عروج کی جانب یہ یورپ کا آخری مشترکہ سفر تھا جو جرمنی سے شروع ہوا۔ کانٹ اور اس کے منجمد روشن خیالی کے بعد جرمن نوجوانوں نے ایک اطمینان کا سانس لیا۔"

"انہوں نے کن معنوں میں اس کا فائدہ اٹھایا؟" سوفی نے پوچھا۔

"جرمن نوجوان، خیالات، تصورات، تجربات اور مختلف آرزوں پر ٹوٹ پڑے۔ کچھ لوگ اپنے آپ کو کانٹ کا وارث سمجھ بیٹھے۔ بعض لوگوں نے آزادی کے خوب مزے لوٹنے شروع کر دیے۔ رومان پسند لوگ خودی اور شعور ذات میں کھو گئے جس کی وجہ سے فنون لطیفہ کو کافی نقصان پہنچا۔

اسی دوران نووالس (Novalis) نے بتلایا کہ یہ دنیا محض ایک خواب وخیال ہے، لیکن یہ خواب ایک حقیقت بن چکا ہے۔ اس موضوع پر اس نے ایک ناول بھی لکھنا شروع کیا۔ لیکن وہ اسے مکمل نہ کر سکا اور 1801ء میں انتقال کر گیا۔ یہ ایک انتہائی منفرد اور عجیب وغریب ناول تھا جس میں بتایا گیا کہ نوجوان ہنرچ ایک قرمزی پھول کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا تھا۔ انگریز رومان پسند شاعر کولرج نے اس خیال کو ان الفاظ میں پیش کیا ہے۔

"آپ گہری نیند میں کھوئے ہوئے ہیں اور نیند کے دوران ایک خوشگوار خواب دیکھتے ہیں۔ کیا ہی مزہ ہو کہ خواب میں آپ آسمان کی سیر کرنے چلے جاتے ہیں اور وہاں سے ایک

Marfat.com

عجیب وغریب اور خوشنما پھول اکھاڑ کر لے آتے ہیں۔ جب آپ کی آنکھ کھلتی ہے تو وہ پھول آپ کے ہاتھوں میں مسکرا رہا ہوتا ہے۔"

"واہ! کیا دلچسپ اور سحر انگیز خواب ہے۔" سوفی اس کی رنگینیوں میں گم ہوتے ہوئے بولی۔ "رومان پسندی کا یہ دور تو انتہائی نشاط پرور ہے۔ یہ رومان پسند لوگ کون تھے؟"

"گزشتہ صدی میں پورے یورپ میں یہ جنون پھیل چکا تھا۔ اصلی رومان پسند لوگ نوجوان تھے اور زیادہ تر یونیورسٹی کے طالب علم۔ 1800ء میں یہ رومان پسند افراد ہپیوں کی شکل وصورت اور انداز واطوار میں نہیں ہوا کرتے تھے۔ وہ صرف رومان پسندی اور خواب و خیال کی دنیا میں گم رہنے والے لوگ تھے۔ لیکن پھر رفتہ رفتہ کاروبار اور دیگر ذریعہ معاش میں دلچسپی لینے لگے۔

کہا جاتا ہے کہ آرام طلبی، ذہین اور قابل افراد کا خاصہ ہے اور کاہلی، رومان کو جنم دیتی ہے۔ رومان پسندوں کا کام یہی ہے کہ وہ بس خوابوں اور تصورات کی دنیا میں گم رہیں۔

بائرن اور شیلے رومان پسند شاعر تھے۔ شیلے کو ایک ایسی لڑکی سے محبت ہوگئی جو انتہائی کم عمری میں ہی وفات پا گئی۔ موت کے وقت اس کی عمر پندرہ سال سے چار دن کم تھی اور اس کا نام بھی سوفی تھا۔"

"مگر میں پندرہویں سالگرہ کو چار دن پہلے ہی گزار چکی ہوں۔" سوفی نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں تمہاری بات نہیں کر رہا۔ میں شیلے کی محبوبہ کے بارے میں بتا رہا ہوں"۔

"میں تو ڈر ہی گئی تھی کہ کہیں وہ میں ہی تو نہیں ہوں جس کی آپ بات کر رہے ہیں۔" سوفی ہنستے ہوئے بولی۔

البرٹو نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ ایک طرف بیٹھ کر جھیل پر نظریں جمائے بیٹھا رہا۔ سوفی نے چند لمحے انتظار کیا اور پھر اس کا کندھا پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا۔ "کیا سوچ رہے ہیں؟"

البرٹو چونک اٹھا۔ "میں اب ہیگل کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ فلسفے کی آگ اور رومان پسندی کے درمیان ایک توازن کو سامنے رکھا جائے۔"

"بہت خوب! لیکن یہ باب کل دیکھیں گے۔ اب میں جانا چاہتی ہوں۔" البرٹو نے گردن ہلا دی۔

Marfat.com

جارج ولہیم فریڈرک ہیگل

(GEORGE WILHELM FREDRICH HEGEL)
(1770 to 1831 AD)

ہلڈی نے رنگ بائنڈر کو بھد سے زمین پر پھینکا اور بستر پر لیٹ کر چھت کو گھورنے لگی۔ اس کے خیالات ایک گرداب میں گردش کر رہے تھے۔ اس کے باپ نے اسے پریشان میں مبتلا کر دیا تھا۔

سوفی نے اس سے براہ راست مخاطب ہونے کی کوشش کی تھی اور اسے اپنے باپ کے خلاف بغاوت پر اکسایا تھا۔ ایک باغیانہ خیال ہلڈی کے دماغ میں پروان چڑھانے کی کوشش کی تھی۔

سوفی اور البرٹو دونوں مل کر بھی اسے کوئی نقصان نہیں سکتے تھے جتنا ہلڈی نے خود اپنے سر درد میں اضافہ کر لیا تھا۔ ہلڈی کو ایک ذریعہ بنا کر سوفی اس کے باپ تک پہنچ سکتی تھی۔ وہ اُٹھ کھڑی ہوئی اور ساحل کی طرف دیکھنے لگی۔ دن کے دو بج رہے تھے۔ اس نے کھڑکی کھولی اور بوٹ ہاؤس کی طرف منہ کر کے چلائی۔

''موم!''

''میں تقریباً ایک گھنٹے میں ناشتہ لے کر آؤں گی۔ ابھی میں دوسرا کام کر رہی ہوں۔'' ماں نے اس کا مطلب سمجھتے ہوئے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے۔ اتنی دیر میں میں ذرا ہیگل کے بارے میں کچھ مطالعہ کر لیتی ہوں۔''

البرٹو اور سوفی کھڑکی کے قریب دو کرسیوں پر بیٹھ گئے اور جھیل کا نظارہ بھی کرتے رہے۔ البرٹو نے بات کا آغاز کیا۔

''جارج ولہیم فریڈرک ہیگل، رومان پسندوں کا صحیح جانشین تھا۔ کہا جاتا ہے کہ جرمنی میں اس تحریک کو رفتہ رفتہ اسی نے سر بلند کیا۔ وہ شہر اسٹٹنٹ گارٹ میں 1770ء میں پیدا ہوا اور

Marfat.com

اٹھارہ سال میں علم معرفت کی تعلیم مکمل کرلی۔ 1799ء میں اس نے شیلنگ اور جینا کے ساتھ مل کر ایک تنظیم کی بنیاد ڈالی۔ یہ وہ وقت تھا جب رومان پسندی کی تحریک اپنے عروج پر تھی۔ جلد ہی اسے ہائڈل برگ میں اسسٹنٹ پروفیسر کی ملازمت مل گئی اور اس نے جرمن قومی رومان پسندی کے موضوع پر کام شروع کردیا۔ 1818ء میں اسے برلن میں پروفیسر مقرر کردیا گیا۔ برلن اس زمانے میں یورپ کا ایک روحانی مرکز بنتا جارہا تھا۔ بطور ہیگلا نزم کے امام کے وہ کافی بلند مقام پر پہنچا اور 1831ء میں وفات پا گیا۔ جرمنی کی کئی یونیورسٹیز میں آج بھی وہ ایک دیوتا کی طرح پوجا جاتا ہے۔

ہیگل نے مختلف خیالات ونظریات کو یکجا کیا اور رومان پسندی کے رجحانات کو مزید ترقی دی۔ لیکن بہت جلد اس کے نقاد پیدا ہوگئے جن میں شیلنگ بھی شامل تھا۔ دیگر رومان پسندوں کی طرح شیلنگ کا اعتراض بھی یہی تھا کہ اگر گہرائی میں اتر کر دیکھا جائے تو زندگی ایک حوصلے کا نام ہے جس نے دنیا کو متحرک رکھا ہوا ہے۔ ہیگل بھی یہی کہتا تھا مگر ''دنیاوی حوصلے'' سے اس کی مراد انسانی ہمت اور طاقت ہے۔ ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ وہ انسانی زندگی، انسانی ذہن اور انسانی تہذیب وتمدن کی بات کررہا ہے۔ ہیگل کا فلسفہ خاص طور پر تاریخ کو سمجھنے میں بے حد مددگار ہے۔ یہ فلسفہ ہمیں قدرتی زندگی کے بہت سے خفیہ اور پوشیدہ نکات سے آگاہ کرتا ہے اور ہماری سوچ وفکر میں مثبت انداز پیدا کرتا ہے۔

ہیگل سے قبل کے تمام فلسفہ دانوں کا نقطۂ نظر ایک ہی تھا۔ وہ یہ کہ تنقیدی انداز میں جائزہ لیا جائے کہ انسان اس دنیا کے بارے میں کیا جانتا ہے۔ یہی خیال ڈسکریٹس، اسپینوزا، ہیوم اور کانٹ کا بھی تھا۔ ہر ایک کی تحقیق کا مرکز یہی تھا کہ انسان کے آپس میں تعلقات کا بنیادی مرکز کیا ہے۔ تاریخ متعدد تبدیلیوں کا نام ہے۔ اس میں کہیں اتار آتا ہے اور کہیں چڑھاؤ۔

اسی طرح ہیگل کی بات بھی اونچ نیچ سے پر ہے۔ پانی کا ایک ایک قطرہ دریا کی روانی میں اضافہ کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ دریا طغیانی پر آجاتا ہے۔ ان کا زور اسی وقت ٹوٹتا ہے جب درمیان میں موڑ آتا ہے یا چٹانیں ان کا زور توڑ کر رکھ دیتی ہیں۔

خیالات کا دریا بھی اسی طوفان کی مانند ہے۔ تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ کوئی بھی خیال پتھر کی لکیر ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں آسکتی۔ بہت سی باتیں ایسی ہیں جن پر مختلف دور میں مختلف

Marfat.com

انداز سے سوچا جاسکتا ہے۔

دو ہزار پانچ 2500 سو سال قبل غلامی ایک قبیح رسم تھی لیکن پھر اس کے خلاف آواز اٹھائی گئی۔ یہ کوئی یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ ہیوم غلطی پر تھا اور کانٹ اور شیلنگ صحیح۔ یہ ایک منتشر اور منقسم سوچ ہے۔ لیکن کسی بھی فلسفی کے نظریے کو مکمل طور پر جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ اب میں ایک دوسرے نکتے کی طرف آتا ہوں۔ بعض باتیں بعض لوگوں کے لئے نئی ہوتی ہیں اور بہت سی باتوں کا اضافہ ان کے علم میں ترقی کا موجب بنتی ہیں۔ دوسرے لفظوں میں انسانی ذہن اس قدر زرخیز ہے کہ وہ مختلف علوم کو اپنے اندر سمو سکتا ہے۔

ہیگل کے کہنے کے مطابق تاریخ دنیا کے جوش و جذبے میں اضافے اور دلچسپی کا باعث بنتی جاتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ انسانی جوش و ہیجان بھی بڑھتا چلا جاتا ہے۔ زمانہ جس قدر تیزی سے آگے بڑھتا چلا جا رہا ہے، انسانی تہذیب و تمدن اور دماغی صلاحیت ترقی کرتی جا رہی ہے۔ اس نے کہا کہ یہ قدرتی اور فطری بات ہے۔ ہر وہ شخص جو تاریخ کا مطالعہ کرتا ہے، اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ انسانیت کی ترقی کس قدر معراج پر جا رہی ہے اور انسان لحہ بہ لحہ آگے ہی بڑھتا جا رہا ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ تاریخ اپنا مقام اور معیار خود پیش کرتی ہے۔ تاریخ اپنا عکس آپ ہے۔ وہ شخص جو گہرائی سے مطالعہ کرتا ہے یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ خیالات وہی باتیں اخذ کرتے ہیں جو پہلے سے ہی گردش میں ہوں۔ میدان میں آتے ہی ان خیالات پر تنقید اور بحث شروع ہو جاتی ہے اور ایک تناؤ کی سی کیفیت ماحول پر طاری ہو جاتی ہے۔ پھر ایک تیسری قوت ابھرتی ہے اور مختلف زاویوں سے ان کا ایک حل تلاش کرتی ہے جس کے اندر پہلے دونوں دانشوروں کی اچھی اچھی باتیں شامل ہوتی ہیں۔

مگر ہیگل کی منطق تاریخ سے میل نہیں کھاتی۔ جب ہم کوئی بحث شروع کرتے ہیں تو ہم منطقی دلائل تلاش کرتے ہیں اور کوئی نہ کوئی اعتراض نکال لاتے ہیں۔ ہیگل نے اس کو منفی سوچ قرار دیا ہے۔ لیکن جب کوئی عیب تلاش کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو پھر اس کو دور کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ اس کی مثال اس طرح ہے کہ جب ایک اشتراکی اور ایک قدامت پسند کسی سماجی مسئلے پر بات چیت کرتے ہیں تو فوراً ہی ان کے درمیان ایک تناؤ کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کوئی ایک سو فی صد صحیح ہے اور دوسرا بالکل

Marfat.com

غلط۔مزید دلائل اور سوچ سمجھ کے بعد ایک معقول نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔

ڈیڑھ سو سال قبل کی بات ہے، بہت سے لوگ عورتوں کے حقوق کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے لیکن ایک معقول تعداد عورتوں کو مساوات کا درجہ دینے کے خلاف بھی تھی۔ جب ہم دونوں طرف کے دلائل کا مطالعہ کرتے ہیں۔تو یہ اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں ہے کہ کن لوگوں کے دلائل زیادہ معقول تھے۔آخری نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مساوات کا مطالبہ کرنے والے زیادہ صحیح تھے۔

عورتوں اور مردوں کے درمیان جو فرق ہے وہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے جانوروں اور پیڑ پودوں کے درمیان ہوتا ہے۔مرد حضرات جانوروں کی نمائندگی کرتے ہیں، جب کہ عورتیں پودوں کی نمائندگی کرتی تھیں کیونکہ ان کی افزائش اور خیالات اسی انداز پر نشوونما پاتے ہیں۔اگر خواتین کے ہاتھ میں حکومت کی باگ دوڑ آجائے تو ریاست کا وجود خطرے میں پڑ جاتا ہے کیونکہ وہ عالمی قوانین کے تحت کام نہیں کر سکتی ہیں بلکہ من مانی کرنے لگتی ہیں اور ان کے خیالات آپس میں نہیں ملتے۔ہیگل کا کہنا ہے کہ کوئی شخص معاشرے سے بغاوت نہیں کر سکتا اور جو لوگ یہ ہمت کر لیتے ہیں وہ سکون کی نیند نہیں سو سکتے۔

''اچھا۔اب یہ بتاؤ کہ پیتل والے آئینے کے سلسلے میں کچھ بات آگے بڑھی۔'' البرٹو نے ہیگل کی بات ختم کرتے ہوئے اچانک ایک دوسری بات چھیڑ دی۔

''میرا خیال ہے کہ وہ آئینہ جب سے میرے پاس آیا ہے، کافی اہمیت اختیار کرتا جا رہا ہے۔'' سوفی نے گول مول جواب دیا۔

''وہ اہمیت کیا ہے؟ ذرا میں بھی تو جانوں۔'' البرٹو نے پوچھا۔

''یہ بات تو ہلڈی ہی بتا سکتی ہے۔'' سوفی نے بات ختم کر دی۔

Marfat.com

سارن کرک گارڈ (SOREN KIEFKE GAARD)

(1813)

ہلڈی نے اپنی گھڑی پر ایک نظر ڈالی۔ چار بجنے والے تھے۔ اس نے رنگ بائنڈر کو ڈیسک پر رکھا اور جھیل کی طرف دوڑ لگا دی۔ جاتے جاتے اس کی نگاہ پیتل والے آئینے پر پڑی۔ اب وہ البرٹو اور سوفی کو اپنے کافی قریب محسوس کرنے لگی تھی۔ مگر اس کام کے لیے اسے کوپن ہیگن جانا پڑتا۔

''ڈیڈ کب آ رہے ہیں؟'' ہلڈی نے ماں سے پوچھا۔

''ہفتے کے دن۔ میرا خیال تھا تم کو معلوم ہی ہوگا۔''

''ہاں، اتنا تو معلوم ہے، مگر کس وقت؟ شاید وہ یہاں آنے کے بجائے کوپن ہیگن جانے کو سوچ رہے ہیں؟''

''شاید ایسا ہی ہے۔'' ماں نے سینڈوچ کا ٹکڑا کاٹتے ہوئے کہا۔

''وہ پانچ بجے کوپن ہیگن پہنچیں گے اور پھر جہاز کرسٹین سینڈ کے لیے سوا آٹھ بجے روانہ ہو گا۔ وہ کیوک میں ساڑھے نو بجے تک آ جائیں گے''۔

''کیا آپ کو اینی اور اولی کے بارے میں کچھ معلوم ہے؟''۔

جولائی میں اسکول کی چھٹیاں ہونے والی ہیں، تب ہی وہ گھر آئیں گی۔'' ماں نے بتایا۔

''اس کا مطلب ہے کہ وہ آج کل کوپن ہیگن میں ہوں گی۔''

''مگر یہ تم اتنے سوالات کیوں پوچھ رہی ہو؟''

''کچھ نہیں، بس یوں ہی ذرا باتیں کرنے کو جی چاہ رہا ہے۔''

''مگر تم نے دوبار کوپن ہیگن کا ذکر کیا؟'' ماں نے سوال کیا۔

Marfat.com

ہلڈی نے ماں کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ ''میں اپنے کمرے میں ذرا کچھ مطالعہ کرنے جارہی ہوں۔''

باتوں کے دوران انہوں نے کشتی کو بھی ٹھیک ٹھاک کرلیا تھا تاکہ ڈیڈ کو کوئی شکایت پیدا نہ ہو۔

سوفی نے اچانک دروازے پر ایک دستک سنی۔ البرٹو نے خشمگیں نگاہوں سے اسے گھورا۔ ''مجھے یہ دخل اندازی ذرا بھی پسند نہیں ہے''۔

دستک تیز تر ہوتی چلی گئی۔

''میں آج ایک خاص فلسفی کے بارے میں کچھ بتانا چاہ رہا ہوں جو ڈنمارک کا رہنے والا تھا اور ہیگل کے فلسفے کا بدترین مخالف تھا۔'' البرٹو نے کہا۔

دستک اس قدر زوردار تھی گویا کہ دروازہ اکھڑ کر نکل آئے گا۔

''یقیناً یہ میجر کی حرکت ہے۔ وہ کسی خیالی پیکر کے ذریعہ ہمارے انہماک میں خلل ڈالنا چاہتا ہے۔ مگر اس کی یہ کوشش فضول ہے۔'' البرٹو نے دستک کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی۔

''لیکن اگر ہم نے دروازہ نہیں کھولا تو کچھ بعید نہیں کہ وہ اس کمرے کو ہی اڑا کر رکھ دے۔'' سوفی خوف زدہ ہوگئی۔

''اچھا! آؤ، دیکھتے ہیں،'' دونوں آگے بڑھے۔ دستک کی آواز مسلسل گونج رہی تھی۔ سوفی سوچ رہی تھی کہ دروازہ کھولتے ہی اس کی نظر کسی دیو پر پڑے گی، مگر وہاں ایک ننھی منی لڑکی کھڑی تھی جس نے نیلے رنگ کا لباس پہنا ہوا تھا اور اس کے لمبے بال اس کے شانوں پر لہرا رہے تھے۔ اس کے ایک ہاتھ میں نیلی بوتل تھی اور ایک ہاتھ میں لال۔

''آپ کی تعریف؟'' سوفی نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''میرا نام ایلس ہے۔'' لڑکی نے مودبانہ اور شائستہ لہجے میں کہا۔

''یہ ایلس ہے۔ ونڈر لینڈ میں رہتی ہے''۔ البرٹو بے ساختہ بول اٹھا۔

''مگر اس کو یہاں کا پتہ کس نے بتایا؟'' سوفی حواس باختہ ہوگئی۔

ایلس وضاحت پیش کرنے لگی۔ ''ونڈر لینڈ ایک ایسا ملک ہے جس کی کوئی سرحد نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ونڈر لینڈ ہر جگہ موجود ہے، یہاں تک کہ اقوام متحدہ میں بھی۔ یہ سمجھ لیں کہ

Marfat.com

اس ملک کو اقوام متحدہ کا اعزازی ممبر ہونا چاہیئے۔ ہمارا نمائندہ ہر کمیٹی میں ہونا چاہیئے کیونکہ خود اقوام متحدہ تمام دنیا کیلئے ایک عجوبہ ہے۔"

"مگر تمہارے یہاں آنے کا مقصد کیا ہے؟" سوفی نے پوچھا۔

"مجھے فلسفے والی یہ بوتلیں سوفی کے حوالے کرنی ہیں۔" یہ کہتے ہوئے ایلس نے وہ دونوں شیشے کی بوتلیں سوفی ے ہاتھ میں پکڑا دیں۔ ایک میں سرخ رنگ کا سیال تھا اور دوسرے میں نیلے رنگ کا۔ سرخ بوتل کے لیبل پر لکھا تھا۔ "مجھے پی جاؤ" اور نیلی بوتل پر بھی یہی لکھا تھا کہ "مجھے بھی پی لو"۔

اگلے ہی لمحے ایک سفید رنگ کا خرگوش کیبن کے قریب سے گزر گیا۔ یہ دو پیروں پر چل رہا تھا اور اس کے جسم پر ویسٹ کوٹ اور جیکٹ بھی موجود تھا۔ کیبن کے دروازے پر پہنچ کر اس نے ویسٹ کوٹ کی جیب سے ایک گھڑی نکالی اور بولا۔ "اوہ ڈیئر! اوہ ڈیئر! مجھے بہت دیر ہوگئی ہے۔" اور پھر وہ بھاگ کھڑا ہوا۔

ایلس بھی اس کے تعاقب میں دوڑی اور بولی۔ "اب کھیل دوبارہ شروع ہو رہا ہے۔"

"دانیا اور ملکہ کو میرا اسلام کہنا"۔ سوفی چلائی۔

البرٹو اور سوفی اسی جگہ پر کھڑے ہو کر بوتلوں کا معائنہ کرنے لگے۔

"مجھے پی لو" اور "مجھے بھی پی لو" سوفی نے ایک بار پھر لیبل پر لکھے ہوئے جملوں کو پڑھا اور بولی۔ "میری تو ہمت نہیں ہو رہی ہے۔ کیا معلوم اس میں کوئی زہریلا مادہ ہو"۔

البرٹو نے بے دلی سے شانے جھٹک دیے۔ "یہ میجر نے بھجوائے ہیں۔ اور وہ جو بھی کام کرتا ہے، کچھ سوچ سمجھ کر کرتا ہے۔ لہٰذا یہ محض ایک فرضی شراب ہوگی۔"

سوفی نے سرخ بوتل کا ڈھکن کھولا اور اسے منہ سے لگا لیا۔ بے حد مزیدار جوس تھا۔ مگر اس کے ساتھ ہی عجیب طرح کے احساسات اس پر طاری ہونے لگے۔ اسے ایسا محسوس ہوا گویا نہر، جنگل اور کیبن، سب ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو گئے ہیں۔ اس کے بعد یہ سب چیزیں ایک شخصیت میں ڈھل گئیں، اور وہ شخصیت خود سوفی کی تھی۔ اس نے البرٹو کو دیکھنا چاہا، مگر وہ بھی سوفی کی روح کا ایک حصہ بن چکا تھا۔

"حیرت انگیز اور لاجواب" سوفی بے ساختہ بول اٹھی۔ "سب چیزیں جو پہلے الگ الگ

Marfat.com

تھیں، اب ایک ہی سانچے میں ڈھل گئی ہیں اور ہر سوچ کا مرکزی خیال ایک ہی ہے۔"

البرٹو نے گردن ہلائی۔ مگر سوفی کو ایسا محسوس ہوا گویا وہ خود ہی اپنی گردن ہلا رہی ہو۔

"یہ ایک تصوریت اور دھوکا ہے"۔ البرٹو بتا رہا تھا۔ "یہ ایک رومانوی دنیا کی تحریک ہے۔ انہوں نے سب سے پہلے اس تصور کو عام کیا کہ دنیا کی ہر چیز ایک عظیم "انا یا شعور ذات" ہے۔ ہیگل نے یہی بات کہی کہ انفرادیت کچھ نہیں ہے اور جو کچھ بھی ہمارے سامنے ہے وہ ایک کائنات کا حصہ ہے۔"

"کیا اب میں دوسری بوتل پی لوں؟" سوفی نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔ لیبل پر یہی تحریر ہے۔"

سوفی نے نیلی بوتل کا ڈھکن کھولا اور ایک لمبا گھونٹ بھر لیا۔ یہ جوس ذرا تازہ لیکن سرخ جوس کی نسبت کڑوا تھا۔ اور پھر سارا ماحول تبدیل ہو گیا۔

سرخ سیال کا اثر اچانک غائب ہو گیا اور ہر چیز معمول پر واپس آ گئی۔ لیکن یہ تاثر صرف ایک لمحے قائم رہا اور پھر ایک نئی دنیا آباد ہو گئی، جس پر ہزاروں داستانیں لکھی جا سکتی ہیں۔ وہ مختصر سی نہر ایک وسیع و عریض سمندر میں تبدیل ہو گئی جس کی گہرائی کے بارے میں بھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن اس کی لہریں اور موجیں اس قدر ہولناک تھیں کہ مارے خوف کے دل ڈوبنے لگا۔ سوفی کو ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ ہمیشہ سے اسی سمندر کے اندر کھڑی رہی ہو اور اب اس کی موت واقع ہونے والی ہے۔ اس کی موت بھی ایک ایسا المناک حادثہ ہو گی جس کے بارے میں کبھی کوئی کچھ نہیں جان سکے گا۔

اس نے اپنی نظریں اٹھائیں اور درختوں کی طرف دیکھا۔ چھوٹی چھوٹی خوبصورت چڑیائیں آپس میں بھاگ دوڑ اور چھپن چھپائی کا کوئی کھیل کھیل رہی تھیں۔ سرخ بوتل کا پانی پینے سے قبل سوفی نے دیکھا تھا کہ ان درختوں پر چڑیوں نے بسیرا کیا ہوا ہے مگر اس نے ان پر کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی۔ سرخ جوس نے اس کے ذہن سے ہر احساس مٹا دیا تھا۔

سوفی نے اندر کی طرف چھلانگ لگا دی۔ یہاں تک اسے سمندری کی تہہ نظر آنے لگی۔ ایک نئی دنیا یہاں بھی آباد تھی۔ گھاس پھونس اور مختلف حشرات الارض کو اس نے نئی حالت میں پہلی بار دیکھا۔ ایک مکڑی دلدل میں رینگ رہی تھی۔ ایک کیڑا مختلف پر پودوں کے گرد چکر لگا

Marfat.com

رہا تھا اور چیونٹیوں کی ایک فوج بالکل نپے تلے انداز میں فوجیوں کی طرح پریڈ کر رہی تھی۔

سب سے عجب چیز جو اس نے دیکھی وہ یہ تھی کہ البرٹو بدستور کیبن کے دروازے پر کھڑا تھا مگر اس کے اندر ایک اور انسان پوشیدہ تھا۔ یہ انسان کسی دوسری دنیا کی مخلوق دکھائی دے رہا تھا۔ اسے اپنا وجود بھی کچھ عجیب وغریب سا لگا۔ وہ شاید اب انسان کی حیثیت سے بھی ماورا ہو چکی تھی۔ لیکن وہ اب بھی پندرہ سال کی تھی اور اسے اپنا نام بھی یاد تھا۔

''کیا محسوس کر رہی ہو؟'' البرٹو نے پوچھا۔

''مجھے ایسا لگ رہا ہے گویا تم کوئی عجیب الخلقت مخلوق ہو۔''

''صرف تمہاری سوچ ہے۔'' البرٹو نے تبصرہ کیا۔

''دنیا میں دو اشخاص ایک جیسے نہیں ہو سکتے۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ میں تمہیں کیا سمجھوں؟'' سوفی نے تعجب سے آنکھیں ٹمٹماتے ہوئے کہا۔

''اور درختوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟''

''وہ اب درخت اور جنگل نہیں ہے۔ مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے وہاں جگہ جگہ پر بے شمار کہانیاں بکھری پڑی ہیں۔''

''میرا اندازہ بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ نیلی بوتل خودی اور انا کی طرف اشارہ کرتی ہے جو کہ سارن کرک گارڈ کا فلسفہ تھا۔ مگر اس میں ایک دوسرا فلسفہ دان ڈین (Dane) نام کا بھی شامل ہے، جو کرک گارڈ کے دور میں ہی سانسیں لے رہا تھا۔ اس ڈین نامی شخص نے بعد میں طلسماتی اور پریوں کی کہانیوں کے مصنف ہینز کرسچین اینڈرسن (Hans Christian Andersen) کے نام سے شہرت حاصل کی۔ اس کی آنکھیں فطرت اور اس کے اصولوں پر گہری نگاہ رکھتی تھیں۔ جرمن لیبنیز (German Leibniz) نامی ایک اور فلسفہ دان نے اس کا اندازہ سو سال قبل ہی کر لیا تھا اور اس نے بھی اسپینوزا کے خیالات سے اختلاف کیا تھا جس طرح کرک گارڈ نے ہیگل کے خلاف کیا۔''

''میں تمہاری باتیں سن رہی ہوں، مگر تمہاری آواز اس قدر مضحکہ خیز ہے کہ مجھے اپنی ہنسی روکنی مشکل ہو رہی ہے۔'' سوفی نے ہنستے ہوئے کہا۔

''میں تمہاری کیفیت سمجھ رہا ہوں۔ سرخ شربت کا ایک گھونٹ اور لے لو۔

Marfat.com

میرے پاس آ کر بیٹھو۔ ہم کرک گارڈ کے بارے میں مزید کچھ سمجھنے کی کوشش کریں گے۔" البرٹو نے رائے دی۔

سوفی سمندر میں ڈبکیاں لگانے کی حالت سے نکل کر البرٹو کے پاس آ بیٹھی۔ اس نے سرخ مشروب کے دو گھونٹ اور بھرے۔ تمام منظر ایک بار پھر گڈمڈ ہونے لگا۔ جلدی سے اس نے نیلی بوتل کو منہ سے لگا لیا اور اچانک اسے یوں محسوس ہوا جیسے زلزلے والی کیفیت ختم ہو رہی ہے اور وہ پھر اسی مقام پر آ گئی ہے جب ایلس نے دونوں بوتلیں اس کے حوالے کی تھیں۔

"مگر سچ کیا ہے؟" سوفی نے البرٹو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کون سا مشروب سچی تصویر پیش کر رہا ہے؟"

"دونوں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔ ہم یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ رومان پسند اپنے اس نظریے میں سچے نہیں تھے کہ اصل حقیقت صرف ایک ہی ہے۔ ممکن ہے کہ وہ تھوڑا بہت منفی انداز میں سوچ رہے ہوں۔" البرٹو نے سمجھایا۔

"اگر کرک گارڈ نے نیلی بوتل سے دو چار چسکیاں لگا لی ہوتیں تو وہ خودی کے بارے میں زیادہ جان سکتا تھا۔ ہم اپنے زمانے کے بچوں جیسے ہیں بلکہ اور بھی زیادہ انفرادیت پسند۔ ہیگل تاریخ میں ایک مقام پیدا کرنا چاہتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ وہ ضرورت سے زیادہ سخت رویہ اختیار کرتا چلا گیا۔ اس نے سوچا کہ رومان پسندوں کے تصورات اور ہیگل کا تاریخ کے متعلق اندازے نے انفرادیت کی ذمہ داریوں کو کافی دھندلا کر دیا ہے۔ چنانچہ کرک گارڈ نے یہی نتیجہ اخذ کیا کہ ہیگل اور رومان پسندوں کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا چاہیئے۔"

"مجھے تو وہ کچھ نیم دیوانہ سا لگتا ہے۔" سوفی نے ایک قہقہہ لگایا۔

"سارن کرک گارڈ 1813ء میں پیدا ہوا۔ اس کے باپ نے بڑے سخت انداز میں اس کی پرورش کی۔ لہٰذا اس کا مذہبی رجحان ایک مالیخولیانہ انداز میں آگے بڑھتا گیا۔" البرٹو نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے بات آگے بڑھائی۔ اسی مالیخولیا کی وجہ سے اس کی منگنیاں بھی مسلسل ٹوٹتی رہیں اور وہ مزید مشتعل ہوتا چلا گیا۔ اپنی زندگی کے اختتام پر وہ معاشرے پر خوب خوب برسنے لگا اور لعن طعن اس کا وطیرہ بن گیا۔

"پورا یورپ دیوالیہ پن کی طرف تیزی سے گامزن ہے۔" اس کا کہنا تھا۔ وہ تھوڑا بہت

Marfat.com

ڈینش لوتھران چرچ (Danish Lutheron Church) جیسی بے لطف جگہ سے بھی کچھ کچھ متاثر ہو گیا تھا۔ صرف اتوار کی عبادت کے بھی وہ سخت خلاف تھا اور اس کا طنز تیز دھار خنجر بنتا جا رہا تھا۔

اب ہم ذرا پیچھے کی طرف چلتے ہیں۔ کرک گارڈ نے علم معرفت اس وقت حاصل کرنا شروع کیا جب اس کی عمر صرف سترہ سال تھی، مگر پھر رفتہ رفتہ وہ فلسفے کی جانب چل پڑا۔ ستائیس سال کی عمر میں اُس نے ماسٹر کی ڈگری بڑے نمایاں نمبروں سے حاصل کی۔ اُس کا مضمون تھا ''آہنی تصور'' 1841ء میں کرک گارڈ برلن چلا گیا اور وہاں شیلنگ (Schelling) کے درس میں دلچسپی لینے لگا۔''

''کیا کبھی اس کی ہیگل سے ملاقات ہوئی؟'' سوفی کی رگ شرارت پھڑکی۔

''نہیں۔ ہیگل اس کی پیدائش سے دس سال قبل ہی وفات پا چکا تھا۔ مگر اس کے خیالات برلن اور یورپ کے مختلف شہروں میں مقبول عام ہو چکے تھے اور اس کا ''نظام'' ہر سوال کا جواب خود تھا۔ کرک گارڈ نے ثابت کیا کہ ہیگل کے پرستاروں نے بھی اس ''معقول سچ'' کو مکمل طور پر تسلیم کر لیا۔ کرک گارڈ نے بتایا کہ سچ کے لغوی معنی کے بجائے ان حقیقتوں کو تلاش کرو جو انسان زندگی میں جگہ جگہ بکھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ہیگل شاید اپنے آپ کو انسان ماننے پر بھی تیار نہ تھا۔ چنانچہ ہیگل کے پرستار بھی اسے رفتہ رفتہ فراموش کرتے چلے گئے۔ ہیگل کی سوچ یہ تھی کہ ہر انسان کی اہمیت اس کی اپنی خوبیوں کی بنا پر قائم ہے اور وہ خوبیاں اپنے آپ منظر عام پر آ جاتی ہیں خواہ انہیں کتنا بھی چھپانے کی کوشش کی جائے۔

کیرک گارڈ کے نظریات کے بارے میں گوتم بدھ نے جو نقشہ کھینچا ہے، اس کا یہاں ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ گوتم بدھ کا فلسفہ بھی بنیادی طور پر انسان کی حقیقت سے بحث کرتا ہے۔ ایک بار ایک راہب نے گوتم بدھ سے پوچھا کہ دنیا اور انسان کی اصل حقیقت کیا ہے۔ گوتم بدھ نے جواب دیا کہ فرض کرو ایک شخص تیر سے گھائل ہو جاتا ہے تو وہ اس بات پر غور و فکر کرنا شروع نہیں کر دے گا کہ یہ تیر کس لکڑی کا بنا ہوا ہے یا کون ساز ہر اس پر لگایا گیا ہے، بلکہ فوری طور پر اس کی خواہش ہوگی کہ اس تیر کو فوراً باہر نکالے اور اس کا علاج کرے۔ گوتم بدھ اور کرک گارڈ ایسے ہی کسی خاص لمحے کے احساسات اور جذبات کی نمائندگی کرتے تھے۔ کرک گارڈ نے کہا

Marfat.com

کہ سچ ایک ذہنی پیداوار ہے۔اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہمارا اعتقاد کیا ہے اور ہم کیا سوچ رہے ہیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اصلی سچ ہماری ذاتی سوچ ہے۔ ذرا بتاؤ! کیا عیسائیت ایک حقیقت ہے؟ اس کا تعلق عمل یا نظریے سے بالکل نہیں ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے موت ایک حقیقت ہے، اسی طرح لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ عیسائیت بھی ایک درست نظریہ ہے۔ یہ بات بحث برائے بحث کے نقطۂ نظر سے نہیں کی جارہی بلکہ انتہائی توجہ اور ہیجانی جذبات کے ذریعے سوچنے اور سمجھنے کی ہے۔ اگر تم گہرے پانی میں گر جاؤ تو تمہیں یہ سوچنے کی فرصت نہیں ہوگی کہ پانی کس قدر گرم یا ٹھنڈا ہے اور اس کے اندر مگر مچھ تمہیں اپنا نوالہ بنالیں گے یا دوسرے کیڑے مکوڑے۔ بلکہ اصل فکر زندگی بچانے کی ہوگی۔ چنانچہ اب یہ بات سامنے آتی ہے کہ خدا ایک حقیقت ہے اور انسان کا تعلق بالکل جذباتی اور فطری طور پر خدا سے جڑا ہوا ہے۔ یہ نظریاتی اور اعتقاد کا مسئلہ ہے۔

آٹھ میں چار جمع کردیں تو جواب ہے بارہ۔ یہ بات ہم پورے یقین کے ساتھ کہہ دیں گے۔ یہی مثال ''اصل سچ'' کے بارے میں ہے۔ مگر کیا ہم اپنی عبادات میں بھی اتنے ہی صادق ہیں؟ ہم اسی وقت خدا کو یاد کرتے ہیں جب ہمیں خطرات اور موت سے واسطہ پڑتا ہے۔ ہم یہ کبھی نہیں جان سکتے کہ اگر ہم نے کبھی کسی کے ساتھ زیادتی کی ہے تو کیا اس نے صدق دل کے ساتھ ہمیں معاف کردیا؟ نہ ہی تم یہ بات یقینی طور پر کہہ سکتے ہو کہ فلاں شخص تم سے محبت کرتا ہے۔ یہ بس ایک آس، امید اور اعتماد ہوتا ہے۔ ایک سو اسی 180 ڈگری زاویے کی بنیاد اسی وقت پڑتی ہے جب تم ہر قسم کے نفع اور نقصان کی سوچ سے ماورا ہو جاتے ہو۔

مذہبی معاملات میں اعتقاد بے حد اہم اور بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ کرک گارڈ کہتا تھا۔ ''اگر میں خدا کو براہ راست اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں، تو کبھی اس پر ایمان نہیں لاؤں گا۔ لیکن ان دیکھی حقیقت نے میرے ایمان کو مضبوط تر بنادیا ہے۔'' اس سے پہلے بھی کئی فلاسفروں نے خدا کی حقیقت کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن اگر تم صرف منطقی توجیہات پر غور کرو تو تم عیسائیت پر ایمان لے آؤ گی۔''

''آپ کی تمام باتیں میری ناقص عقل میں پوری طرح سما چکی ہیں۔ اب میں گھر جارہی ہوں۔ میری ماں میرا انتظار کررہی ہوں گی۔'' سوفی نے بات چیت کا سلسلہ ختم کرتے ہوئے کہا۔

Marfat.com

کارل مارکس (CARL MARX)
(1809 - 1883)

ہلڈی نے بستر چھوڑ دیا اور کھڑکی پر آ کر ساحل کا نظارہ کرنے لگی۔ ہفتے کے دن سے اس نے جو پڑھنا شروع کیا تھا تو سوفی کی پندرہویں سالگرہ ہی ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔ بلکہ ایک دن قبل خود اس کی اپنی سالگرہ بھی تھی۔

سوفی نے مختلف افراد کو فلسفیانہ گارڈن پارٹی میں دعوت دے ڈالی تھی اور ٹھیک اسی دن ہلڈی کے والد بھی لبنان سے واپس آنے والے تھے۔ نہ جانے ہلڈی کا دل یہ کیوں کہہ رہا تھا کہ اس دن ضرور کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا۔ مگر ایک بات یقینی تھی۔ قبل اس کے کہ اس کے والد صاحب اپنے گھر جرکیلی میں آئیں، ان کو ایک جھٹکا ضرور لگے گا۔ وہ سوفی اور البرٹو کیلئے اب اور کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

اس کی ماں ابھی تک بوٹ ہاؤس میں مصروف تھی۔ ہلڈی ٹیلیفون کی طرف دوڑی اور کوپن ہیگن میں این اور اولی کا نمبر تلاش کر کے انہیں فون کرنے لگی۔

''این کو اسڈل'' دوسری طرف سے جواب آیا۔

'میں ہلڈی بول رہی ہوں۔''

''سناؤ! کیا حال ہے اور للی سینڈ کیسا ہے؟''

''سب خیریت ہے۔ ایک ہفتے میں ڈیڈ لبنان سے واپس آ رہے ہیں۔''

''تم تو بے حد خوش ہو گی ہلڈی! ہے نا؟''

''یقیناً۔ پانچ بجے کے قریب وہ کاسٹرپ میں اتریں گے۔ ہفتہ تیئیس 23 تاریخ۔ کیا تم اس دوران کوپن ہیگن میں ہی رہو گی؟''

Marfat.com

''ہاں۔امید تو یہی ہے۔''

''میرا ایک کام کرو،'' ہلڈی نے اپنا منصوبہ بیان کرنا شروع کیا۔اس نے این کو رنگ بائنڈر کے بارے میں بتایا اور سوفی اور البرٹو کے بارے میں بھی سب کچھ بتا دیا۔

اب وہ مطمئن تھی کہ اس کا کام ہو جائے گا۔اب اسے کچھ اپنی تیاریاں کرنی تھیں۔وقت ابھی کافی تھا لہٰذا جلدی کی ضرورت نہیں تھی۔

بقیہ وقت اس نے اپنی ماں کا ہاتھ بٹانے میں گزارا۔اس کے بعد وہ دونوں کرسٹین سینڈ کی جانب اپنی کار پر روانہ ہو گئیں۔جیسے ہی وہ کیوک ایئرپورٹ کے قریب پہنچیں تو انہوں نے دیکھا کہ وہاں جدید اور عجیب وغریب قسم کی عمارتوں کا ایک جال سا بچھا ہوا تھا۔رات میں بستر پر لیٹ کر وہ دوبارہ رنگ بائنڈر کا مطالعہ کرنے لگی۔

جب سوفی جھاڑیوں کے درمیان رینگتی ہوئی اپنے غار میں آ پہنچی تو اس وقت آٹھ بج رہے تھے۔اس کی ماں گلدستے سجا رہی تھی کہ اس کی نظر سوفی پر پڑی۔''تم کہاں سے اچانک نکل پڑیں؟''

''میں جھاڑیوں میں سے نکل کر آ رہی ہوں۔آپ کو شاید معلوم نہیں ہے کہ وہاں سے ایک طرف ایک راستہ ہے جو بالکل ہمارے دروازے پر نکلتا ہے۔''

''مگر اتنی دیر سے تم کہاں غائب تھیں سوفی؟ یہ دوسرا موقع ہے کہ تم بغیر اطلاع کے اتنی دیر تک غائب رہیں۔''

''آئی ایم ساری۔میں ایک ذرا طویل چہل قدمی پر نکل گئی تھی۔''

ماں نے خشمگین نگاہوں سے اسے گھورا۔''یقیناً یہ وقت تم نے اسی فلاسفر کے ساتھ گزارا ہوگا۔''

''ہاں۔آپ کا اندازہ درست ہے۔''سوفی نے تسلیم کیا۔

''مگر وہ تو ہماری گارڈن پارٹی میں آ ہی رہا ہے۔پھر تمہیں اتنی جلدی کیا تھی؟''

''بس یوں ہی۔ذرا ان کو یاد دہانی بھی تو کرانی تھی۔''

''میں بھی اس کے انتظار میں دن کاٹ رہی ہوں۔''اس کی آواز میں ایک خاص کیفیت تھی۔گویا اس کا محبوب آنے والا ہو۔''میں نے جوانا کے والدین کو بھی دعوت دے دی ہے۔

Marfat.com

بڑا مزا آئے گا۔"

"معلوم نہیں کیا ہوگا۔" سوفی کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔

"تمہارے نام ایک لفافہ بھی آیا ہوا ہے۔" ماں نے بتایا۔ "اس پر یو این بٹالین کی مہر ہے۔ شاید البرٹو کے بھائی نے بھیجا ہوگا۔

سوفی کا دماغ جھنجھنا اٹھا۔ اسے ایسا محسوس ہوا گویا وہ کسی پراسرار ہستی کے زیر اثر ہو۔

"میں نے البرٹو کو سمجھا دیا ہے کہ مختلف ٹکٹیں استعمال کیا کروتا کہ میرے پاس ہر قسم کی ٹکٹوں کا ذخیرہ جمع ہو جائے۔"

ماں کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ "ڈنر فرج میں رکھا ہوا ہے۔"

خوف زدہ انداز میں اس نے سوفی کو اطلاع دی۔ جب جی چاہے، کھا لینا۔"

"مگر وہ خط کہاں ہے؟"

"فرج کے اوپر رکھا ہے۔"

سوفی نے ایک چھلانگ لگائی۔ لفافے پر جون پندرہ انیس سو نوے 1990ء کی مہر ثبت تھی۔ یہ ایک مختصر سا خط تھا۔

اگر ہماری تخلیقی اور لامتناہی جدوجہد ناکام ہو جاتی ہے اور ذرا سے تغافل سے تمام معاملہ تلپٹ ہو کر رہ جاتا ہے تو پھر کیا ہوگا؟

سوفی کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اس نے اپنا ڈنر اطمینان سے کھایا اور اس کاغذ کو بھی دوسرے تمام کاغذات کے ملبے میں ڈال دیا جو میز پر بکھرے پڑے تھے۔ اس کو اندازہ تھا کہ بہت جلد اسے اس سوال کا جواب بھی مل جائے گا۔

دوسرے دن صبح ہی صبح جوانا آ گئی۔ بیڈمنٹن کا ایک گیم لگانے کے بعد دونوں نے فلسفیانہ گارڈن پارٹی کے مسئلے پر غور و فکر کرنا شروع کر دیا۔ وہ سوچ رہی تھیں کہ پارٹی میں کسی موقع پر اگر دلچسپی کا عنصر ختم ہو جاتا ہے تو انہیں دوبارہ سرگرمی پیدا کرنے کیلئے کیا کرنا ہوگا۔ بالآخر شام تک انہوں نے چند باتیں طے کر لیں اور یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ کسی فلسفیانہ سوال پر ایک کتاب انعام میں رکھی جائے گی اور یہ کتاب فلسفے سے متعلق ہوگی۔

سوفی نے چڑیوں اور مچھلیوں کو ان کی غذا کھلائی اور جنگلی جڑی بوٹیوں پر مشتمل ایک خاص

Marfat.com

قسم کی سلاد گووندا کے سامنے رکھی۔ بلیوں کی غذا کا کین کھولا اور شریکان کو دیا اور وہاں سے چلی آئی۔ اب وہ دوبارہ جھاڑیوں میں گھس گئی۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد اس نے دیکھا کہ ایک گلابی جھاڑی میں ایک ڈیسک رکھا ہوا ہے۔ وہاں ایک عمر رسیدہ شخص کھڑا ہو کر کچھ حساب کتاب میں گم ہے۔ سوفی نے آگے بڑھ کر اس کا نام پوچھا۔

''ابن زرا سکروگ (Ebenezer Scrooge)'' اور دوبارہ اپنے بہی کھاتے پر نظریں گاڑ دیں۔

میرا نام سوفی ہے۔ آپ شاید کوئی تاجر ہیں؟''

اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''اور بے انتہا دولت کا مالک۔ مگر میں ایک پینی بھی بلاضرورت خرچ نہیں کرتا۔ بس اپنے کام سے مطلب رکھتا ہوں اور یہی وجہ ہے کہ میری دولت میں بے تحاشا اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا ہے۔''

سوفی نے اپنا راستہ بدل لیا اور آگے بڑھتی چلی گئی۔ مگر زیادہ دور نہیں گئی کہ اس کی نظر ایک چھوٹی سی لڑکی پر پڑ گئی جو درختوں کے درمیان ایک طرف خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے جسم پر چیتھڑے لٹکے ہوئے تھے اور شاید فاقہ زدہ بھی تھی۔ سوفی جیسے ہی اس کے قریب آئی۔ لڑکی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور ایک ماچس اس کے ہاتھ میں تھما دی۔

''براہ مہربانی تھوڑی سی ماچس خرید لیں۔'' لڑکی نے گزارش کی۔

سوفی نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ صرف ایک کراؤن موجود تھا۔ سوفی نے وہ کراؤن لڑکی کے ہاتھ میں دے دیا اور وہیں کھڑی رہی۔ ماچس اس کے ہاتھ میں تھی۔

''کئی صدیوں کے بعد تم وہ پہلی فرد ہو جس نے مجھ سے کوئی چیز خریدی ہو۔ کبھی کبھی میں فاقے سے مر جانے کے قریب ہو جاتی ہوں اور کبھی زندگی کی رمق واپس آ جاتی ہے۔''

سوفی کی سوچ میں ایک تغیر برپا ہوا۔ اس ویرانے میں ماچس کی فروخت واقعی ایک روح فرسا واقعہ ہے۔ اور پھر اسے اس سرمایہ دار کا خیال آیا جسے وہ چند فرلانگ پیچھے چھوڑ آئی تھی۔ جب ایک دولت مند سوداگر آس پاس ہی موجود ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک معصوم اور کمسن لڑکی بھوک سے تڑپ کر مر جائے۔

اس نے لڑکی کو اپنے پاس بلایا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر سوداگر کی طرف چل پڑی۔ ''کیا تم اس

Marfat.com

لڑکی کو ایک بہتر زندگی فراہم نہیں کر سکتے؟'' سوفی نے سوداگر کے ضمیر کو جھنجھوڑا۔

سوداگر نے اپنے کاغذات کا جائزہ لیتے ہوئے بڑے خشک لہجے میں کہا۔ ''ایسے کاموں میں رقم خرچ کرنی پڑتی ہے اور میرے پاس فضول رقم نہیں ہے۔''

''لیکن یہ کس قدر ناانصافی ہے کہ تم دولت سے کھیل رہے ہو اور یہ لڑکی بے چاری پائی پائی کو محتاج ہے۔'' سوفی ترش روئی سے بولی۔

''اونہہ۔ انصاف اور بے انصافی صرف اپنے ہم پلہ لوگوں کے درمیان ہوتی ہے۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' سوفی نے نفرت سے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''میں اپنی محنت کی کمائی کھا رہا ہوں۔ اب جاؤ اپنا کام کرو۔''

''اگر آپ نے مجھ پر رحم نہ کیا تو میں مر جاؤں گی۔'' لڑکی گڑگڑانے لگی۔

''میری دولت میں تمہارا کوئی حصہ نہیں ہے۔ تم فوراً دفع ہو جاؤ۔'' سوداگر چلایا۔

''اگر آپ نے میری مدد نہ کی تو میں جنگل میں آگ لگا دوں گی۔'' لڑکی نے ایک تیلی جلائی اور خشک گھاس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

اور تب سوداگر نے ہتھیار ڈال دیے۔ ''شاید تم نہیں جانتیں کہ میں پہلے کمیونسٹ تھا؟''

اچانک ایک جھماکا ہوا۔ اب وہاں نہ وہ لڑکی تھی، نہ وہ سرمایہ دار اور نہ وہ میز جس پر سرمایہ دار کا بہی کھاتہ پھیلا ہوا تھا۔ لیکن آگ نے خس و خاشاک کو جلانا شروع کر دیا تھا اور سوفی تنہا کھڑی حیران و پریشان سی ہو کر رہ گی۔ چند لمحوں بعد اس نے ایک چھلانگ لگائی اور آگ کی دیوی کا شکریہ ادا کیا۔ ماچس کی ڈبیا اس کے ہاتھ میں موجود تھی۔

کیبن سے باہر آ کر اس نے البرٹو کو بتایا کہ کیا واقعہ پیش آ چکا ہے۔

''اسکروج نامی شخص عیسائیوں کے مذہبی تہواروں میں خوشی کے نغمے گایا کرتا اور اس فن کے ذریعے اس نے کافی دولت اکٹھی کر لی۔ چارلس ڈکنز کا بیان ہے کہ وہ شخص بے حد کنجوس اور کم ظرف آدمی تھا۔ ہینز کرسچین اینڈرسن (Hans Chiristian Andersen) کی ایک کہانی میں اس چھوٹی لڑکی اور ماچس کا ذکر بھی موجود ہے۔''

''مگر مجھے ان سے یہاں ملاقات ہو جانے کا تصور تک نہ تھا۔'' سوفی نے کہا۔

''ایسا ممکن ہو سکتا ہے لڑکی! یہ کوئی عام سا جنگل نہیں ہے۔ یہ طلسماتی جنگل ہے اور یہاں

Marfat.com

ہر بات ممکن ہے۔'' البرٹو نے سوفی کو ماحول کی اہمیت کا احساس دلایا۔ ''اب ہم کارل مارکس کے بارے میں بات کریں گے۔

یہ ایک دلچسپ اور حیرت انگیز واقعہ ہے کہ تم نے بچشم خود انیسویں صدی کا ایک نمونہ دیکھ لیا جب سرمایہ دار اور غریب کی جنگ جاری تھی۔ آؤ! ذرا اب اس معاملے کی گہرائی میں چلتے ہیں۔ مزید گفتگو کیبن کے اندر بیٹھ کریں''۔ وہاں میجر کی دخل اندازی کا امکان کم ہے۔''

دونوں ایک میز کے گرد کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ کھڑکی قریب تھی جہاں سے جھیل کا نظارہ ایک روح پرور سماں پیش کر رہا تھا۔ سوفی کے جسم میں نیلی بوتل سے پیئے ہوئے شربت کا سرور بھی ابھی تک باقی تھا اور وہ کسی قدر جھوم رہی تھی۔ اس وقت دونوں بوتلیں ایک مینٹل پیش پر ایک یونانی یادگاری مقبرے کے ساتھ رکھی ہوئی تھیں۔

''یہ کیا چیز ہے؟'' سوفی نے دریافت کیا۔

''ایک حسین اور پروقار یادگار، مائی ڈیئر!'' البرٹو نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ ''1841ء میں جب کرک گارڈ (Kierkegard) برلن گیا تو شیلنگ (Schelling) کے خطبات کے ذریعہ اسے کارل مارکس کے بارے میں کچھ جاننے کا موقع ملا۔ کرک گارڈ نے سقراط کے فن پر ایک عظیم کتاب مرتب کی۔ اور عین اسی دور میں مارکس نے ڈیموکریٹس (Democritus) اور اپی کیورس (Epicurus) کی حکمت اور علم و فضل پر ایک مقالہ تحریر کیا۔ ایک لحاظ سے دونوں مفکروں نے اپنے اپنے پسندیدہ لوگوں کے فن پر بھرپور نظر ڈالی۔ بعد میں مارکس ایک تاریخی مادہ پرست کی حیثیت سے مشہور ہوا۔ کرک گارڈ اور مارکس نے ہیگل کے فلسفے کو اپنایا لیکن اس کے ساتھ ہی وہ ہیگل کے مثالی اور تصوراتی نصب العین سے متفق نہ تھے۔

مارکس کی سوچ عملی اور سیاسی پس منظر رکھتی تھی۔ وہ صرف ایک فلسفہ دان نہیں تھا۔ بلکہ اس کے ساتھ ایک تاریخ دان، ایک اشتراکی اور ماہر اقتصادیات بھی تھا۔ مارکس کے علاوہ کوئی اور فلسفی کبھی عملی سیاست سے وابستہ نہیں رہا۔ چنانچہ مارکسزم کا فلسفہ ہمارے ذہنوں میں محفوظ ہے۔ ہمارے دور میں لینن، اسٹالن، ماؤ اور کئی دوسرے رہنماؤں نے مارکسزم کو آگے بڑھنے میں اپنا حصہ ادا کیا۔ جس کو مارکسزم جمع لینن ازم کا نام بھی دیا گیا۔ لیکن ہم زیادہ طویل بحث میں پڑنے کے بجائے بات کو صرف مارکس تک محدود رکھیں گے۔ وہ صرف فلسفیانہ مادہ پرست

Marfat.com

نہیں تھا۔اس کا خیال یہ تھا کہ انسانی معاشرے میں مادہ پرستی ایک اہم جزو ہے اور اس کی بنیاد پر تاریخی ترقی کا دارومدار قائم ہے۔"

"آپ نے مارکس کے بارے میں کافی کچھ سمجھا دیا۔اب اس یونانی مقبرے کے بارے میں کچھ عرض کیجئے۔" سوفی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ایتھنز کے قبرستان کا ایک عظیم نمونہ۔تم اس کا نظارہ کر چکی ہو، ویڈیو کے ذریعہ۔اس کی تعمیر میں ایک دلکش نفاست ہے اور اس کی چھت مشکل ترین فن تعمیر کا نمونہ۔دیوار کی تکون اور ڈھلوان ہر شخص کو خاص طور پر متوجہ کرتی ہے۔اس انداز تعمیر کو مافوق الفطرت عمارت بھی کہہ سکتے ہیں۔"

"لیکن ایک نازک جھجا تیز ہوا یا آندھی کا دباؤ کیسے برداشت کر سکتا ہے؟"

"یہ اپنے مضبوط ستونوں پر قائم ہے۔پوری عمارت کی بنیاد اور ستون بے حد مضبوط ہیں۔ اسی نظریے پر مارکس کا کہنا ہے کہ زندگی اور معاشرے کی ہر چیز کی حقیقت مضبوط بنیادیں ہی ہیں۔معاشرے کی محیر العقول عمارت اسی وقت قائم رہ سکتی ہے جب کہ بنیاد مضبوط ہو۔قدیم معاشرے میں بچوں کی شادیوں کا فیصلہ ان کے والدین کرتے تھے۔اس کا تعلق وراثت اور نسل پر مبنی تھا۔لیکن آج کے جدید دور میں معاشرے کی فضا مختلف ہے۔آج لڑکے اور لڑکیاں کسی پارٹی اور ڈسکو ناچ کی محفل میں اپنی بات چیت خود ہی طے کر لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہمیں شدید محبت کا عارضہ لاحق ہو گیا ہے۔لیکن چند ہی دنوں میں یہ بھوت اتر جاتا ہے اور نتیجے کے طور پر دونوں کی زندگی برباد ہو جاتی ہے۔"

"میں بھی اپنے والدین کو یہ حق نہیں دوں گی کہ وہ میری شادی کا فیصلہ اپنی مرضی سے کریں۔" سوفی جذباتی ہو گئی۔

"یہ تم صرف جذباتی طور پر کہہ رہی ہو۔ابھی تم بچی ہو اور ان باتوں کی مصلحتیں سمجھنے سے قاصر ہو۔مارکس کا فرمان ہے کہ یہ سب کچھ ماحول اور معاشرے کا تقاضا ہے اور جہاں دیدہ لوگ ہی جانتے ہیں کہ کیا غلط ہے اور کیا صحیح۔تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ کس طبقے کا تعلق کس نسل سے ہے۔اور اس کا جوڑ کہاں ہونا چاہیئے۔معاشرے میں خرابی اسی وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ جب کوئی باقاعدہ اصول سے انحراف کرتا ہے۔

Marfat.com

مارکس اس حقیقت کو تسلیم کرتا تھا کہ دنیا میں دو طبقے ہمیشہ سے ہیں اور ان کے درمیان اختلافات بھی موجود ہیں۔ قدیم دستور کے مطابق آزاد شہریوں اور غلاموں کی جنگ جاری تھی۔ بالکل اسی طرح جیسے قرون وسطیٰ میں جاگیردارانہ معاشرہ پھل پھول رہا تھا۔ ستم رسیدہ اور جاگیردار کا یہ جھگڑا رفتہ رفتہ امراء کے طبقے اور عام شہریوں میں جڑ پکڑ گیا۔ مارکس کے زمانے میں سرمایہ دار اور مزدوروں کی اس چپقلش نے بالآخر ایک انقلاب کو جنم دیا۔

مارکس اس حق میں تھا کہ سرمایہ داری نظام کو اشتراکی معاشرے میں تبدیل کر دیا جائے۔ لیکن آؤ! پہلے اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ مارکس کا نظریہ انسانی محنت و مشقت کے بارے میں کیا تھا۔ اشتراکی بننے سے قبل مارکس اپنی نوجوانی میں مزدوری کا تجربہ کر چکا تھا۔ یہی خیالات ہیگل نے بھی اخذ کیے تھے۔ ہیگل کہتا تھا کہ انسان اور فطرت کے درمیان ایک خاص ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ اگر کوئی فطرت کو تبدیل کرنے کی کوشش کرے تو اس کوشش میں وہ خود اپنے آپ کو تباہ کر لے گا۔ مارکس بھی اسی سوچ و فکر کا حامی تھا۔ جب ہم کام میں مشغول ہو جاتے ہیں تو ہمارا لاشعور سو جاتا ہے۔ اسے محنت اور شعور کی درمیانی کیفیت کا نام دیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ محنت اور کام دونوں ایک دوسرے میں مل جاتے ہیں۔

سرمایہ دارانہ معاشرے میں مزدور کسی اور کیلئے محنت مشقت کرتا ہے اور اس کام کا خود اس کی ذات کو فائدہ نہیں ملتا۔ اس بنا پر اسے کام سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ وہ حقیقی خوشی سے دور بھاگتا ہے اور کام بے جان ہو جاتا ہے۔

ہم مارکس کے بارے میں باتیں کر رہے ہیں۔ ایک عام مزدور کو دن میں بارہ گھنٹے کام کرنا پڑتا ہے لیکن اس کو معاوضہ اس قدر قلیل ملتا ہے کہ گھر کی دال روٹی چلانے کیلئے ایک ایک فرد کا کام کرنا پڑتا ہے۔ یہاں تک کہ بچوں اور بوڑھوں کو بھی۔ خواتین جسم فروشی پر بھی مجبور ہو جاتی تھیں۔

Marfat.com

چارلس ڈارون (CHARLES DARWIN)

(1809 - 1882)

اتوار کی صبح ہلڈی کی آنکھ ایک خوفناک آواز سے کھل گئی۔ اس نے آنکھیں جھپکائیں اور اِدھر اُدھر دیکھا۔ اس کی نظر وزنی رنگ بائنڈر پر پڑی جو فرش پر ایک طرف پڑا ہوا تھا۔ یہ آواز اسی کے گرنے سے پیدا ہوئی تھی۔ وہ البرٹو اور سوفی کی گفتگو سنتے سنتے سو گئی تھی اور لیمپ ساری رات فضول ہی جلتا رہا۔

گھڑی کی سوئیاں نو بجا رہی تھیں۔ وہ ساری رات عظیم الشان عمارتیں اور بڑے بڑے کارخانوں کو دیکھتی رہی۔ اس نے وہ لڑکی بھی دیکھی جو ماچس بیچ رہی تھی۔ خوبصورت اور نفیس لباس میں ملبوس، ہر آنے جانے کو ایک نظر اٹھا کر دیکھتی اور حسرت بھرے چہرے کو گھٹنوں میں چھپا لیتی۔

ہلڈی نے رنگ بائنڈر کو اٹھا کر اپنے بستر پر رکھا اور اگلا باب پڑھنے کی تیاری کرنے لگی۔

البرٹو نے ابھی ''نیا باب'' کا لفظ ہی ادا کیا تھا کہ میجر کے کیبن پر کسی نے دستک دی۔ البرٹو نے دروازہ کھول کر دیکھا۔ باہر ایک انتہائی ضعیف اور کمزور سا شخص کھڑا تھا جس کی طویل داڑھی اور سر کے لمبے لمبے بال بالکل سفید ہو رہے تھے۔ اس کے ایک ہاتھ میں لاٹھی اور دوسرے ہاتھ میں ایک تختہ تھا جس پر ایک کشتی کی رنگین تصویر بنی ہوئی تھی۔ کشتی میں طرح طرح کے جانور سوار تھے۔

''محترم! آپ کی تعریف؟'' البرٹو نے پوچھا۔

''میرا نام نوح ہے۔''

''میرا اندازہ بھی کچھ ایسا ہی تھا۔'' البرٹو نے گردن ہلائی۔

Marfat.com

''یہ تم لوگوں کا شجرہ نسب ہے میرے بیٹے! اگر لوگ اپنے آباؤ اجداد اور قدیم رسم ورواج سے کچھ آگاہی رکھیں تو یہ کوئی شرم کی بات نہیں ہے۔''

''مگر یہ تصویر آپ نے کیوں اٹھا رکھی ہے اور اس کے ذریعے ہمیں کیا بتانا چاہ رہے ہیں؟'' سوفی نے سوال کیا۔

''اس کشتی میں وہ تمام جانور سوار ہیں جنہیں طوفان سے بچا لیا گیا تھا، اور یہ تصویر تمہارے لیے ہے میری بچی!''

سوفی نے تصویر ہاتھ میں لے کر خوب غور سے دیکھا۔

''اچھا! اب میں چلتا ہوں۔ گھر جا کر انگور کا شربت پیوں گا اور ذرا آرام کروں گا۔'' عمر رسیدہ شخص نے کہا اور اچانک ایک چھلانگ لگا کر جنگل میں غائب ہو گیا۔ اس قدر بوڑھے اور کمزور شخص سے ایسی امید نہ تھی کہ وہ کسی چھلاوے کی مانند ایسی پھرتی اور چستی کا مظاہرہ کر سکتا ہے۔ سوفی اور البرٹو حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہ گئے۔

دونوں اب کیبن کے اندر تصویر کا تفصیلی معائنہ کر رہے تھے۔

''ہمیں سب سے پہلے اس تصویر کے خاکے پر مکمل توجہ دینی چاہیئے۔'' البرٹو نے کہا۔

''میں یہ بتلانا تو بھول ہی گیا تھا کہ مارکس نے اپنی زندگی کے آخر چونتیس 34 سال لندن میں گزارے تھے۔ وہ 1849ء میں یہاں وارد ہوا اور 1883ء میں وفات پا گیا۔ انہی دنوں چارلس ڈارون بھی لندن کے کسی مضافاتی علاقے میں رہائش پذیر تھا۔ اس کا انتقال 1882ء میں ہوا اور لندن کے مشہور قبرستان ویسٹ منسٹر ایبے میں اسے دفن کیا گیا۔ اس قبرستان میں تاریخی اعتبار سے نامور لوگوں کو ہی دفن کیا جاتا ہے۔

چنانچہ مارکس اور ڈارون کا دور ایک ہی تھا لیکن دونوں ایک دوسرے سے بے خبر اپنا اپنا کام کر رہے تھے۔ آخری ایام میں دونوں کی ملاقات ہو گئی۔ مارکس اپنے تمام تخلیقی کام پر مشتمل کتاب ڈارون کے نام معنون کرنا چاہتا تھا لیکن ڈارون نے اس کا یہ احسان قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ مارکس کی اس عظیم الشان تصنیف کا نام ''سرمایہ۔Capital'' تھا۔ ڈارون کے مرنے کے ایک سال بعد مارکس کا بھی انتقال ہو گیا۔ تب ڈارون کے ایک خیر خواہ فریڈرک انجلز (Friedrich Engels) نے اپنے ایک بیان میں کہا۔ ''ڈارون نے

Marfat.com

جسمانی اعضاء کی قدر و قیمت کا کلیہ دریافت کیا۔ اسی طرح مارکس نے بھی انسان کی تاریخی حیثیت اور مقام کا اندازہ لگایا۔"

دوسرا عظیم مفکر جو ڈارون کے خیالات کی تہہ تک پہنچ سکا، وہ سگمنڈ فرائیڈ (Sigmund Freud) تھا۔ اس نے بھی اپنے آخری ایام لندن ہی میں گزارے۔ فرائیڈ کا کہنا تھا کہ ڈارون کی سوچ اور اس کے یعنی فرائیڈ کے خیال میں مکمل ہم آہنگی تھی اور شعور ذات کا فلسفہ ایک ہی تھا۔

مارکس نے اس جانب رہ نمائی کی تھی کہ انسانی جذبات اور خواہشات معاشرے کی پیداوار ہوتے ہیں۔ ڈارون نے کہا کہ انسان کی اقدار رفتہ رفتہ جڑ پکڑتی ہے اور فرائیڈ کے مطالعے کا نتیجہ یہ تھا کہ انسانی حرکات و سکنات جانوروں اور کیڑوں مکوڑوں کو دیکھ کر انداز اپناتی ہیں۔

اب ہم صرف ڈارون کے فلسفے پر بات کرتے ہیں۔ دو تین باتوں کو ایک ساتھ لے کر چلنا مناسب نہیں ہے۔ سقراط سے قبل کا زمانہ فطری توجیہات پر مبنی تھا۔ ڈارون مذہب سے علیحدہ رہ کر صرف انسان کی پیدائش اور انسان کی حیوانی جبلت کا جائزہ لینا چاہتا تھا، وہ ایک فطری سائنس داں اور علم الحیات کا ماہر تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ بائبل کے مطابق انسانی پیدائش کے نظریات پر اس کو مکمل عبور حاصل تھا۔

وہ ایک چھوٹے سے قصبے شریوز بری (Sherwsbury) میں 1809ء میں پیدا ہوا۔ اس کے والد رابرٹ ڈارون ایک نامور طبیب تھے اور اپنے بیٹے کی تعلیم و تربیت میں بے حد سخت گیر باپ۔ جب چارلس مقامی گرامر اسکول کا ایک شاگرد تھا تو اسکول کی طرف اس کی شکایتیں آنے لگیں کہ اس بچے کو پڑھنے لکھنے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور یہ اکثر اسکول سے غائب رہتا ہے اور میدانوں یا درختوں پر پرندوں کے انڈے اور کیڑے مکوڑے تلاش کر کے ان پر نہ جانے کیا تحقیق کرتا رہتا ہے۔

باپ نے اس پر بڑی پابندیاں لگائیں اور سختیاں شروع کر دیں، لیکن نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔ چارلس جب کالج کی زندگی میں آیا تو اس کی زندگی میں ایک تغیر رونما ہوا۔ وہ علم الٰہی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ مگر چونکہ پرندوں اور کیڑوں مکوڑوں سے اس کی دلچسپی برقرار تھی۔ اسی لئے وہ علم الٰہی میں بھی کامیاب نہ ہو سکا۔ رفتہ رفتہ وہ ایک فطری سائنس داں کے طور پر مشہور

Marfat.com

ہوگیا۔ آگے چل کر علم اراضیات پر بھی کافی درک حاصل کرلی۔ اس علم نے اس کی سائنسی مہارت میں مزید اضافہ کیا۔ مزید وہ علم الٰہی میں بھی سرگرمی سے حصہ لینے لگا اور بالآخر گریجویشن کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

1831ء میں کیمرج یونیورسٹی سے ڈگری لینے کے بعد وہ نارتھ ویلز چلا گیا تاکہ چٹانوں کی ساخت اور آرائش وزیبائش کا کام سیکھ سکے اور قدیم پتھروں کو نئی شکل میں ڈھال سکے۔ بائیس سال کی نوخیز عمر میں اسے ایک خط موصول ہوا جو اس کی ساری زندگی کی کدوکاوش کا حصول تھا۔''

''اس خط میں کیا خاص بات تھی؟'' سوفی زیادہ دیر خاموش نہیں رہ سکتی تھی۔

''یہ خط اس کے دوست اور استاد جان اسٹیون ہینسلو (John Steven Henslow) کی جانب سے لکھا گیا تھا۔

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ایک ایسے ہونہار شخص کو آگے بڑھانے کی سفارش کروں جو کیپٹن فزورائے Captain Filtzroy کے ہمراہ ان کے معاون کے طور پر کارآمد ہوسکے۔ کیپٹن فزورائے جنوبی امریکا کے شمالی ساحلوں کی طرف حکومت کی جانب سے ایک سروے مہم پر جارہے ہیں۔ میں نے اس کام کیلئے تمہارا نام تجویز کیا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ یہ خطرناک اور اہم کام صرف تم ہی انجام دے سکتے ہو۔ جہاں تک مالی معاملات کا تعلق ہے، اس کے بارے میں مجھے کچھ معلوم نہیں۔ بس میں یہ جانتا ہوں کہ یہ مہم دو سال کے عرصے پر محیط ہوگی۔''

اس نے یہ موقع ضائع نہیں کیا۔ اس دور میں نوجوان اپنے والدین سے پوچھے بغیر کوئی کام نہیں کیا کرتے تھے۔ تھوڑی سی ہچکچاہٹ کے بعد اس کے والد نے اس مہم پر جانے کی اجازت دے دی اور مالی معاملات میں معاونت کی بھی حامی بھرلی۔

نیوی کا جہاز ایچ ایم ایس بیگل (HMS Beagle) ستائیس دسمبر 1831ء کو پلائی ماؤتھ سے روانہ ہوا اور جنوبی امریکا کی طرف چلا۔ اکتوبر 1836ء میں اس کی واپسی ہوئی۔ یہ جہاز جنوبی امریکا تک محدود رہنے کے بجائے پوری دنیا کا سفر کرآیا۔ اس لحاظ سے یہ مہم ایک نہایت عظیم دریافت پر جاکر ختم ہوئی۔ اس مہم کے دوران اس نے بے شمار قیمتی دھاتیں اور مادی

Marfat.com

اشیاء انگلینڈ بھجوائیں۔ مگر اس نے اپنی تمام تر توجہ فطرت اور زندگی کی قدر و قیمت پر مرکوز رکھی۔ جب وہ ستائیس سال کی عمر میں واپس آیا تو وہ ایک نامور سائنس داں بن چکا تھا۔ باطنی اور ذہنی طور پر قدرت کے تمام راز اس پر آشکارا ہو چکے تھے۔ لیکن کئی سال تک اس نے اپنے تجربات پر مشتمل کتاب شائع نہیں کروائی۔ ڈارون ایک نہایت محتاط شخص تھا اور یہی ایک سچے سائنس داں کی خصوصیت ہے۔"

"مگر اس کا اصل کارنامہ کیا تھا؟" سوفی نے دریافت کیا۔

"اگرچہ نمایاں کام تو اس کے بے شمار ہیں، مگر جس وجہ سے اس کی شہرت میں چار چاند لگ گئے وہ اس کی بلند و بالا تصنیف۔" شکل وصورت اور وضع قطع کا آغاز" (Origin of species) تھی۔ یہ کتاب 1859ء میں شائع ہوئی۔ اس کا پورا عنوان کچھ اس طرح سے تھا۔ "قدرت کی طرف سے نامزد کردہ وضع قطع اور اس کی جڑ یا منہ تک پہنچنے کا راز یا زندگی کی دوڑ میں نگہداشت اور مہربانیاں۔" (On the origin of species by means of natural selection or the preservation of favoured races in the struggle for life.)

اس قدر طویل عنوان دراصل ڈارون کی مکمل تھیوری کا تجزیہ کرتا تھا۔

ہم اس عنوان کو دو حصوں میں تقسیم کر لیتے ہیں۔ "شکل وصورت اور وضع قطع کا آغاز" میں ڈارون اپنے نظریے کا لب لباب پیش کرتا ہے۔ سب سے پہلے اس نے یہ بتایا کہ تمام ظاہری پھل پودے اور جانور کسی نہ کسی نسل سے وراثت میں منتقل ہوئے ہیں اور ان کی علم الحیات کی قدر و قیمت ایک حیثیت رکھتی ہے۔ دوسری بات یہ قدر و قیمت قدرت کی مقرر کردہ فیصلے کا نتیجہ ہے۔

ہم پہلے قدر و قیمت کے تصور پر اپنی عقل مرکوز کریں گے۔ علم الحیات کی قدر و قیمت کا نظریہ پہلے پہل 1800ء کے آغاز میں چند حلقوں میں پھیلنا شروع ہوا۔ اس کا پرچارک ماہر حیوانیات لامارک (Lamarck) نامی فرانسیسی شخص تھا۔ مگر اس سے قبل ڈارون کے دادا ارامس ڈارون (Erasmrs Darwin) نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ پودے اور جانور کسی حد تک ابتدائی جڑیں رکھتے ہیں۔ مگر اس بات کا کوئی اندازہ نہیں ہے کہ ان کی قدر و قیمت کا

Marfat.com

تعین کیسے کیا جائے۔ڈارون نے اس کام کومزید آگے بڑھایا اور سائنسی نقطۂ نگاہ سے اس کا تجزیہ کیا۔

کچھ قدیم اشیاء دریافت ہوئیں اور بعد میں چند معدوم جانوروں کی ہڈیاں ملیں۔مختلف جزیروں پر سمندری جانوروں کی باقیات بھی ملیں۔ جنوبی افریقا میں کوہستان آندس (Mountains of Andes) میں بھی اس نے ایسی چند نشانیاں پائی تھیں جن کا تعلق سمندر سے تھا۔کچھ لوگ سمجھتے تھے کہ انسان یا جانوروں نے کھا پی کر یہ ہڈیاں یہاں پھینک دی ہیں۔بعض افراد کا خیال تھا کہ قدرتی طور پر یہ چیزیں یہاں پیدا ہوگئی ہیں تا کہ لوگوں کو غلط راہ پر ڈالا جائے۔

علم الارضیات کے ماہرین کا خیال تھا کہ یہ ایک قدرتی عمل کا نتیجہ ہے۔طوفان، زلزلے اور مختلف قدرتی حادثات نے بے شمار جانیں ضائع کردیں۔ بائبل کی ایک مثال ہمارے سامنے ہے.....نوح کی کشتی اور طوفان۔ ہر تباہی و بربادی کے بعد ایک نئی زندگی جنم لیتی ہے۔ یہ ان مردہ جانوروں کے ڈھانچے ہیں جو نوحؑ کی کشتی پر سوار نہیں ہو سکے تھے۔

1871ء میں ڈارون نے دوسری کتاب شائع کی۔''انسان کا زوال'' (The Dwscent of man)۔اس میں اس نے ثابت کیا کہ انسان اور جانوروں میں کیا مماثلت ہے۔اِس نظریے پر آگے بڑھتے ہوئے کہ انسان اور گوریلے کا مورث اعلیٰ ایک ہی ہے۔انہی دنوں چند انسانی ڈھانچے پائے گئے۔ پہلے پہل جبل الطارق میں اور اس کے کچھ عرصے بعد ہالینڈ اور جرمنی میں۔یہ ڈھانچے شتر مرغ سے ملتے جلتے تھے۔

زندگی اور نسل کی نشو ونما کی بنیاد اس کو خانوں میں تقسیم کردینے کا عمل ہے۔ جب ایک خانہ دو حصوں میں منقسم ہو جاتا ہے تو وہ دونوں حصے ایک موروثی حصے میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ تب ہم یہ کہتے ہیں کہ دونوں بالکل ایک جیسے ہیں۔مگر کبھی کبھی اس عمل میں کوئی نہ کوئی غلطی بھی ہو جاتی ہے۔لہٰذا نقلی حصہ تھوڑا بہت مختلف بھی ہو سکتا ہے۔ جدید علم الحیات کے قانون کے مطابق اس کو خارجی تبدیلی کہتے ہیں۔ یہ خارجی تبدیلی بعض اوقات مکمل طور پر بے جوڑ بھی ہوتی ہیں یا پھر ان کا اثر شخصی زندگی پر تبدیلی کا باعث بنتا ہے۔ یہ عمل نقصان دہ بھی ثابت ہو سکتا ہے۔ بیشتر بیماریاں بھی انہی ناہمواریوں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔مگر کبھی کبھی یہی ناہمواری

Marfat.com

انسان کی شخصیت میں ایک زبردست انقلاب لے کر آتا ہے جو اسے دنیا کے تھپیڑوں میں ثابت قدم رہنے پر ابھارتا ہے اور اس کی مدد کرتا ہے۔ اور وہ فخر سے گردن اٹھا کر دنیا کا سامنا کرتا ہے۔

لامارک (Lamarck) نے ایک مثال پیش کی ہے کہ زرافے کی گردن اس قدر طویل کیوں ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زرافہ ہمیشہ اپنی گردن اٹھا کر رکھتا ہے اور اوپر ہی کی طرف دیکھتا رہتا ہے۔ مگر ڈارون کے پرستاروں کی نظر میں یہ بات وراثت میں نہیں شامل ہے۔ ڈارون کا خیال ہے کہ زرافے کی گردن میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے اور اس کی لمبی گردن کا راز اس کے تبدل وتغیر میں پوشیدہ ہے۔ اگر اس کو برابر اس کی پسندیدہ غذا فراہم ہوتی رہے تو اس کا تمام جسم تندرست وتوانا رہتا ہے اور اس کی گردن طویل اور بلند ترین درخت کو بھی سرنگوں کر دیتی ہے۔ شروع شروع میں بعض زرافہ غذا کی تلاش میں زمین بھی کھودا کرتے تھے۔

اب ہم پھر وہیں چلتے ہیں جب جانوروں کے پرستار نے ہمیں ایک تصویر دی تھی۔ اس تصویر میں ایک طرف نوحؑ کی کشتی دکھائی گئی ہے اور دوسری طرف ایک درخت کا نقشہ ہے جس میں مختلف وضع کے جانور نظر آرہے ہیں۔ پھلوں اور جانوروں کی صورت میں مختلف حالات کی جانب بھی اشارہ کیا گیا۔

بندروں کا ذکر بھی موجود ہے اور انسان کو ان کا سردار کہا گیا ہے۔ ان سرداروں کو صنف نازک کی شکل میں دکھایا گیا ہے لیکن ان کی ریڑھ کی ہڈیاں موجود ہیں، جس کا مطلب ہے کہ یہ مولیے جانوروں کی ایک شکل ہے۔ یہ بات ہمیں تاریخی تغیر وتبدل کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔

میرے خیال میں اتنا ہی کافی ہے۔ اب ہم ڈارون کو چھوڑ کر آگے بڑھتے ہیں اور اس کا تعلق جدید دریافت سے ہے۔"

البرٹو نے آج کی بات چیت کو ختم کرنے کا اعلان کرتے ہوئے کہا۔

Marfat.com

سگمنڈ فرائڈ (SIGMUND FREUD)

(1856)

ہلڈی مولر کانگ نے وزنی رنگ بائنڈر کو اپنے بازوؤں میں سنبھالا اور بستر سے ایک چھلانگ لگائی۔ بائنڈر کو لکھنے والی میز پر رکھا، اپنے کپڑے اٹھائے اور باتھ روم میں گھس گئی۔ دو منٹ تک شاور کے نیچے کھڑی رہی، کپڑے بدلے اور نیچے کی طرف دوڑ گئی۔

''ناشتہ تیار ہے ہلڈی!'' ماں نے آواز دی۔

''مجھے فوراً کشتی پر پہنچنا ہے''۔

''مگر ہلڈی! ماں آواز دیتی رہ گئی''۔

ہلڈی باغ میں پہنچ چکی تھی اور پھر گھاٹ پر۔ اس نے کشتی پر ہاتھ جمایا اور پھر اس کے اندر کود پڑی۔ ساحل کے ساتھ ساتھ اس نے سست روی کے ساتھ تھوڑا سا چکر لگایا اور پھر پر سکون ہو گئی۔

''ہم ایک زندہ سیارے کی مخلوق ہیں سوفی! دنیا اور جلتے ہوئے سورج کے گرد چکر لگانے والے ہم ہی ہیں مگر اپنی اپنی مصیبتوں اور مشکلوں کا بوجھ اٹھائے پھرنا ہمیں زندگی بھر کا روگ لگا گیا ہے۔ جب ہم ایک بوجھ سے نجات حاصل کرتے ہیں تو ہمارے اوپر دوسرا بوجھ لاد دیا جاتا ہے۔ شاید ہماری زندگی کا مقصد یہی ہے۔''

اسے اپنے باپ کی لکھی ہوئی ایک نظم یاد آئی جو سوفی کیلئے نہیں، بلکہ خود اس کیلئے لکھی گئی تھی، بلکہ اس رنگ بائنڈر کا ایک ایک لفظ ہلڈی کیلئے لکھا گیا تھا۔

اس نے یہ تسلیم کر لیا تھا کہ وہ رنگ بائنڈر ایک خوبصورت تحفہ تھا اور اس کے باپ نے دل کے تاروں کو چھیڑ کر رکھ دیا تھا۔ مگر اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ وہ البرٹو اور سوفی کا ذکر

Marfat.com

اس قدر تواتر کے ساتھ کیوں کر رہا ہے۔ ہلڈی نے کشتی کو گھاٹ پر لے جا کر کھڑا کر دیا۔ ناشتے کے بعد وہ اپنی ماں سے کافی دیر تک گفتگو کرتی رہی۔ اب اس کی حالت کافی پرسکون تھی۔ مگر اس نے بائنڈر کو شام تک ہاتھ نہیں لگایا اور پھر آہستہ آہستہ پڑھنا شروع کیا۔

ایک بار پھر دروازے پر دستک ہوئی۔ سوفی اور البرٹو بیک وقت دروازے کی طرف بڑھے۔ سیڑھیوں پر ایک برہنہ شخص کھڑا تھا۔ اس کا انداز معصومانہ اور رسمی تھا۔ لیکن جو چیز اس کی شخصیت کو نمایاں کر رہی تھی، وہ ایک تاج تھا۔ ''کیا آپ معزز لوگ بادشاہ کے نئے لباس پر کوئی تبصرہ کریں گے؟''

البرٹو اور سوفی حیرت سے گنگ رہ گئے۔ اس خاموشی کا برہنہ شخص نے فائدہ اٹھایا اور چلایا۔ ''کیا تمہیں اتنا بھی سلیقہ نہیں ہے کہ بادشاہ کے حضور میں فوراً سر تسلیم خم کر دینا چاہیئے۔'' اس نے دوبارہ اپنے شاہی خلعت کو نمایاں کرنے کی کوشش کی۔

البرٹو نے سوفی کے کان میں سرگوشی کی۔ ''اس حالت میں بھی اپنے آپ کو قابل تعظیم سمجھتا ہے۔

بادشاہ نے تیوریاں چڑھالیں۔ ''کیا ہمارے یہاں آنے پر کوئی پابندی ہے؟''

البرٹو دو قدم آگے بڑھا۔ ''ہم دونوں یہاں ضروری کام سرانجام دے رہے ہیں۔ انتہائی معذرت کے ساتھ عرض ہے کہ آپ ہمارے کام میں بے جا دخل اندازی کر رہے ہیں۔ بادشاہ کو بھی اپنی عزت کا احترام کرنا چاہیئے اور اس نازیبا حالت میں یہاں نہیں آنا چاہیئے۔

بادشاہ کا طمطراق اور فخر و غرور کا انداز دیکھ کر سوفی کی بے اختیار ہنسی پھوٹ پڑی۔ نہ معلوم سوفی کی ہنسی میں کیا راز تھا کہ بادشاہ کو یکا یک اپنے برہنہ ہونے کا احساس ہو گیا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے نازک مقام کو چھپایا اور آناً فاناً درختوں میں غائب ہو گیا۔

البرٹو اور سوفی سیڑھیوں پر کھڑے کافی دیر تک قہقہہ لگاتے رہے۔ اور پھر البرٹو بول اٹھا۔ ''آؤ! اندر چلیں۔ میں فرائڈ کے بارے میں تمہیں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔''

''کافی دن چڑھ آیا ہے۔ مجھے گارڈن پارٹی کے سلسلے میں بہت سے کام بھی کرنے ہیں۔ سوفی نے جان چھڑانی چاہی۔

''زیادہ نہیں۔ بس بہت تھوڑا سا وقت لوں گا۔'' البرٹو نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

Marfat.com

''اسے ہم ایک تہذیبی فلاسفر کہہ سکتے ہیں۔ وہ 1856ء میں پیدا ہوا اور ویانا یونیورسٹی سے طب کی تعلیم حاصل کی۔ ویانا کی تہذیب ان دنوں دگرگوں ہو رہی تھی۔ طب کے ساتھ ساتھ اس نے اعصابی بیماریوں پر بھی توجہ دی۔ انیسویں صدی کے آخر میں اس کی نفسیات میں مہارت اپنے عروج پر تھی۔

فرائڈ نے دریافت کیا کہ ماحول اور انسانوں کے درمیان ایک مستقل دوری اور کھنچاؤ سا پیدا ہوتا جا رہا ہے۔ اس کو اختلاف کا نام بھی دیا جا سکتا ہے جو معاشرے میں تکلیف کا باعث ہے۔ انسان ایک شائستہ مخلوق ہے۔

خاص طور پر جنسی رجحان اور جسمانی طاقت اس کی نشان دہی کرتے ہیں۔ اس کو نئی دریافت بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس نے یہ بھی سمجھانے کی کوشش کی کم عمر بچوں بلکہ شیر خوار بچوں میں بھی جنسی رجحان پایا جاتا ہے۔ اس نظریے نے بھی اس کی شہرت میں چار چاند لگا دیے۔

اسے ہم وکٹورین ازم کہہ سکتے ہیں۔ جب جنسی مباشرت کو حرام قرار دے دیا گیا تھا۔ بچوں کی اس خصوصیت کا علم اسے اس وقت ہوا جب کہ وہ ان کی نفسیاتی بیماریوں کا علاج کر رہا تھا۔ اسے یہ بھی معلوم ہوا کہ نفسیاتی پیچیدگی میں اعصابی عمل کس طرح بچوں میں اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس نے اس مرض کی روک تھام کیلئے ایک قدیم نسخہ دریافت کیا۔

ایک ماہر آثار قدیمہ جس طرح تاریخ کے اوراق کھنگال کر تہہ بہ تہہ مختلف راز دریافت کرتا ہے۔ جیسے کہ اٹھارہویں صدی کا کوئی چاقو مل جائے یا آگے جا کر چودھویں صدی کی کوئی کنگھی مل جائے۔ مزید آگے جا کر پانچویں صدی کا کوزہ یا خاکدان وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح ایک فلاسفر اپنی ذہانت کے سہارے مریض کے دماغ میں جھانک کر دور کی کوڑی لا سکتا ہے۔ اس طرح اس کو یہ سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ مریض کس الجھن کا شکار ہے یا اسے کس چیز کی کمی کا احساس ہے۔

ایک تجزیہ نگار ذرا اور گہرائی میں جا کر اس بات کا بخوبی پتہ چلا سکتا ہے کہ اس کا مریض کتنے عرصے سے محرومی کا شکار ہے۔ لیکن اس کے جذبات ابھی زندہ ہیں اور وہ اپنی محرومی کا ازالہ چاہتا ہے۔ اگر یہ چیزیں اسے مہیا کر دی جائیں تو مریض صحت یاب ہو سکتا ہے۔

آؤ! ذرا فرائڈ کے انسانی جذبات اور خیالات کی مہارت کے بارے میں کچھ جاننے کی

Marfat.com

کوشش کرتے ہیں۔تم نے نوزائیدہ بچے یقیناً دیکھے ہوں گے۔اگر ان کو دودھ نہیں ملتا ہے تو وہ شور مچاتے ہیں۔اسی طرح پوتڑے گیلے ہونے پر بھی۔بچے جب جسم کی گرمی محسوس کرتے ہیں تب ان کے دل کو قرار آجاتا ہے۔فرائیڈ اس کو خوشگوار احساس قرار دیتا ہے۔یہ احساس ہمیں زندگی کے ہر دور میں محسوس ہوتا ہے۔حالات اور جذبات کے مطابق ہم ان پر قابو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔اور پھر یہی احساس رشتہ داری اور قرابت داری کو جنم دیتا ہے۔

آگے چل کر فرائیڈ نے ایک تیسرے نظریے پر کام شروع کر دیا۔بچپن ہی سے ہمیں والدین کی تعظیم کرنا سکھایا جاتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ معاشرے کا بھی۔جب ہم کوئی غلط کام کرتے ہیں تو والدین ہمیں ٹوکتے ہیں۔یہ سلسلہ ساری عمر جاری رہتا ہے۔ہم یہ جذبات آگے اپنے بچوں کو ودیعت کرتے ہیں۔یہ دنیا کا دستور ہے۔فرائیڈ نے اس کو شعور ذات اور خودی سے تعبیر کیا ہے۔

اس جدید دور میں ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ شیر خوار بچے اپنے جسمانی اعضاء کو نہایت غور سے دیکھتے ہیں اور اسے چھو چھو کر ایک لطف کا احساس حاصل کرتے ہیں۔خاص طور پر سمندر کے ساحل پر یہ نظارہ عام ہے۔مائیں عام طور پر خوشی محسوس کرتی ہیں اور بچوں کو بڑے پیار سے ڈانٹ کر مطمئن ہو جاتی ہیں۔لیکن انہیں یہ علم نہیں ہوتا کہ آگے چل کر یہ بیماری کسی بڑی جنسی ہیجان میں مبتلا کر سکتی ہے۔بے شمار لوگ جنسی بیماری میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور بہت سے لوگ اس بات سے لاعلم رہتے ہیں کہ آخر ان کے جذبات کیا چاہتے ہیں۔چنانچہ ساری عمر وہ خواہش اور گناہ کی کشمکش کا شکار رہتے ہیں۔

فرائیڈ کا کہنا ہے کہ ہمارا ہر دن بے شمار غلطیوں اور عجیب و غریب حرکات سے پر ہوتا ہے۔کبھی کسی کا نام بھول جاتے ہیں۔کبھی اپنے لباس سے بے نیاز ہو جاتے ہیں اور کبھی فضول چیزوں پر بحث کرنے لگتے ہیں۔زبان کی لغزش اور لکھنے پڑھنے میں بھی غلطیوں کی شکایت عام ہے۔اور ہمیں ان باتوں کا احساس تک نہیں ہوتا۔ہم اپنی نظر میں بالکل معصوم ہوتے ہیں۔فرائیڈ کا کہنا ہے کہ یہ حرکتیں معصومانہ یا اتفاقی نہیں ہیں۔یہ سب چیزیں ہماری اندرونی جذباتی کشمکش کو آشکارا کرتی ہیں۔یہ ایک شعوری یا لاشعوری عمل ہے۔کوئی کتنا بھی کوشش کرے کہ اب میں احتیاط کروں گا، اپنے وقت پر وہ بات خود بخود عمل پذیر ہو جاتی ہے۔

Marfat.com

فرائیڈ نے ایک خاص عمل پر توجہ دی جسے اس نے آزادانہ میل جول کا نام دیا۔ دیگر الفاظ میں مریض کو پوری آزادی دی جائے کہ وہ بالکل بے فکر ہو کر جو جی میں آئے بولتا چلا جائے۔ خواہ اس کا تعلق مرض یا اپنی ذات سے بالکل بھی نہ ہو۔ ہر طرح کی باتیں خواہ وہ غیر اخلاقی اور تہذیب سے گری ہوئی ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ انداز اس لیے اختیار کیا گیا کہ مریض ہر چوٹ اور زخم سے بے نیاز ہو جائے اور ہر بات بھول کر اپنا دل کھول کر رکھ دے۔

اس موضوع پر اس کی کتاب ''خوابوں کی تعبیر'' 1900ء میں شائع ہوئی جس میں اس نے یہ ثابت کیا کہ ہمارے خواب محض اول جلول نہیں ہوتے ہیں۔ ہماری کوتاہی خواب کے ذریعہ سیدھے راستے پر گامزن ہونے کی کوشش کرتی ہے۔

ایک طویل تجربے کے بعد، خود اپنے اور مریضوں کے خوابوں کا تجزیہ کرنے کے بعد فرائیڈ نے دریافت کیا کہ تمام خواب تکمیل کی خواہش پر مبنی ہوتے ہیں۔ بچوں میں یہ بات خاص طور پر پائی جاتی ہے۔ وہ آئس کریم، کیک یا اپنے پسندیدہ کھلونوں کی خواہش کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف بالغ لوگ انواع واقسام کے خواب دیکھتے ہیں فن کا آپس میں کوئی تعلق نہیں ہوتا اور صبح ہوتے ہوتے وہ عموماً اپنا خواب بھول جاتے ہیں۔

فرائیڈ شاعرانہ اور ادیبانہ مزاج بھی رکھتا تھا۔ 1920ء کے بعد اس کی یہ صلاحیتیں مزید اجاگر ہو گئیں۔ اس نے دریافت کیا کہ ہر شخص میں فن کارانہ صلاحیتیں پوشیدہ ہیں۔ اس نے بتایا کہ ہر شخص عموماً اپنی نیند کا ایک یا دو گھنٹہ خواب دیکھنے میں گزارتا ہے۔ انسان کے ذہن کے عجائب اور کارنامے بھی اس نے تلاش کیے۔ اس نے بتایا کہ تمام جن کار اپنے ہنر سے واقف ہیں۔ لیکن ایسا اس وقت ہوتا ہے جب ہم اپنے ذہن پر پڑا ہوا پردہ ہٹاتے ہیں۔ اس کو ایک تحریک کہا جا سکتا ہے۔

اس بات کی تشریح کرتے ہوئے اس نے ایک کہانی بیان کی۔

کسی جنگل میں ایک عجیب الخلقت جانور کہیں سے آن نکلا۔ اس کی عمر سو سال تھی اور اس کے ایک سو پیر تھے۔ وہ ایک ماہر رقاص تھا اور حیرت انگیز طور پر اپنے تمام پیروں سے بیک وقت رقص کرتا۔ جب وہ وجد میں آجاتا تو جنگل کے تمام جانور اس کے گرد اکھٹے ہو جاتے اور بڑے ذوق وشوق سے اس کا ناچ دیکھا کرتے۔ ایک کچھوا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ میں اس جانور کی شکل

Marfat.com

تک دیکھنا پسند نہیں کرتا تو پھر اس کا رقص کیسے دیکھ سکتا ہوں۔ بلکہ وہ تو زیادہ ہی شیخی بگھارنے لگ گیا اور کہنے لگا کہ اس سے اچھا رقص تو میں خود کر سکتا ہوں۔ اُس نے انتہائی بے رحمانہ اور ظالمانہ منصوبہ تیار کیا۔

کچھوے نے اس جانور کو ایک خط لکھا۔ ''میں آپ کے فن کا بے حد قدر دان ہوں۔ کیا آپ مجھے بتائیں گے کہ آپ اپنے رقص میں کون کون سے گر استعمال کرتے ہیں؟ شاید آپ بائیں طرف کے اٹھائیسویں پیر کو پہلے اٹھاتے ہیں۔ اور پھر دائیں جانب کے چالیسویں پیر کو۔ یا پہلے دائیں طرف کے پچھترویں پیر کو اٹھاتے ہیں اور پھر بائیں طرف کے چوالیسویں پیر کو؟ مجھے آپ کے جواب کا شدت سے انتظار رہے گا۔''

آپ کا دل دادہ کچھوا

جب اس جانور نے یہ خط پڑھا تو وہ فوراً ہی اس سوچ میں گرفتار ہو گیا کہ وہ آخر کرتا کیا ہے اور اپنے پیروں کو کس انداز میں ترتیب دیتا ہے۔ پہلے وہ کون سا پیر اٹھاتا ہے اور بعد میں کون سا؟ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنا فن بھول گیا اور پھر کبھی رقص نہیں کر سکا۔

ایسا صرف اس صورت میں ہوتا ہے جب کسی فن کار کو ٹوک دیا جائے۔ اگر اسے اپنے فن کا آزادانہ مظاہرہ کرنے دیا جائے تو اس کے فن میں مزید جلا پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کو فطری اور قدرتی عمل کہا جاتا ہے۔

اچھا اب تم گھر جا سکتی ہو۔ لیکن میرا ایک کام بھی کرتی جانا۔ کوشش کرو کہ میجر کے بارے میں زیادہ سے زیادہ سوچ سکو۔ اس طرح اس کے دل میں بھی تمہارا خیال آئے گا اور وہ تمہارے بارے میں مزید سوچے گا۔ کچھوے کی طرح میں بھی ایک منصوبہ ترتیب دے رہا ہوں۔ اگلی ملاقات میں اس کے بارے میں بتاؤں گا۔'' البرٹو نے اپنی نشست چھوڑ دی۔

Marfat.com

ہمارا زمانہ

گھڑیال رات کے گیارہ بج کر پچپن منٹ کا وقت دکھلا رہا تھا۔ ہلڈی مسلسل چھت کو گھور رہی تھی۔ اس نے اپنے خیالات کو آزاد چھوڑ دیا تھا۔ جب بھی کوئی نیا خیال اس کے ذہن کو جھنجھوڑتا تو وہ سوچ میں پڑ جاتی کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ کیا وہ کسی جذبے کو دبانے کی کوشش کر رہی ہے؟ اگر وہ اس خیال کو ذہن سے نکال دے تو شاید کوئی اچھا خواب دیکھنے میں کامیاب ہو جائے، کوئی سنسنی خیز اور دلچسپ خواب۔

اس نے گھبرا کر آنکھیں بند کر لیں اور پھر اس کا خیال میجر کے کیبن کی طرف چلا گیا۔ البرٹو کیا منصوبہ بنا رہا ہوگا؟ یہ تو ہلڈی کے والد کا منصوبہ تھا کہ اسے البرٹو کے خلاف کوئی منصوبہ بنانا چاہیئے۔ کیا اسے اندازہ تھا کہ البرٹو بھی ایسا ہی کچھ سوچ سکتا ہے؟ یقیناً اسے تمام باگ ڈور اپنے ہاتھ میں رکھنی چاہیئے تاکہ نتیجہ حیرت انگیز نکل سکے۔

اب بہت کم اوراق باقی رہ گئے تھے۔ کیا اسے سب کچھ چھوڑ کر آخری صفحہ دیکھ لینا چاہیئے تاکہ وہ انجام سے جلد از جلد واقف ہو جائے؟ نہیں۔ یہ صاف بے ایمانی ہوگی۔ اس طرح تو شوق اور تجسس کا جذبہ ختم ہو جائے گا۔ رنگ باکنڈر اس کے ہاتھوں میں تھا اور اس کا باپ واپس آ کر اس میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا تھا اور البرٹو بھی نہیں۔

اس کے خیالات اب کہیں دور خلاؤں میں پرواز کر رہے تھے۔ ہوش مندی کیا ہے۔ کائنات کا معما کیا ہے؟ یادداشت کیا چیز ہے؟ ہم وہ باتیں اپنے ذہن میں کہاں اور کس طرح محفوظ رکھتے ہیں جو ہمارے تجربے میں آتی ہیں؟ یہ من گھڑت اور مبالغہ آمیز خواب ہر رات کس طرح چلے آتے ہیں؟ وہ پلکیں جھپکتی رہی اور بالآخر نیند کی وادیوں میں کھو گئی۔

Marfat.com

پرندوں کے ملے جلے شور کی آواز سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ ہلڈی بستر سے اتر آئی اور حسب معمول کھڑکی پر آکر گھاٹ کا نظارہ کرنے لگی۔ سرد موسم ہو یا گرم۔ یہ اس کا روزانہ کا معمول تھا۔ اچانک اسے محسوس ہوا۔ جیسے کہ لاکھوں رنگوں کا امتزاج اس کے ذہن میں جھلملا رہا ہے۔ وہ اپنے خواب کو تازہ کرنے لگی۔ اس نے دیکھا تھا کہ اس کا باپ لبنان سے واپس آ گیا ہے اور پھر سب کچھ وہاں جا کر ختم ہو گیا جب سوفی کو گھاٹ پر سنہری ہار ملا تھا۔ ہلڈی گھاٹ کے کنارے بیٹھی ہوئی تھی، بالکل اسی طرح جیسے کہ سوفی نے اسے خواب میں دیکھا تھا اور تب اسے ایک سرگوشی سنائی دی۔ ''میرا نام سوفی ہے''۔ ہلڈی اپنی جگہ پر دم بخود رہ گئی اور اندازہ لگانے کی کوشش کرنے لگی کہ یہ آواز کہاں سے آئی ہے۔ اور پھر یہ آواز کچھ دیر بعد کہنے لگی۔ ''شاید تم بہری ہو اور اندھی بھی۔'' ٹھیک اسی وقت اس کا باپ باغیچے میں داخل ہوا۔ اس نے اقوام متحدہ کا یونیفارم پہنا ہوا تھا۔ ''ہلڈی!'' وہ چلایا۔ ہلڈی دوڑ کر اس کے قریب پہنچی اور اپنی باہیں اس کے گلے میں ڈال دیں۔ یہاں آ کر اس کا خواب ختم ہو گیا۔

اسے آرنلوف اوور لینڈ (Arnulf Overland) کی ایک نظم کا ایک بند یاد آ گیا۔

ایک رات میں ایک عجیب و غریب خواب دیکھ کر چونک اٹھا
کوئی میرے کانوں میں پیار سے سرگوشی کر رہا تھا
یوں گویا طوفانی موجیں میرے اندر سر پٹک رہی ہیں
میں نے پوچھا، تمہیں مجھ سے کیا دلچسپی ہے؟ مگر کوئی جواب نہیں ملا۔

وہ بدستور کھڑکی پر کھڑی اپنے خیالوں میں غرق تھی کہ اس کی ماں داخل ہوئی۔

تم جاگ رہی ہو؟ میں باہر جا رہی ہوں۔ چار بجے تک واپس آ جاؤں گی''۔

''ٹھیک ہے موم۔ آپ جہاں چاہے جا سکتی ہیں۔'' ہلڈی نے جواب دیا۔

جب باہر کا دروازہ بند ہونے کی آواز ہلڈی نے سنی تو وہ دوبارہ رنگ بائنڈر کی طرف متوجہ ہو گئی۔ ''اب میں میجر کے لاشعور میں داخل ہو رہی ہوں۔ مجھے توقع ہے کہ میری اس سے ملاقات ہو جائے گی۔''

ہلڈی نے مطالعہ جاری رکھا۔ اب بہت کم اوراق باقی رہ گئے تھے۔

سوفی کیبن سے باہر نکل آئی۔ ندی کی سطح پر اب بھی ڈزنی (Disney) کے چند کردار

Marfat.com

ابھرے ہوئے دکھائی دے رہے تھے، مگر وہ جیسے ہی ان کی طرف ہاتھ بڑھاتی، وہ غائب ہو جاتے۔ وہ اپنی کشتی کھیتی رہی تا کہ میجر کی نگاہیں اس پر مرکوز رہیں اور البرٹو کیبن میں بیٹھ کر بلا خوف وخطر اپنا کام انجام دیتا رہے۔

کافی دیر بعد اس نے دوسرے ساحل پر اپنی کشتی لگائی اور باہر آ کر مختلف کرتب دکھانے لگی۔ اچھل کود اور رقص کے ساتھ ساتھ اس نے گانا شروع کر دیا تھا تا کہ میجر کو مزید متوجہ کر سکے۔ بالآخر وہ تھم گئی اور اس نے سوچنا شروع کر دیا کہ البرٹو آخر کس منصوبے پر کام کر رہا ہے۔ جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو بندر کی طرح درخت پر چڑھ گئی۔ وہ اوپر ہی اوپر چڑھتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ پھنگی کے قریب آ گئی۔ اسے خوف سا محسوس ہونے لگا کہ اب وہ نیچے کیسے اترے گی؟ میجر نے اگر دیکھ لیا کہ وہ درخت پر چڑھی بیٹھی ہے تو اس کا کام آسان ہو جائے گا اور وہ کیبن میں گھس کر البرٹو کو تنگ کر سکتا ہے۔

اس نے اپنے بازوؤں کو درخت کی تنے میں چمٹا لیا اور ہر خوف سے بے پروا ہو کر نیچے کی طرف پھسلنا شروع کر دیا۔ اب اس نے ایک تان الاپنی شروع کر دی تا کہ اس کا دھیان بٹ جائے۔ اپنی پندرہ سالہ زندگی میں پہلی بار کوئی گیت اتنے خشوع وخضوع سے گایا تھا۔ تمام کام اس کی مرضی کے مطابق ہوتا چلا گیا اور وہ بہ آسانی زمین پر آ گئی۔

ابھی وہ نیچے آئی ہی تھی کہ اس کے سامنے ایک راج ہنس آ موجود ہوا اور فوراً بول پڑا۔ میرا نام مارٹن ہے۔ اگرچہ میں ایک ہلکا پھلکا سا پرندہ ہوں لیکن لبنان سے اڑتا ہوا یہاں ابھی ابھی پہنچا ہوں۔ یقین کرو میں نے ہی درخت سے اترنے میں تمہاری مدد کی ہے۔ آؤ: اب میں تمہیں تمہارے گھر تک پہنچا دوں۔"

"لیکن تم تو اس قدر مختصر سے پرندے ہو اور میں جسامت اور وزن میں تم سے بہت زیادہ ہوں۔" سوفی نے حیرت سے کہا۔

"تم ابھی سب کچھ سمجھ جاؤ گی"۔ ہنس راج نے کہا۔

اور اچانک سوفی کو اپنے گالوں پر ایک چبھن سی محسوس ہوئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کا جسم انسانی انگوٹھے کے برابر رہ گیا اور ہنس راج نے اسے بہ آسانی اٹھا کر اس کے گھر کے باہر لا گرایا۔ زمین پر گرتے ہی سوفی نے چند لڑھکنیاں کھائیں اور وہ اپنی اصلی شکل میں آ گئی۔ اس

Marfat.com

کی ماں اس وقت اپنے کام سے واپس آئی تھی۔ رات کا کھانا کھا لینے کے بعد دونوں ماں بیٹی گارڈن پارٹی کے بندوبست میں مصروف ہو گئیں۔

انہوں نے چار میٹر طویل سرپوش خریدا اور مختلف تختے ایک دوسرے سے جوڑ کر باغ میں درخت کے نیچے لا سجایا۔ اس کو بے شمار پایے لگا کر مضبوط کیا۔ یہ پائے یا ستون سوفی کی دسویں سالگرہ پر پہلی بار استعمال کیے گئے تھے۔ وہ شاندار تقریب سوفی کے ذہن میں آج بھی محفوظ تھی۔

موسم کے بارے میں جائزہ نہایت مثبت تھا اور بارش کے کوئی آثار نہ تھے۔ لہٰذا فیصلہ کیا گیا کہ میز کو اسی طرح سجا سجایا چھوڑ دیا جائے۔ شام کے وقت انہوں نے مختلف قسم روٹیاں تیار کیں۔ روٹیوں کے ساتھ سلاد اور چکن بنانے کا ارادہ تھا۔ اس کے ساتھ ہی مختلف مشروبات رکھے جاتے۔ سوفی اب سونے ہی جا رہی تھی۔ جاتے جاتے ماں نے اچانک پوچھ لیا کہ کیا البرٹو اس دعوت میں شریک ہو رہا ہے؟

''جی ہاں! اس نے حامی بھر لی ہے اور وہاں وہ کوئی نفسیاتی کارنامہ بھی دکھائے گا۔''

''نفسیاتی کارنامہ؟ یہ کیا چیز ہے؟'' ماں نے حیرت سے پوچھا۔

''مجھے اس بارے میں کوئی علم نہیں۔ وہ ایک فلسفی ہے۔ ظاہر ہے وہ کوئی عقل کی بات کرے گا۔''

میں بھی ایک تقریر کروں گی۔'' ماں نے قابلیت کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کی۔

''ٹھیک ہے۔ صبح مجھے اس بارے میں ذرا تفصیل سے بتانا۔'' سوفی نے چادر اوڑھتے ہوئے کہا۔

دوسری صبح ماں نے آ کر سوفی کو جگایا اور ایک طویل فہرست اس کے ہاتھوں میں تھما دی جس میں دعوت کیلئے مزید اشیاء کی خریداری کا حکم دیا گیا تھا۔

ماں کے روانہ ہوتے ہی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ البرٹو کو فوراً خبر ہو جاتی تھی کہ سوفی اکیلی ہے۔

''تمہارا خفیہ منصوبہ کہاں تک پہنچا؟'' سوفی نے کریدا۔

''شش۔ اس بارے میں کوئی لفظ بھی منہ سے مت نکالو۔ اسے کوئی خبر یا سن گن بھی نہیں

Marfat.com

ملنی چاہیئے۔'' البرٹو نے خفگی کا اظہار کیا۔

''کل تو میں نے اس کی توجہ کافی حد تک اپنی طرف مرکوز رکھی۔''

''ہاں۔تم نے اچھا خاصا کام کیا۔''

''کیا اب نفسیاتی کورس کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے؟''

''بس، کچھ ایسا ہی سمجھ لو۔اب ہم اپنی صدی میں آ چکے ہیں یعنی کہ اپنی تہذیب کی طرف لوٹ رہے ہیں۔اب تمہیں خود اپنے اندر جھانکنا ہوگا۔بنیادی باتیں تمہیں سمجھا دی گئی ہیں۔ آگے تمہیں خود ترقی کی طرف بڑھنا ہے۔مگر بہتر یہ ہے کہ ایک مختصر سی ملاقات ہمارے تمہارے درمیان اور ہو جائے۔''

''مجھے ذرا ضروری کام کے سلسلے میں شہر کی طرف جانا ہے۔''

''یہ اور بھی اچھا ہے۔ہم شہر میں ہی چند منٹوں کیلئے مل لیں گے۔بڑے چوراہے پر ایک نیا ریستوراں کھلا ہے، کیفے پیری۔وہاں آ جاؤ۔''

''ٹھیک ہے۔میں بارہ بجے تک پہنچتی ہوں۔''

سوفی ٹھیک وقت پر وہاں پہنچ گئی۔یہ ریستوراں بالکل جدید طرز پر سنوارا گیا تھا چھوٹی چھوٹی بیضوی شکل کی آبنوسی میزیں اور سیاہ شیشم کی کرسیاں، مختلف گلدستے اور خوشبویات کی بوتلیں سجی ہوئی تھیں اور اس کے ساتھ ہی سینڈوچ اور پھل چاکلیٹ وغیرہ رکھے ہوئے تھے۔مگر البرٹو ابھی تک نہیں آیا تھا۔اس نے وقت گزارنے کیلئے ایک کافی منگوائی۔پھر اخبار پڑھتی رہی اور اس اثناء میں لوگوں کی بھوکی نظروں کا سامنا کرتی رہی۔

پندرہ منٹ بعد البرٹو کی شکل نظر آئی۔اس نے سوفی سے معذرت کی اور کاؤنٹر پر جا کر دو کافی اور دو سینڈوچ کا آرڈر دیا۔

''اتنی دیر کہاں لگا دی؟'' سوفی نے تلخی سے پوچھا۔

''میں نے جان بوجھ کر دیر کی۔اس کی وجہ بعد میں بتاؤ گا۔پہلے میں ذرا مختصر طور پر اس صدی کے عجائبات کے بارے میں بتا دوں۔ہر طرف بے شمار انداز فکر کا زور ہے۔مگر ہم پہلے ایک خاص مسئلے پر بات کریں گے۔اور یہ ہے زندگی کے اسرار و رموز کے بارے میں۔یہ موجودہ حالات پر ایک بے لاگ تبصرہ بھی ہے۔ہم بیسویں صدی کی فلسفے کے بارے میں بات

Marfat.com

کررہے ہیں۔ان میں سے بیشتر کرک گارڈ (Kierke Gard) سے زیادہ متاثر ہیں لیکن تھوڑا بہت ہیگل اور مارکس سے بھی۔

بیسویں صدی میں جو دوسرا نمایاں فلسفی پیدا ہوا، وہ تھا جرمن فریڈرک نازشے (German Friedrich Nietzsche) اس کا عرصہ حیات 1844-1900ء تک ہے۔اس شخص کو ہیگل کے فلسفے اور جرمن تاریخ سے اختلاف تھا۔اس کا کہنا تھا کہ زندگی خود ایک حقیقت ہے اور اس کی بے شمار قدریں ہیں۔کسی خوبی کو کسی اور پر ترجیح نہیں دی جاسکتی اور نہ ہی اس کی کسی کمزوری کو منفی انداز میں لیا جاسکتا ہے۔نازشے کہتا ہے کہ عیسائیت اور فرسودہ فلسفہ دونوں حقیقت سے دور ہوتی جارہی ہیں اور اب صرف جنت یا خیالی دنیا تک محدود رہ گئی ہیں۔دنیا ان باتوں کے لیے نہیں بنی ہے بلکہ یہ دنیا اب بہت سے نئے نئے خیالات ہمارے حوالے کررہی ہے اور ہمیں ان پر کام کرنا چاہیئے۔

ایک شخص جو کرک گارڈ اور نازشے دونو سے متاثر تھا، وہ ایک جرمن فلاسفر تھا مارٹن ہیڈگر (Martin Heideger) نامی۔مگر ہم اپنی توجہ فرنچ فلاسفر جین پال سارتر (Jean Paul Sartre) پر مرکوز رکھیں گے۔یہ فلسفی 1905-1980ء تک زندہ رہا۔زندگی کے اسرار و رموز اور فلسفے پر اس کے مضامین چالیسویں دہائی میں بے حد مقبول ہوئے۔بعد ازاں وہ مارکسی فلسفے میں شامل ہوگیا مگر اس پارٹی کا ممبر کبھی نہیں بنا۔مگر وہ اپنا زیادہ تر وقت کیفے میں ہی گزارا کرتا تھا اور ایسے ہی ایک کیفے میں اس کی ملاقات سیمون ڈی بیوور (Simone de Beauvioir) نامی خاتون سے ہوگئی۔جو خود بھی زندگی کے رموز کی فلاسفر تھی۔جلد ہی دونوں ایک دوسرے کے شریک حیات بن گئے اور مشترکہ طور پر اس فلسفے پر کام کرتے رہے۔

سارتر نے کہا کہ انسانیت ہی زندگی کی معراج ہے۔اس فلسفے پر اس نے اپنی کتاب (God is Dead) میں کافی طویل بحث کی ہے اور یہ خیالات اس نے نازشے سے اخذ کیے ہیں۔اس کی باتوں کا اصل ماخذ اسرار و رموز ہی ہے مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ خوبی صرف زندہ لوگوں میں ہو۔درخت اور جانور بھی زندہ ہیں۔مگر وہ کسی قدر و قیمت کی دلالت نہیں کرتے۔صرف انسان ہی وہ مخلوق ہے جو اپنی قدر و منزلت اور اسرار و رموز سے واقف ہوسکتا ہے۔سارتر کہتا تھا کہ انسان کے اسرار و رموز ہی اصل میں اس کی طاقت اور قوت ہیں۔

Marfat.com

فلسفہ دان ہمیشہ سے اس بات کے متلاشی رہے ہیں کہ وہ انسان کی حیثیت اور اس کے اندر کی کھوج لگا سکیں۔ مگر وہ ناکام رہے۔ تم نے غور کیا ہوگا کہ نشاۃ ثانیہ کے مسئلے نے کافی دلچسپی پیدا کر دی تھی جس کا تعلق انسان کی آزادی سے تھا۔ سارتر نے اسے ایک بلا اور آفت کا نام دیا۔ انسان کی آزادی بے نام ہے۔ وہ مکمل آزاد نہیں رہ سکتا کیوں کہ ایک بار جب وہ دنیا میں داخل ہو گیا تو پھر اپنی تمام حرکتوں کا وہ خود ذمہ دار بن جاتا ہے۔

ایک کمرے میں اگر دو شخص بیٹھے ہیں تو دونوں کا تجزیہ مختلف ہوگا۔ ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ ہر ایک کی اپنی پسند اور اپنی مرضی ہوتی ہے۔ اگر تم کسی کی محبت میں گرفتار ہو جاؤ اور اس کا شدت سے انتظار کر رہی ہو تو تمہیں اس کی آواز خود بخود سنائی دینے لگے گی۔ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے، شاید اسی جذبے کو کہتے ہیں۔ ٹرین میں ملنے کا وقت طے ہو جاتا ہے۔ تم حیران و پریشان پلیٹ فارم پر اس کی تلاش میں سرگرداں ہو مگر وہ کہیں نظر نہیں آ رہا ہے۔ مگر تمہیں یقین ہے کہ وہ آئے گا اور ضرور آئے گا۔ کچے دھاگے سے چلے آئیں گے میرے سرکار بندھے۔ سیمون ڈی بیوور نے نسوانی جذبات پر کافی تحقیق کی ہے۔ وہ خانگی زندگی چاہتی ہے اور اس کی خواہش ہے کہ وہ اپنے محبوب کو اور گھر کو سمیٹ کر ایک جگہ رہے۔ آج کے دور میں خواتین کچھ زیادہ ہی اپنی اس خواہش میں سنجیدہ نظر آتی ہیں۔ ہماری تہذیب میں عورت کو دوسری جنس قرار دیا گیا ہے۔ مرد ان سے جانوروں جیسا سلوک کرتے ہیں اور ان کو اپنا محکوم قرار دیتے ہیں۔ یہ بات ثابت کرتی ہے کہ مرد اور عورت کی قدر و منزلت میں فرق ہے۔ ان کی آزادی کا استحصال ہے اور سیمون اسی بات پر احتجاج کرتی ہے کہ مرد اور عورت کے درمیان یہ تفریق کیوں ہے۔ آزادی کا مطلب دونوں کیلئے ایک ہونا چاہیئے۔

اس موضوع پر تحقیق کرتے کرتے اکثر و بیشتر فلسفہ دان دوسری تہذیبوں کی طرف بھی متوجہ ہوئے۔ اور خاص طور پر ہندوستان کی جانب اس دوران انہوں نے غیر مہذب خیالات اور رسم و رواج کا بھی جائزہ لیا۔ امریکہ کے قدیم باشندوں پر بھی ان کی نظر گئی۔ اور انہیں اندازہ ہو گیا کہ وہ کیا کیا کچھ ضائع کر چکے ہیں اور اپنی قدر و قیمت کس حد تک گرا چکے ہیں۔

گناہ اور ثواب کیا ہے، یہ انسان خود فیصلہ کر سکتا ہے۔ کچھ لوگ ڈھنڈورا پیٹ رہے ہیں کہ ہم نئے دور میں داخل ہو رہے ہیں۔ مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر نئی چیز اچھی اور فائدہ مند

Marfat.com

ہوگی اور نہ ہی ایسا ہے کہ ہر پرانی چیز فرسودہ اور بوسیدہ ہو چکی اور اسے باہر پھینک دینا چاہیئے۔ فلسفے کے بارے میں بنیادی باتیں میں تمہیں سمجھا چکا۔ تمام تاریخی حقیقتیں تمہارے سامنے ہیں۔ اب تم اپنی زندگی کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال سکتی ہو۔"

"بہت شکریہ، بڑی مہربانی"۔ سوفی نے فراخ دلی کا مظاہرہ کیا۔

"میرے اندازے کے مطابق جدید دور کے نعرے میں چھپی ہوئی تمام تحریکیں محض جھوٹ، فریب اور مکاری ہیں۔ یہاں تک کہ نام نہاد، نیا مذہب، جدید علم کیمیا اور علم نجوم اور ہر طرح کی ماورائی باتوں نے گزشتہ چند سالوں میں پورے مغرب کو اپنے گھیرے میں لے لیا ہے۔ یہ ایک مشغلہ بن چکا ہے۔ خیر چھوڑو ان باتوں کو۔ آؤ؟ ذرا شہر کی سیر کرتے ہیں۔ مجھے چند خاص مقامات دیکھنے کا بہت دنوں سے شوق ہے۔ آج موقع نکل آیا ہے۔"

"مگر مجھے بہت سے کام کرنے ہیں۔ آپ یقیناً گارڈن پارٹی کے بارے میں وقت اور تاریخ نہیں بھولے ہوں گے۔" سوفی نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ ایسے یادگار مواقع تو زندگی میں کبھی کبھی ہی آتے ہیں۔ بس ذرا وہ جگہ دیکھ لیں جہاں ہلڈی نے فلسفے کی تعلیم حاصل کی تھی۔ میجر کے خیالات اس سے زیادہ آگے نہیں جا سکتے۔ چنانچہ اس طرح وہ ہماری سوچ تک نہیں پہنچ سکے گا۔" البرٹو سوفی کا ہاتھ پکڑ کر چل پڑا۔

وہ اُس بازار میں داخل ہوئے جہاں الیکٹرانک کا مکمل سامان فروخت ہو رہا تھا۔ ٹیلی ویژن، وی سی آر، سٹیلائٹ کی ڈشیں، موبائل فون، کمپیوٹر اور میکس مشین۔ البرٹو نے ایک تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا"۔ سوفی! یہ ہے بیسویں صدی کی مکمل تصویر۔ نشاۃ ثانیہ کے دور میں دنیا کس طرح جگمگا رہی تھی اور کس طرح نئی نئی ایجادات ہو رہی تھیں۔ یوروپین دنیا بھر کی سیر تفریح میں مشغول تھے۔ مگر آج یہ سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔ ہم اسے تباہی کے سفر کا نام دے سکتے ہیں۔"

"تباہی؟ کن معنوں میں؟" سوفی نے تعجب سے پوچھا۔

"دنیا اب ایک عظیم نیٹ ورک کے دور میں داخل ہو گئی ہے۔ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ فلسفہ داں علم کی کھوج میں دنیا کے گرد گھوڑوں اور گدھوں پر سفر کیا کرتے تھے۔ تحقیقات کرتے

Marfat.com

اور دیگر عالموں سے مل کر استفادہ حاصل کرتے۔ مگر اب یہ دور آ گیا ہے کہ کسی بھی جگہ پر بیٹھ کر کمپیوٹر کے ذریعہ تمام دنیا اور تمام علوم کے بارے میں جان سکتے ہیں۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہم اپنی تاریخ اور عظیم ریت اور روایات سے کس طرح روگردانی اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ اور کیا یہ ترقی جدید دور کی دریافت کہلائے جانے کے لائق ہے؟ گویا ہم آدمی کی زندگی نہیں گزار رہے بلکہ سیاروں کی تہذیب میں داخل ہو گئے ہیں۔"

ابھی یہ باتیں جاری تھیں کہ اچانک ٹی وی اسکرین پر اقوام متحدہ کے فوجی نمودار ہوئے۔

"یہ لوگ اب واپسی کی تیاری کر رہے ہیں۔"

"ذرا ایک بار پھر غور سے دیکھیے"۔ سوفی چلائی۔ کیمرہ فوراً ایک سپاہی کے چہرے کی طرف مڑ گیا جس کی سیاہ داڑھی بالکل البرٹو سے مشابہ تھی۔ اچانک اس شخص نے ایک کارڈ دکھایا جس پر لکھا ہوا تھا۔ "میں بہت جلد واپس آ رہا ہوں ہلڈی!" اور وہ شخص فوراً ہی غائب ہو گیا۔

سوفی اور البرٹو بھی چرچ کے سامنے سے گزرتے ہوئے باہر آ گئے۔ چلتے چلتے دونوں کتابوں کی ایک بہت بڑی دکان میں آ گئے۔ یہ عظیم الشان دکان بہت بڑے رقبے پر پھیلی ہوئی تھی اور مختلف حصوں پر مشتمل تھی۔ البرٹو جس طرف بڑھا وہاں جدید دور، طلسماتی دور اور زندگی کے مختلف پہلوؤں پر بے شمار کتابیں نظر آ رہی تھیں۔ چند کتابوں کے عنوان کچھ اس طرح تھے۔ "موت کے بعد زندگی"، روح کی حقیقت"، "خداؤں کی واپسی" "آپ کو ایک دن یہاں آنا ہے"، "علم نجوم یا ستارہ شناسی" وغیرہ وغیرہ۔

دونوں باہر آ کر پارک میں ایک بینچ پر بیٹھ گئے۔

"یہ سب بکواس اور فضول کتابیں ہیں اور نوجوانوں کو غلط راہ پر ڈال رہی ہیں۔ اس کو آدھا علم بھی کہہ سکتے ہیں" البرٹو کہہ رہا تھا۔

"مگر ایک ہی موضوع پر اتنی ساری کتابیں کیوں ہیں؟" سوفی نے پوچھا۔

"یہ سب کاروباری نقطۂ نظر سے شائع کی جاتی ہیں۔ قاری عام طور پر کوئی نیا نکتہ یا نیا راز جاننا چاہتے ہیں اور کتابوں کے سوداگر منافع کمانا۔ اب دوسرے نکتے کی طرف آتے ہیں۔ بعض اوقات لوگ نیند میں چلتے ہیں یا اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے ہیں۔ اس کو دماغی خودکار نظام سے تشبیہہ دیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اداسی اور پژمردگی کے عالم میں لوگ بہت سی اوٹ

Marfat.com

پٹانگ باتیں بول جاتے ہیں اور مختلف حرکات کرتے ہیں، جوان کا ارادہ نہیں ہوتا۔ اسی حالت میں وہ کبھی کبھی کام کی باتیں بھی لکھ جاتے ہیں۔

موجودہ صدی کے دوران ایسے افراد بھی میدان میں آئے جو ''روحانی تجدید مذہب کے حامی'' کہلائے۔ ان کا کہنا تھا کہ مردہ اور زندہ کے درمیان رابطہ ہوسکتا ہے۔ خواہ وہ مردہ شخص کی آواز ہو یا اس کی کوئی تحریر۔ ایسی صورت میں کوئی آلہ یا ذریعہ اس گزرے ہوئے شخص کا کوئی پیغام وصول کرسکتا ہے جس کو انتقال کیے ہوئے پانچ یا پچاس یا کئی سو سال گزر چکے ہوں۔ اس توجیح نے ایک اور بحث پیدا کردی ہے کہ کیا موت کے بعد بھی کوئی زندگی ہے اور کیا ہم کئی بار جنم لیتے ہیں؟

میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ تمام رابطے یا وسیلے جھوٹ پر مبنی ہیں۔ کبھی کبھی یہ باتیں نیک جذبات اور خیالات کے دائرے میں بھی آتی ہیں۔ درمیانی راستہ یا وسیلہ ضرور موجود ہے لیکن یہ صرف لاشعور کی پیداوار کہا جاسکتا ہے۔ چند باتیں الہام کے ذریعہ منکشف ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر ایک عورت جو عبرانی زبان سے بالکل ناواقف ہے، اس زبان میں ایک خط لکھ دیتی ہے۔ یہاں یہ سوچا جاسکتا ہے کہ وہ اس مردہ شخص کے دور میں بھی زندہ رہی ہوگی۔

فرائیڈ کے نظریے کے مطابق کئی ایسی باتیں موقع بہ موقع ظہور پذیر ہوسکتی ہیں جو لاشعور میں موجود ہیں۔ فرض کرو اچانک ایک فراموش کردہ دوست کی یاد آتی ہے اور میں اپنی ڈائری میں اس کا نمبر تلاش کرنا شروع کردیتا ہوں۔ یہ واسطہ یاد دلاتا ہے کہ کبھی ہم بڑے ذوق وشوق سے ریڈیو پر ایک گیت سنا کرتے تھے۔ وہی گیت جب آج کہیں گونجا تو لاشعور مجھے اس دوست کی طرف لے گیا اور مجھے بے چین کرگیا۔

ان کتابوں کے ذریعہ ہم ایک خاکہ ذہن میں لا سکتے ہیں۔ انگلینڈ میں خاکہ یا تصوراتی نقشہ بنانے والوں کی ایک ایسوسی ایشن ہے۔ کئی سال گزرے، انہوں نے اس شخص کیلئے ایک بڑے انعام کا اعلان کیا جو غیر فطری رجحان کا معمولی سا بھی ثبوت دے سکے۔ یہ کوئی خاص معجزہ نہیں کہا جائے گا۔ صرف ٹیلی پیتھی کے ضمن میں اس کا شمار کیا جاسکتا ہے۔ لیکن ابھی تک کوئی آگے نہیں آیا۔ اس کے برخلاف بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو ان باتوں کا شعور نہیں رکھتے۔ گزشتہ صدی میں ایسے بے شمار لوگ موجود تھے جو مقناطیسی نظام یا بجلی کو ایک جادو تصور کرتے

Marfat.com

تھے۔میری دادی کی آنکھیں کمپیوٹر یا ٹی وی کی بارے میں سن کر پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

تمام اصلی اور صحیح فلسفہ دان ہمیشہ اپنی آنکھیں کھلی رکھتے ہیں۔کیا تم نے کبھی سفید رنگ کا کوا دیکھا ہے؟ اگر کبھی سفید کوا ہمارے سامنے آجائے تو لازمی طور پر ہماری آنکھیں جھپکنا بھول جائیں گی۔ہمیں مستقبل کے بارے میں بھی سوچ لینا چاہیئے کہ کوئی بھی عجوبہ اچانک سامنے آسکتا ہے۔اور اگر ایسا نہیں ہے تو ہم سچے فلسفہ دان کہلانے کے مستحق نہیں قرار دیے جاسکتے۔''

البرٹو خاموش ہوگیا۔اس موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے سوفی نے رخصت کی اجازت چاہی۔''مجھے پارٹی کے سلسلے میں بہت سے کام کرنے ہیں۔''

''اچھا ایسا کرو، جدا ہونے سے قبل میں سفید کوے سے تمہاری ملاقات کرادوں۔'' البرٹو نے سوفی کا ہاتھ پکڑا اور دونوں کتاب کی دکان میں داخل ہوگئے۔اس بار وہ دکان کے اس حصے میں چلے گئے جہاں مظاہر قدرت کے متعلق حیرت انگیز واقعات پر قدیم کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔البرٹو نے ایک قدیم کتاب اٹھائی جس کا عنوان تھا ''فلسفہ'' اس کے ساتھ ہی ایک دوسری کتاب تھی۔البرٹو کے اشارے پر سوفی نے یہ کتاب اٹھائی۔اس کا عنوان تھا ''کافروں کی دنیا'' (Sophies World)۔

''میں اسے آپ کے مطالعے کے لیے خریدنا چاہتی ہوں۔'' نہ جانے کس جذبے کے تحت سوفی نے کہا۔

''تمہاری مرضی'' البرٹو نے شانے اچکا دیئے۔

سوفی نے ایک ہاتھ میں کتاب سنبھالی، دوسرے میں ایک تھیلا جس میں گارڈن پارٹی کیلئے کچھ سامان تھا اور گھر کی طرف روانہ ہوگئی۔

Marfat.com

گارڈن پارٹی

(The Garden Party)

ہلڈی بستر پر بیٹھی خلاؤں میں گھور رہی تھی۔ اس کا ذہن کام نہیں کر رہا تھا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے ہاتھ پیروں میں جان نہیں ہے۔ وزنی رنگ بائنڈر اس کے ہاتھوں میں کانپ رہا تھا۔ رات کے گیارہ بج رہے تھے اور وہ دو گھنٹوں سے مسلسل مطالعے میں مصروف تھی۔ بعض اوقات پڑھتے پڑھتے اچانک وہ قہقہہ مار کر ہنسنے لگ جاتی۔ یہ تو اچھا ہوا کہ وہ اپنے کمرے میں اکیلی تھی، ورنہ لوگ اسے پاگل سمجھتے۔

زیادہ ہنسی تو اسے سوفی کی ان حرکتوں پر آ رہی تھی جو وہ میجر کی توجہ بٹانے کے لئے کر رہی تھی۔ بالآخر سوفی ایک درخت پر چڑھ گئی اور ایک راج ہنس نے اس کی جان بچائی جو اس کی حفاظت کرنے کیلئے لبنان سے دوڑا دوڑا آیا تھا۔

اگرچہ اس بات کو کافی عرصہ گزر چکا تھا، لیکن ہلڈی کو یاد تھا کہ اس کے باپ نے ایک مرتبہ ایک کہانی سنائی تھی جس کا نام تھا۔ ''نل کے سفر کی داستانیں'' (The Wonderful Adventures of Nil) اس کے کافی عرصے بعد اب اس نے راج ہنس جیسی حرکتیں سنیں۔ اور پھر مزید طرہ یہ کہ سوفی ایک پروفیسر کے ساتھ گھنٹوں کسی کیفے میں بیٹھی رہی۔

ہلڈی کو یہ بات بھی کچھ عجیب سی لگی کہ البرٹو زندگی اور سارترے (Sartre) کے بارے میں بھی کچھ فرما رہا تھا۔ ایک سال قبل ہلڈی نے علم نجوم سے متعلق ایک کتاب خریدی تھی۔ اس کے بعد ایک اور کتاب قائم ارواح کے بارے میں۔ ہر دفعہ اس کے والد نے ایک لیکچر پلایا تھا کہ اتنی گہری اور عالمانہ باتیں تمہارا دماغ خراب کر کے رکھ دیں گی۔ لیکن اس بار ایک نمائش میں اس نے ویڈیو فلم کے ذریعہ کھلا پیغام بھیجا تھا کہ وہ ان باتوں سے باز آ جائے ورنہ مصیبتوں

Marfat.com

میں گھر جائے گی۔

اس کو پریشانی یہ تھی کہ ہر بات سوفی کی طرف جانکلتی تھی۔ آخر یہ سوفی کون تھی اور کہاں تھی اور میری زندگی میں کیوں داخل ہوگئی؟ اور پھر سوفی کے بارے ایک مکمل کتاب بھی تیار کرلی گئی۔ کیا یہ رنگ بائنڈر وہی کتاب تھی؟ سوفی اگر یہ رنگ بائنڈر پڑھ لے تو وہ خود اپنے بارے میں کیا سوچے گی؟ اب آگے کیا ہونے والا ہے۔ کتاب کے چند ہی اوراق باقی رہ گئے ہیں۔

گھر جاتے ہوئے سوفی کی اپنی ماں سے بس پر ہی ملاقات ہوگئی۔ سوفی کے ہاتھوں میں کتاب دیکھ کر ماں کیا سوچے گی۔ سوفی نے جلدی سے یہ کتاب اس تھیلے میں ڈال دی جس میں پارٹی کیلئے غبارے وغیرہ بھرے ہوئے تھے۔

''تم نے کوئی کتاب خریدی ہے؟'' ماں کی تجربہ کار نگاہوں سے یہ بات چھپ نہ سکی۔''

کتاب کا نام (Sophies's world) ہے۔''

اب کچھ چھپانا بے کار تھا۔ ''ہاں، یہ کتاب مجھے البرٹو نے دی ہے۔''

''میں اس سے ملاقات کیلئے سخت بے چین ہوں۔ لاؤ ذرا کتاب تو دکھاؤ۔'' ماں نے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ ''میں صرف سرورق دیکھ کر واپس کردوں گی۔'' کتاب ہاتھ میں لے کر اس نے پہلے صفحے پر نگاہ ڈالی۔ ''سوفی آمنڈسین اسکول سے واپس آرہی تھی۔ اس نے سفر کا پہلا حصہ جوانا کے ساتھ طے کرلیا تھا اور وہ روبوٹ کے بارے میں گفتگو کررہی تھیں۔'''' کیا یہ کتاب ٹھیک کہہ رہی ہے؟''

''ہاں! سب کچھ صحیح ہے۔ اس کتاب کا مصنف البرٹ کانگ نامی شخص ہے۔ یہ کوئی نیا مصنف معلوم ہوتا ہے۔''

البرٹو کا پورا نام کیا ہے؟'' ماں نے پوچھا۔

''البرٹو ناکس''۔ سوفی نے بے اختیار کہہ دیا۔

''تب یہ حیرت انگیز شخص وہی ہے اور اس نے تمہاری شخصیت پر ایک کتاب لکھ دی ہے۔ مصنف نے ایک فرضی نام استعمال کیا ہے۔'' ماں نے فیصلہ سنا دیا۔

''نہیں، یہ وہ نہیں ہے۔ آپ کو تو بس اپنی آنکھ کے آگے کچھ نظر ہی نہیں آتا۔'' سوفی جز بز ہوکر بولی۔

Marfat.com

''کل گارڈن پارٹی ہے۔ سب بچے کھل کر سامنے آجائے گا۔'' ماں نے بے اعتنائی سے کہا۔

چند لمحوں بعد دونوں گھر پہنچ گئیں۔ پوری دوپہر اور شام انہوں نے تیاریاں کرتے ہوئے گزاری بلکہ اگلے دن کی صبح تک لگی رہیں۔ جوانا بھی ان کی مدد کو آ گئی تھی۔

مہمانوں کی آمد سے آدھا گھنٹا قبل ہر چیز تیار تھی۔ میزوں پر چکن سلاد اور گھر کی بنی ہوئی روٹیاں سجی ہوئی تھیں۔ کچن میں کھیر اور کیک بن چکے تھے۔ پیسٹری اور چاکلیٹ کیک ان کے علاوہ تھے۔ عین درمیان میں سالگرہ کا کیک رکھا گیا تھا۔ غرض یہ کہ ہیلن آمونڈسن نے اچھا خاصا خرچ کر ڈالا تھا۔

مہمانوں کی آمد شروع ہوئی۔ سب سے پہلے سوفی کی کلاس کی لڑکیاں آئیں۔ ان کے بعد جرمی اور ڈیوڈ۔ اور پھر سلسلہ دراز ہوتا گیا۔ ہر شخص نے سالگرہ کے تحفے پیش کیئے۔ چونکہ یہ فلسفیانہ گارڈن پارٹی تھی لہٰذا ہر شخص متجسس تھا کہ یہاں کون سا فلسفیانہ انداز اپنایا گیا ہے۔ بعض افراد نے سر توڑ کوشش کی تھی کہ اپنے تحفے پر وہ کوئی فلسفیانہ جملہ تحریر کر دیں۔ سوفی کو ایک فلسفے کے موضوع پر مشتمل ڈکشنری موصول ہوئی۔ ایک ڈائری اور ایک گھڑی۔ گھڑی کے بکس پر لکھا ہوا تھا ''میرے اپنے فلسفیانہ خیالات''۔

''اب ہمیں ایک مہمان خصوصی مسٹر البرٹو کا انتظار ہے۔'' سوفی کی ماں کہہ رہی تھی۔ ''انہوں نے وعدہ کیا ہے اور وہ ضرور آئیں گے''۔ ہیلن آمونڈسین نے مہمانوں سے درخواست کی کہ وہ اپنی نشستوں پر تشریف رکھیں۔

انہیں نصف گھنٹے تک انتظار کرنا پڑا اور تب جا کر ایک ادھیڑ عمر شخص جس نے سیاہ ریچھ کی کھال کا کوٹ اور شتر مرغ کے پروں کی ٹوپی پہن رکھی تھی۔ اندر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھوں میں سرخ گلاب کا ایک شاندار گلدستہ تھا۔ ''میرا نام البرٹو ہے'' اس نے مہمانوں کے سامنے جھکتے ہوئے اپنا تعارف کرایا۔

سوفی تیزی سے آگے بڑھی اور اپنے بازو اس کی گردن میں حمائل کر دیئے۔ البرٹو نے آگ کے گولے اپنی جیب سے نکالے اور یکے بعد دیگرے انہیں پھاڑنا شروع کر دیا۔ میز کے پاس آ کر اس نے ایک شرارہ درمیان میں سجا دیا جو بڑی آب و تاب سے جھلمل جھلمل کرنے

Marfat.com

لگا۔ مہمانوں کا جائزہ لیتے ہوئے وہ سوفی اور اس کی ماں کے درمیان جا کھڑا ہوا۔

''یہاں آ کر مجھے بے حد خوشی محسوس ہو رہی ہے۔''

مہمانوں نے تالیاں بجائیں۔ ہیلن آمونڈسین نے دو گلاسوں کو آپس میں ٹکرایا اور اپنا بیان شروع کیا۔

''ہم اس گارڈن پارٹی میں مسٹر البرٹو ناکس کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ یہ مایۂ ناز شخص میری بیٹی سوفی کے فلسفے کے استاد ہیں۔ یہ ایک بہت ہی زبردست صلاحیتوں کے حامل فرد ہیں۔ یہ اگر چاہیں تو اپنے ہیٹ میں سے ایک خرگوش ابھی ابھی نکال کر دکھا سکتے ہیں۔ اور اگر آپ کی خواہش ہو تو کوا بھی نکال سکتے ہیں۔''

''شکریہ'' البرٹو نے نیاز مندی سے سر جھکا دیا اور ایک طرف بیٹھ گیا۔

خورونوش کا سلسلہ کافی دیر تک چلتا رہا۔ سوفی کی ماں ایک بار پھر مہمانوں سے خطاب کرنا شروع ہو گئی۔

''میں زیادہ لمبی تقریر نہیں کروں گی۔ لیکن میری ایک ہی بیٹی ہے اور صرف ایک ہفتہ قبل وہ پندرہ سال کی عمر کو پہنچی ہے۔ اس سالگرہ پر سوفی کو بڑے قیمتی تحفے ملے ہیں۔ ہم آپ لوگوں کے شکر گزار ہیں اور سوفی کی پندرہویں سالگرہ پر آپ لوگوں کو مبارک باد پیش کرتے ہیں۔''

مہمانوں نے گرم جوشی کا مظاہرہ کیا۔ مگر سوفی کو یوں لگ رہا تھا گویا یہ اس کی نہیں بلکہ اس کی ماں کی سالگرہ ہے۔ بہر حال جلد ہی سب لوگ جھاڑیوں میں جا کر اپنے اپنے مشغلے میں مصروف ہو گئے۔ صرف سوفی اور البرٹو اپنی جگہ پر موجود تھے۔ چند منٹوں بعد البرٹو نے آواز دی۔

''آپ سب لوگ براہ کرم اپنی اپنی جگہ واپس آ جائیں اور میری بات سنیں''۔ وہ کھڑا ہو گیا۔ ''چونکہ یہ ایک فلسفیانہ گارڈن پارٹی ہے، لہٰذا میں ایک فلسفیانہ تقریر ہی کرنا پسند کروں گا۔'' آپ لوگوں نے خوب خرمستیاں کر لیں۔ ایسی بڑی تقریبات میں ایسا ہی ہوتا ہے۔''

ٹھیک اسی وقت ایک دل لگی کرنے والا طیارہ نمودار ہوا اور باغ میں کافی نیچی پرواز کرنے لگا۔ اس کی دم میں ''پندرہویں سالگرہ مبارک ہو سوفی'' کا جھنڈا لگا ہوا تھا۔

''آپ لوگ دیکھ رہے ہیں''۔ مسز آمونڈسین کا چہرہ خوشی سے گلنار ہو رہا تھا۔ ''یہ شخص کس

Marfat.com

قدر باکمال ہے۔ یہ ایسے کئی اور کھیل دکھا سکتا ہے۔"

"آپ کا شکریہ"۔ البرٹو نے کہا۔" یہ تو ایک حقیر سا نمونہ تھا۔ گزشتہ چند ہفتوں کے دوران ہم نے بہت سی قابل قدر دریافت کی ہیں۔ میں اور سوفی آپ کے سامنے ایک نمونہ پیش کریں گے۔

مجمع میں ایک خاموشی سی چھا گئی۔ صرف چڑیوں کی چہچہاہٹ سنائی دے رہی تھی۔" ایک طویل اور گمبھیر فلسفیانہ مطالعے کے بعد ہم نے یہ دریافت کیا ہے کہ ہم اپنی زندگی ایک میجر کے سحر میں رہ کر گزار رہے ہیں۔ یہ میجر اقوام متحدہ کے نمائندے کی حیثیت سے لبنان میں تعینات ہے۔ اس نے اپنی بیٹی کو بطور تحفہ دینے کیلئے ہم پر ایک کتاب بھی لکھ دی ہے۔ اس کی بیٹی للّی سینڈ میں رہ رہی ہے۔ اس کا نام ہلڈی مولر کانگ ہے اور سوفی کی بالکل ہم عمر ہے۔ یہ کتاب ہلڈی کو ٹھیک اس دن ملی جب اس کی پندرہویں سالگرہ تھی۔ یہ کتاب ایک رنگ بائنڈر میں محفوظ ہے۔ یہ رنگ بائنڈر ایک جادوئی چیز ہے۔ میں جو کچھ بول رہا ہوں، یہ سب کچھ خود بخود رنگ بائنڈر کے آخری صفحات پر نمودار ہو جاتے ہیں اور ہلڈی کو سب کچھ معلوم ہو جاتا ہے"۔

ایک سنسنی خیز احساس ہر ایک کے دل میں جاگنے لگا۔

"ہم سب یہاں دراصل ہلڈی مولر کانگ کی سالگرہ پر اکھٹے ہوئے ہیں۔ یہ سب کچھ میجر کا کارنامہ ہے جس نے ایک کھیل کھیلا ہے اور ہم سب فقط کٹھ پتلی کی طرح اس کے حکم پر ناچ رہے ہیں۔ ایک ثبوت یہ ہے کہ باہر بڑے دروازے پر جو مرسیڈیز کار کھڑی ہے، اس کی قیمت ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے۔ یہ محض نظروں کا دھوکا ہے۔ میجر یہیں کہیں درختوں کے جھنڈ میں چھپا بیٹھا ہوگا۔ لبنان میں آج کل سخت گرمی پڑ رہی ہے۔"

"یہ سب محض بکواس اور خیالی باتیں ہیں"۔ مشیر مالیات چلایا۔

"ہر شخص اپنی رائے کا اظہار کرنے میں آزاد ہے۔" البرٹو نے اپنی تقریر جاری رکھی۔" حقیقت یہ ہے کہ یہ گارڈن پارٹی محض ایک دکھلاوا ہے۔ اس دعوت کا اصل ماحصل صرف یہی تقریر ہے۔"

مشیر مالیات سیخ پا ہو گیا۔" ہم یہاں ایک خوشگوار وقت گزارنے کیلئے جمع ہوئے ہیں۔ مگر یہ ہرفن مولا قسم کا فلسفہ دان ہمارے رنگ میں بھنگ ڈالنے کی کوشش کر رہا ہے۔"

Marfat.com

البرٹو نے گردن خم کردی۔ ''اس قسم کے فلسفیانہ محفلوں کا کوئی بیمہ نہیں ہوا کرتا۔ اس وقت ہم ایک غیر فطری قسم کی گفتگو کررہے ہیں۔ مگر جہاں تک آپ کی معلومات کا تعلق ہے۔ یہاں کسی چیز کا بیمہ نہیں ہے۔''

''مگر یہ ساری آفت آپ نے برپا کی ہے۔ اس قسم کی گفتگو کرنے کی کیا ضرورت ہے؟''

''یہ کوئی نمائشی مصیبت نہیں ہے۔ ذرا درختوں اور جھاڑیوں کے درمیان نظر ڈالیے، آپ بھی میری بات سے اتفاق کریں گے۔ بہت سی باتوں کا کوئی بیمہ نہیں ہوتا۔ کیا آپ سورج کو نکلنے سے روک سکتے ہیں؟''

''لیکن کیا ہم اس ماحول سے لطف اندوز ہوسکتے ہیں؟'' جوانا کے والد نے اپنی بیوی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اس نے اپنی گردن نفی میں ہلا دی اور ایسا ہی سوفی کی ماں نے بھی کیا۔

نوجوان افراد البرٹو کو گھور رہے تھے۔ ''ہمیں کچھ اور بھی بتایئے۔ ہم اور بھی بہت کچھ سننا چاہتے ہیں۔'' نوجوانوں کا مطالبہ تھا۔

''آپ کا شکریہ۔ مگر اب باتیں کرنے کا زیادہ موقع نہیں ہے۔ جب آپ کو یہ معلوم ہوجائے کہ آپ کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور آپ محض ایک شخص کے لاشعور میں پرورش پانے والی کسی تحریک کا حصہ ہیں، تو میرے خیال میں یہی بہتر ہے کہ خاموشی سے اپنا کردار انجام دیتے رہیں۔ لیکن میں آپ کو ایک نیک مشورہ دوں گا، اور وہ یہ کہ فلسفے کا تھوڑا بہت علم حاصل کرلیں۔ اس کے بڑے فائدے ہوں گے اور آپ گزشتہ نسل کا نقطۂ نظر جان سکیں گے۔ میں نے سوفی کو کافی کچھ سکھایا ہے اور اب وہ بے حد سمجھ دار ہوگئی ہے۔ ہیگل کہتا ہے کہ منفی سوچ زیادہ نقصان دہ ہے۔''

مشیر مالیات ابھی تک کھڑا ہوا تھا اور مسلسل اپنی انگلیوں سے میز پر تھاپ دے رہا تھا۔

''یہ شورش پیدا کرنے والے صاحب نوجوانوں کو بغاوت کیلئے بھڑکا رہے ہیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ یہی نوجوان ہماری قوم اور مستقبل کا سرمایہ ہیں۔ اس شخص کو فوراً یہاں سے نکال دینا چاہیئے ورنہ میں کوئی سخت قدم اٹھانے پر مجبور ہوجاؤں گا۔ بہرحال، میں اپنی بات جاری رکھنا چاہتا ہوں۔ ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ آپ لوگ محض ایک کٹھ پتلی کی حیثیت رکھتے

Marfat.com

ہیں۔ میں اور سوفی اس محفل سے اب جانے والے ہیں۔ کیونکہ ابھی کچھ اور فلسفیانہ معلومات حاصل کرنا باقی رہ گئی ہیں۔ وقت آنے پر ہم یہ عمل کر کے دکھائیں گے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہم میجر کی اس تقریب کو نامنظور کرتے ہیں۔"

ہیلن آموڈسین نے اپنی بیٹی کو اپنے بازوؤں کے حلقے میں جکڑ لیا۔ "تم کہیں بھی نہیں جارہی ہو سوفی۔"

سوفی نے بھی ماں کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ اس نے اداس نگاہوں سے البرٹو کی طرف دیکھا اور رندھی ہوئی آواز میں کہنا شروع کیا۔

"ماں بے حد پریشان اور غمگین ہو رہی ہیں....."

"یہ نامعقولیت کی دلیل ہے۔ جو کچھ تم نے سیکھا ہے، اسے مت بھولو۔ ایسی بیہودہ باتوں سے ہمیں اپنی سوچ کو آزاد کرنا ہوگا۔ تمہاری ماں ایک مہربان اور خوش خلق خاتون ہیں۔ ایک نہ ایک دن تمہیں ان سے جدا ہونا ہی ہے۔ انہیں چاہیئے کہ وہ اپنے آپ کو اس وقت کے لیے تیار رکھیں۔"

"میں آپ کی باتیں بخوبی سمجھ رہی ہوں۔" سوفی کے چہرے پر مسکراہٹ پیدا ہوئی۔ "ماں! اداس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں گووندا کو تمہارے پاس چھوڑ جاؤں گی۔ اس کا خیال رکھنا۔"

"اچھا اچھا، جانے سے قبل مجھے ایک کپ کافی پلا دو۔" ماں نے خوش دلی سے کہا۔

"ابھی لائی"۔ سوفی نے تھرموس اٹھایا اور کچن کی جانب چل دی۔ اس کا ارادہ تھا کہ کافی ذرا زیادہ بنالے گی تاکہ کوئی اور بھی اگر چاہے تو پی سکے۔ اس نے چڑیوں اور مچھلیوں کو دانہ ڈالا اور گووندا کیلئے بھی ایک مسالہ دار پتہ اٹھایا مگر بلی کہیں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

جب وہ کافی لے کر واپس آئی تو اسے محسوس ہوا کہ یہ تقریب کسی نوجوان لڑکی کے لیے نہیں بلکہ چھوٹے چھوٹے بچوں کیلئے سجائی گئی ہے۔ سوڈے کی بوتلیں میز پر بکھری پڑی تھیں۔ چاکلیٹ کیک اِدھر اُدھر پھیلے ہوئے تھے اور کھانے پینے کی ہر شے دل کھول کر ضائع کی گئی تھی۔ سوفی کو دیکھتے ہی ایک لڑکے نے پٹاخا چھوڑا جس کے شرارے کئی افراد پر جا کر گرے۔ مسز انبگر جسٹن کی پتلون جل گئی مگر انہوں نے کچھ نہ کہا۔ جوانا نے ایک بڑا سا کیک اٹھا کر جرمی کے

Marfat.com

چہرے پر مل دیا۔

سوفی کی ماں اور البرٹو ایک کونے میں تنہا بیٹھے تھے۔ دونوں نے سوفی کو دیکھ کر ہاتھ ہوا میں لہرایا۔

''تو آپ دونوں کو خفیہ گفتگو کا موقع میسر آ ہی گیا۔'' سوفی نے شوخی سے کہا۔

''تم ٹھیک کہہ رہی تھیں۔'' ماں نے کہا۔ ''البرٹو ایک نہایت دلچسپ آدمی ہے۔ مجھے بے حد خوشی ہے کہ تمہیں اس جیسا آدمی مل گیا ہے۔''

سوفی دونوں کے درمیان بیٹھ گئی۔

دو لڑکے چھت پر چڑھ گئے۔ ایک لڑکی نے غبارے جمع کرنے شروع کر دیئے۔ اور تب اچانک ایک انجانا مہمان موٹر سائیکل پر سوار وہاں آ گیا جس کے عقب میں مشروبات کی بوتلوں کا ایک کریٹ رکھا ہوا تھا۔ لوگوں نے اس کا خوش دلی سے استقبال کیا۔

اس موقع پر مشیر مالیات اٹھ کھڑا ہوا اور تالیاں بجاتے ہوئے بولا۔ ''آؤ! ایک کھیل کھیلتے ہیں۔'' اس نے ایک بوتل اٹھائی اور غٹا غٹ پی گیا۔ خالی بوتل اس نے زمین پر رکھی، میز پر سے چند گول حلقے جو انگوٹھی نما تھے، اُٹھائی اور ان کو ایک گردش دے کر اس طرح پھینکنے لگا کہ وہ ٹھیک بوتل کی گردن میں جا کر گرے۔

''دلچسپ''۔ البرٹو نے تبصرہ کیا۔ ''قبل اس کے کہ میجر یہاں نازل ہو جائے اور ہلڈی کو رنگ بائنڈر بند کرنا پڑے، ہمیں یہاں سے چل دینا چاہئے''۔

''ماں! آپ کو اب تنہائی برداشت کرنی پڑے گی۔''

''کوئی بات نہیں میری بچی! شاید البرٹو تمہیں ایک بہتر زندگی مہیا کر سکے۔ اگر ایسا ہوا تو میرا دل مطمئن رہے گا۔ اب یہ مت کہنا کہ اس کے پاس کوئی جادو کا گھوڑا بھی ہے جس پر بیٹھا کر وہ تمہیں لے جائیگا۔''

سوفی کی نگاہیں خلا میں گھورنے لگیں۔ ہر طرف مرغیوں کی ہڈیاں، بوتلیں اور مختلف چیزیں اسے بکھری ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ ''یہ میرا باغ عدن ہے۔'' اس نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

''اب تمہیں یہ باغ عدن چھوڑنا ہوگا۔'' البرٹو بے ساختہ بول اٹھا۔

سفید مرسیڈیز میں ایک نوجوان لڑکا بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے چابی گھمائی اور کار تیزی سے

Marfat.com

باغ کا دروازہ عبور کر گئی۔ سوفی کو اپنے کاندھوں پر ایک دباؤ محسوس ہوا اور تب اس نے البرٹو کی آواز سنی۔

''اب کیا ہوگا؟''

مرسیڈیز سیب کے درخت سے ٹکرائی اور خوشنما پھل گاڑی کے اوپر برسنے لگے اور گاڑی خلا میں پرواز کرنے لگی۔

ہیلن آمونڈسین نے اپنے ہوش وحواس کو مجتمع کیا، میز کی طرف بڑھی اور فلسفیانہ گارڈن پارٹی کے باقیات سمیٹنے لگی۔

''کسی کو کافی چاہیئے؟'' وہ تھرموس لیکر انتظار کرتی رہی یہ شاید کوئی اسے پکارے۔ مگر وہاں اب گمبھیر سناٹے کے علاوہ کچھ نہ تھا۔

Marfat.com

آخری گیت

ہلڈی بستر پر بیٹھ کر نہ جانے کیا سوچتی رہی۔ سوفی اور البرٹو کی کہانی ختم ہو چکی تھی۔ مگر بالآخر انجام کیا ہوا؟ یہ آخری باب اس کے باپ نے کیوں لکھا تھا؟ کیا وہ صرف اپنی قابلیت کا اظہار کرنا چاہتا تھا اور وہ بتانا چاہتا تھا کہ "کافروں کی دنیا" کے بارے میں وہ کتنا کچھ جانتا ہے؟

سوچ و بچار میں غرق۔ اس نے ایک غسل کیا اور کپڑے بدل کر ناشتہ کیا اور باغ میں جا کر ایک جھولے میں بیٹھ گئی۔ وہ البرٹو کی اس بات سے متفق تھی کہ اس گارڈن پارٹی میں جو اصل کام کی بات تھی، وہ صرف اس کی تقریر تھی۔ شاید اس کے باپ نے سوچا ہو کہ ہلڈی کی زندگی سخت انتشار کا شکار ہے، یا اس کی زندگی بالآخر ناکامیوں سے دوچار ہو جائے گی؟

سوفی اور البرٹو کا خفیہ منصوبہ کیا تھا؟ کیا یہ کہانی اب ہلڈی کو آگے بڑھانی پڑے گی؟ مزید یہ کہ آخر وہ لوگ کہاں چلے گئے؟ ایک خیال اس کے ذہن میں آیا۔ اگر البرٹو اور سوفی بزدلوں کی طرح جان چھڑا کر بھاگ لیے تھے تو پھر رنگ بائنڈر میں کیا باقی بچا ہوگا۔ اب جو کچھ بھی ہوگا وہ صرف اس کے باپ کے متعلق ہو سکتا ہے۔ ہلڈی نے فیصلہ کیا کہ پوری کہانی کو دوبارہ پڑھے گی۔ ممکن ہے کہ کوئی بات اس کی سمجھ میں نہ آئی ہو۔

سفید گاڑی جیسے ہی باغ میں داخل ہوئی۔ البرٹو نے سوفی کو کھینچا اور اسے لے کر غار میں داخل ہو گیا اور پھر دونوں جنگل سے ہوتے ہوئے میجر کے کیبن کی طرف دوڑے۔

"ذرا اور تیز۔ اب جو کچھ ہونے والا ہے۔ اس سے پہلے ہمیں کیبن میں پہنچ جانا چاہیے۔"

"کیا ہم اب میجر کی پہنچ سے آزاد ہیں؟" سوفی نے پوچھا۔

"اس وقت ہم سرحدی مقام پر ہیں۔" وہ دونوں ندی میں داخل ہوئے اور کیبن میں گھس گئے۔

Marfat.com

البرٹو نے فرش میں ایک خفیہ دروازہ کھولا۔ سوفی کو اندر دھکا دیا اور ہر شے تاریکی میں ڈوب گئی۔

ہلڈی اب اپنے منصوبے پر کام کر رہی تھی۔ اس نے کوپن ہیگن میں اپنی کیمسٹری کی کئی خط لکھے اور کئی بار فون کیا۔ اس نے کئی دوستوں اور جاننے والوں سے یہاں تک کہ اپنے اسکول کی ہم جماعتوں سے رابطہ کیا۔ ''کافروں کی دنیا'' کا دوبارہ مطالعہ کیا تا کہ کوئی بات اس کے ذہن میں رہ گئی ہو تو وہ صاف ہو جائے۔ یہ کہانی اس قدر آسان نہ تھی کہ ایک ہی بار پڑھنے سے ہر چیز ذہن نشین ہو جائے۔ سوفی اور البرٹو کے گارڈن پارٹی سے چلے آنے کے بعد ان کے ساتھ کیا ہوا، یہ بات مسلسل اس کے ذہن میں ٹھونگیں مار رہی تھی۔

جون کی تئیس 23 تاریخ کو صبح نو بجے وہ جاگی۔ اسے یہ معلوم تھا کہ اس کے باپ نے لبنان چھوڑ دیا ہے۔ اب صرف اس کی آمد کا انتظار ہے اور پھر شاید کوئی تفصیل سامنے آئے۔ اس دوران اس نے اپنی ماں کے ساتھ مل کر موسم بہار کی تقریب میں ہاتھ بٹایا، مگر سوفی کا خیال مسلسل آتا رہا۔ مگر ابھی کافی کام باقی تھا۔

سوفی اور البرٹو نے اپنے آپ کو دو بہت اونچی عمارتوں کے درمیان کھڑا پایا۔ ان عمارتوں میں شاید صفائی کا ٹھیک انتظام نہیں تھا۔ کافی بدبو آ رہی تھی اور جگہ جگہ پانی کھڑا تھا۔ ایک عمارت میں سے ایک نوجوان جوڑا باہر نکل رہا تھا۔ مرد کے ہاتھ میں ایک خاکی بریف کیس تھا اور لڑکی نے ایک سرخ ہینڈ بیگ اپنے شانوں پر لٹکا رکھا تھا۔ دوسری طرف ایک کار تیزی سے گزر گئی۔

''ہم کہاں کھڑے ہیں؟'' سوفی نے تعجب سے پوچھا۔

''یہ اوسلو ہے''۔ البرٹو نے جواب دیا۔ ''یہ داہنی جانب والی عمارت'' جانیونوف'' کہلاتی ہے جس کا مطلب ہے ''جدید محل'' اور دوسری طرف یونیورسٹی کی درس گاہ ہے۔ یہاں علم معرفت کی تعلیم دی جاتی ہے۔ یہاں ایک حصے میں سائنس پڑھائی جاتی ہے اور سب سے اوپر والے کمروں میں ادب اور فلسفہ۔''

''کیا ہم ہلڈی کی کتاب اور میجر کے دماغی حدود سے باہر نکل آئے ہیں؟'' سوفی نے دریافت کیا۔

''ہاں۔ اب وہ ہمیں تلاش نہیں کر سکیں گے۔'' البرٹو بولا۔

''لیکن ہم اس وقت کہاں تھے جب ہم جنگل میں دوڑ رہے تھے؟''

Marfat.com

''اس وقت میجر مشیر مالیات کی کار کوتوڑنے پھوڑنے میں مصروف تھا، سیب کے درخت کے ذریعہ اور ہمیں موقع مل گیا کہ ہم غار میں چھپ جائیں۔ اس وقت ہم خطرناک حالت میں تھے۔ نئی دنیا میں ہم قابل قبول نہیں تھے۔ بعض باتیں میجر کی عقل سے بالا تھیں۔'' البرٹو نے سمجھانے کی کوشش کی۔ ''میجر ہمیں اتنی آسانی سے نہیں جانے دیتا۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ اس وقت وہ کہیں اور کھویا ہوا تھا۔''

''کیا مطلب ہے آپ کا؟'' سوفی غصے میں آ گئی۔

''سفید مرسیڈیز کو وہی چلا رہا تھا لیکن اس کی نگاہیں ہم پر نہیں پڑ سکیں۔ شاید اس وقت وہ دنیا جہاں سے بیگانہ ہو کر کسی اور خیال میں کھویا ہوا تھا۔''

اس درمیان وہ نوجوان جوڑا تھوڑا سا آگے نکل گیا تھا۔ سوفی کو اپنے ساتھ ایک ادھیڑ عمر بلکہ بوڑھے شخص کو دیکھ کر کراہت سی محسوس ہوئی۔ اس کے علاوہ وہ کسی اور سے البرٹو کی بات کی تصدیق چاہتی تھی۔ وہ تیزی سے چلتی ہوئی ان کے پاس پہنچ گئی۔

''معاف کیجئے گا، کیا آپ بتائیں گے کہ اس سڑک کا نام کیا ہے؟''

مگر انہوں نے سوفی کو یکسر نظر انداز کر دیا۔

سوفی نے بے تابی سے دوبارہ سوال کیا۔ ''اخلاقی طور پر آپ کو میرے سوال کا جواب دینا چاہیئے۔''

نوجوان شخص لڑکی کو کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''نزاعی باتوں کے دو منبع ہیں۔ افقی یا عمودی یا پھر ہم آہنگ۔ ہر چیز کے ہمیشہ دو رخ ہوتے ہیں۔ یہ دونوں انداز آپس میں اس طرح گھل مل جاتے ہیں کہ ان میں فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔''

سوفی نے ایک بار پھر دخل انداز ہونے کی کوشش کی۔ ''کوئی ہم سے کچھ کہہ رہا ہے''۔ لڑکی کو اچانک احساس ہوا۔

البرٹو نے سوفی کو دوڑ کر جا لیا۔ ''وہ میری بات ہی نہیں سن رہے ہیں''۔ سوفی نے دل گرفتہ لہجے میں البرٹو سے شکایت کی۔ اور اچانک ہی اس کا دل و دماغ ہلڈی کے ہار کی جانب مڑ گیا۔

''یہ ہے وہ قیمت جو ہمیں ادا کرنی پڑ رہی ہے۔ اگرچہ ہم کتاب میں اب موجود نہیں ہیں، لہٰذا ہمیں یہ امید نہیں رکھنی چاہیئے کہ مصنف کی نظر ہم پر پڑے گی۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اب ہم ایک نئی جگہ پر آ گئے ہیں۔ یہاں آ کر ہماری عمر ایک جگہ ٹھہر گئی ہے۔ اب ہم اس وقت

Marfat.com

سے ایک لمحہ بھی آگے نہیں بڑھ سکیں گے جو عمر ہماری گارڈن پارٹی میں تھی۔'' البرٹو نہ جانے کیا کیا کہہ رہا تھا۔ سوفی کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آ رہی تھی۔

''گویا اب ہم کسی سے کوئی رابطہ نہیں رکھ سکیں گے؟''

''ایک اصلی فلسفی، 'نہیں' کو کبھی نہیں مانتا۔ ابھی کیا وقت ہوا ہے؟''

''آٹھ بج رہے ہیں۔''

''یہ وہی وقت ہے جب ہم کیپٹن کے چنگل سے آزاد ہوئے تھے۔ آج کے دن ہلڈی کا باپ لبنان سے واپس آیا تھا۔'' البرٹو نے بتایا۔

شاید آپ کو اس بات کی بے چینی ہے کہ میجر کے جرکیلی پہنچنے کے بعد کیا ہوگا؟'' سوفی نے پوچھا۔

''یقیناً۔ اب جلدی کرو اور میرے ساتھ ساتھ آؤ۔'' ان دونوں نے شہر کی جانب تیزی سے قدم بڑھا دیئے۔ مگر دونوں کچھ اس طرح چل رہے تھے گویا وہ کسی کو دکھائی نہ دے رہے ہوں۔ سڑک کی دو جانب کاریں پارک کی ہوئی تھیں۔ البرٹو ایک سرخ رنگ کی کنورٹیبل کے پاس جا کھڑا ہوا۔

''یہ کار ہمارے کام کی ہے لیکن ذرا یہ اطمینان کر لوں کہ یہ ہماری ہی کار ہے۔'' تم حیرت میں مبتلا ہو گئیں۔ آؤ! میں ذرا وضاحت کر دوں۔ ''ہم یہاں سے کوئی بھی عام کار اٹھا سکتے ہیں، مگر ذرا سوچو، کیا لوگ حیرت زدہ نہ رہ جائیں گے کہ یہ کار بغیر ڈرائیور کے چل رہی ہے۔؟''

''تو پھر یہ کنورٹیبل کار کیا اپنی طرف متوجہ نہیں کرے گی؟''

''یہ کار ایک بہت پرانی فلم میں دکھائی گئی ہے۔ یہ ایسی کار ہے جو صفحۂ ہستی سے غائب ہو چکی ہے۔ یہ بھی ہم جیسی بن گئی ہے۔ لوگ بس یہی دیکھ سکیں گے کہ یہاں ایک جگہ خالی ہے۔ ہمیں اب ذرا انتظار کرنا ہوگا اور پھر ہم آگے چل پڑیں گے۔''

وہ کار کے قریب چند لمحے کھڑے رہے۔ ایک لڑکا سائیکل پر سوار وہاں سے گزرا اور خالی جگہ دیکھ کو چونک اٹھا۔ ''میں اپنے بھائی سے کہوں گا کہ وہ اپنی کار یہاں پارک کر دے۔'' اور وہ تیزی سے آگے بڑھ گیا۔

البرٹو نے دوسری طرف کا دروازہ کھولا۔ ''آج میری مہمان بن جاؤ۔'' اور سوفی جلدی سے اندر بیٹھ گئی۔ چابی کار میں موجود تھی۔ وہ لوگ شہر کے جنوب کی طرف چلتے گئے اور مختلف جگہوں سے گزرتے ہوئے لٹی سینڈ پہنچ گئے۔ یہاں بے شمار لوگ موسم بہار کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔

Marfat.com

"ہم بڑے موقع پر پہنچے۔اب موسم بہار کے جشن کی تیاریاں مکمل ہیں اور چند ہی لمحوں بعد یہاں جشن کا سماں ہوگا۔" البرٹو خوشی سے جھوم اٹھا۔"ہوا کا ایسا لطیف جھونکا چل رہا ہے کہ میں مدہوش ہوئی جارہی ہوں۔شاید یہ کھلی ہوئی کار بھی ایسے موسم کا لطف اٹھا رہی ہوگی۔" سوفی نے نشے کے عالم میں کہا۔

"مگر یہ سب مزا صرف ہم جیسے لوگوں کے لیے ہے۔یعنی جو کسی کو نظر نہیں آرہے ہیں۔ اور آج ہماری ملاقات اپنے ہی جیسے چند لوگوں سے ہوگی۔" البرٹو نے بتایا۔"مگر اب ہمیں ذرا جلدی کرنی پڑے گی۔"

وہ گندم کے ایک کھیت میں اتر گئے۔

میجر البرٹ کانگ ابھی ابھی کاسٹرپ ائیر پورٹ پر اترا تھا۔یہ ایئر پورٹ کوپن ہیگن کے باہر تھا۔آج جون کی تیئس 23 تاریخ تھی۔سنیچر کا دن تھا اور دن کے ساڑھے چار بج رہے تھے۔یہ جہاز روم سے آیا تھا۔

اقوام متحدہ کی وردی میں ملبوس اس کا پاسپورٹ دیکھا گیا۔اس کے پاس ایک مختصر سا سفری بیگ تھا اور اس میں اس کی چند قیمتی اشیاء رکھی ہوئی تھیں۔"کوئی قابل اعتراض چیز نہیں ہے" اس نے کسٹم کے نمائندوں کو بتایا۔کرسٹین سینڈ کے جہاز کے لیے اسے یہاں تین گھنٹے انتظار کرنا پڑا۔اس دوران اس نے یہاں سے چند تحائف خریدے۔ہلڈی کو وہ ایک قیمتی تحفہ دو ہفتہ قبل ہی بھیج چکا تھا اور اس کی بیوی میرٹ نے یہ تحفہ چھپا کر رکھ دیا تھا تاکہ عین اس کی سالگرہ کے دن اس کے حوالے کرے۔

البرٹ اپنے ساتھ ناروے کے چند اخبارات کا پلندہ بھی لے کر آیا تھا۔بار میں بیٹھ کر اس نے کافی کا آرڈر دیا۔اس کے پاس زیادہ وقت نہیں تھا چنانچہ صرف چند سرخیاں ہی دیکھ سکا۔اور پھر لاؤڈ اسپیکر پر اعلان ہوا۔"البرٹو کانگ کو خاص طور پر اطلاع دی جاتی ہے کہ وہ فوراً ہنگامی ڈیسک پر آجائیں۔"

"اب کیا ہوا؟" اسے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔شاید اسے دوبارہ واپس لبنان جانے کا حکم سنایا جانے والا تھا۔کیا اس سے کوئی غلطی ہوگئی تھی؟

وہ تیزی سے مطلوبہ جگہ پہنچا اور اپنا تعارف کرایا۔

"آپ کے لیے ایک لفافہ موجود ہے اور بے حد ارجنٹ ہے۔"

اس نے بے تابی سے لفافہ کھولا۔اندر ایک اور چھوٹا سا لفافہ تھا جو میجر البرٹ کانگ معرفت ایس اے ایس انفارمیشن۔کاسٹرپ ائیر پورٹ۔کوپن ہیگن کے نام تھا۔البرٹ نے

Marfat.com

دوسرا لفافہ بھی کھولا۔اس میں ایک مختصر سا رقعہ موجود تھا۔

''ڈیئر ڈیڈ! لبنان سے واپس گھر آنا مبارک ہو۔ مجھے آپ سے اس قدر شدید محبت ہے کہ میں گھر آنے سے قبل ہی آپ سے ملنے کیلئے بے چین ہوں۔لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے آپ کو یہاں بلانے کی معافی چاہتی ہوں مگر یہی سب سے آسان راستہ تھا۔

ضروری وضاحت

مشیر مالیات انکمبر ٹسن کی جانب سے ایک تباہ شدہ مرسیڈیز کا ہرجانہ وصول کرنے کا نوٹس آیا ہوا ہے۔آپ جب گھر میں داخل ہوں گے تو میں باہر ہی باغ میں آپ کا انتظار کر رہی ہوں گی اور آپ کو دور ہی سے میری آواز سنائی دے جائے گی۔

مزید ضروری وضاحت

میں باغ میں زیادہ دیر تک انتظار نہیں کر سکتی، لہٰذا کہیں اور جا کر بیٹھ جاؤں گی۔

ہلڈی کی طرف سے بہت بہت پیار جو آپ کا انتہائی بے چینی سے انتظار کر رہی ہے۔

وہ دیوار سے کرسی لگا کر بیٹھ گیا اور گہری گہری سانسیں لینے لگا۔شاپنگ بیگ کو اس نے اپنے قدموں کے ساتھ رکھ لیا اور اپنی آنکھیں سامنے کی طرف مرکوز کر دیں، ایک ایسے ننھے منے بچے کی طرح جسے کسی ویرانے میں تنہا چھوڑ دیا گیا ہو۔اگر ہلڈی یہاں موجود ہے تو وہ یقیناً مجھے جلد ہی تلاش کر لے گی۔ وہ ہر آہٹ پر چونک پڑتا اور جب بالآخر جہاز پر سوار ہونے کا اعلان ہوا تو اس نے اطمینان کی گہری سانس لی۔

سوفی اور البرٹو بریوک سے گزر چکے تھے اور اب کراگیسٹو کی طرف بڑھ رہے تھے۔

''ہم لوگ بڑی تیزی سے آگے جا رہے ہیں۔'' سوفی نے کہا۔

''اس وقت نو بج رہے ہیں اور وہ اب کیوک میں اترنے والا ہوگا۔مزید یہ کہ ہم اپنی رفتار پر قابو نہیں پا سکتے۔'' البرٹو نے اطلاع دی۔''اچھا اب میں تمہیں ایک کہانی سناتا ہوں۔ایک شخص کو جنوں اور بھوتوں پر اعتقاد نہیں تھا۔ایک بار جب وہ جنگل میں کام کر رہا تھا تو ایک بھوت اس کے سامنے آ گیا۔ وہ چند لمحے ایک ساتھ سیر کرتے رہے۔تھوڑی دیر بعد وہ آدمی بھوت سے مخاطب ہوا۔''اب مجھے یقین آ گیا ہے کہ اس دنیا میں بھوتوں کا وجود ہے، مگر ہماری طرح تم

Marfat.com

اس دنیا کے باشندے نہیں ہو۔'' اس بات سے تمہارا مطلب کیا ہے'' بھوت نے پوچھا، آدمی نے جواب دیا۔ ''جب ہم ایک بڑے پتھر کے قریب سے گزرے تو میں اس کے اردگرد سے گزر کر آگے بڑھا مگر تم نے اس کے اوپر سے ایک چھلانگ ماردی۔ اور جب ہم اس لکڑی کے گٹھے کے پاس آئے جو راستے مین پڑا ہوا تھا تو میں اس پر چڑھ گیا مگر تم اس کے اندر گھس کر باہر نکل آئے۔''

بھوت نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔ ''کیا تم نے یہ نہیں دیکھا کہ ہم دلدل میں سے گزر کر آئے ہیں۔ ہم دونوں بے خوف وخطر دھند میں چلتے آرہے ہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم دونوں دھند اور کہر سے زیادہ طاقتور ہیں۔''

''ہمارے ساتھ بھی یہی ہو رہا ہے سوفی، روح لوہے کی دیوار کو بھی پار کر جاتی ہے اور کوئی بم بھی اس کو نہیں مار سکتا۔ اب ہم ایک نہر سے گزریں گے۔ میجر کے کیبن سے یہ ایک گھنٹے کا سفر ہے۔ اتنی دیر میں میں ذرا کافی کا ایک کپ پی لوں۔''

جب وہ لوگ فیان کے قریب سے گزرے تو ان کی نظر ایک کیفے ٹیریا پر پڑی۔ اس کیفے کا نام ''سنڈریلا'' تھا۔ البرٹو نے کار لہرائی اور باہر گھاس پر پارک کردی۔ اندر جا کر سوفی نے کولر میں سے کوک کی بوتل نکالنی چاہی مگر کولر کھل نہ سکا۔ شاید یہ اپنی جگہ پر جم گیا تھا۔ کاؤنٹر پر البرٹو ایک پیپر کپ میں کافی انڈیلنے کی کوشش کر رہا تھا مگر وہ بھی بٹن کو دبا نہیں پا رہا تھا۔

وہ پاگل سا ہو گیا اور اس نے کیفے ٹیریا کے ہر شخص کو جھنجھوڑ ڈالا کہ وہ اس کی مدد کریں، مگر کوئی شخص اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوا۔ البرٹو نے ایسی زور کی چیخ ماری کہ سوفی کے کان کے پردے پھٹ گئے۔ ''مجھے تھوڑی سی کافی چاہیئے۔'' اس کی آواز بس گونج کر رہ گئی اور تب البرٹو بے ساختہ ہنسنے لگا۔

وہ اب واپس ہونے کو ہی تھے کہ اچانک ایک ضعیف عورت اپنی کرسی سے اٹھی اور ان کی طرف بڑھی۔ اس نے ایک شوخ سرخ اسکرٹ پہن رکھا تھا اور ایک سفید پٹی اس کی پیشانی پر لپٹی ہوئی تھی۔ وہ البرٹو سے مخاطب ہوئی۔ ''میرے بچے! تم کیوں شور مچا رہے ہو؟''

''معاف کیجئے گا۔'' البرٹو ہکلا کر رہ گیا۔

''تمہیں کافی چاہیئے؟ میرے ساتھ آؤ، میں قریب ہی رہتی ہوں۔'' بوڑھی عورت نے کہا۔

وہ دونوں اس کے ہمراہ چل پڑے۔ چلتے چلتے خاتون نے پوچھا۔ ''اس علاقے میں تم اجنبی لگتے ہو؟''

Marfat.com

''جی ہاں۔'' البرٹو نے تسلیم کیا۔

''تو پھر اس دوامی زندگی میں میں تمہیں خوش آمدید کہتی ہوں۔''

''اور آپ کون ہیں؟'' البرٹو نے پوچھا۔

''میں پریوں کی کہانی کا ایک کردار ہوں۔ گرم (Grimm) نے یہ کہانیاں دو سو سال قبل لکھی تھیں۔ اچھا یہ بتاؤ، تمہارا تعلق کہاں سے ہے؟'' ضعیف العمر پری نے دریافت کیا۔

''ہم لوگوں کا تعلق فلسفے کی دنیا سے ہے۔ میں فلسفے کا استاد ہوں اور یہ لڑکی میری شاگرد ہے۔ سوفی اس کا نام ہے۔'' البرٹو نے بتایا۔

''بہت خوب۔ یہ ایک نئی خبر ہے۔''

جب وہ لوگ درختوں کے جھنڈ سے نکل آئے تو سامنے ایک آبادی نظر آئی جہاں خاکی رنگ کے چھوٹے چھوٹے خوبصورت مکانات بنے ہوئے تھے۔ موسم بہار کا جھنڈا بڑی آن بان سے وہاں لہرا رہا تھا اور جھنڈے کے گرد کئی افراد ناچ گا رہے تھے۔ سب نے خوب شوخ و شنگ کپڑے پہن رکھے تھے۔

سوفی نے ان میں سے کئی لوگوں کو پہچان لیا۔ وہاں سنو وہائٹ بھی موجود تھا اور اس کے ساتھ سات پستہ قد چیلے، میری پوپنگ اور شرلاک ہومز، پیٹریان اور رپی لانگ اسٹاکنگ۔ بونا ریڈ رائیڈنگ ہڈ اور سنڈریلا۔ اور بے شمار ایسے معروف و مقبول ایسے تھے جن کے نام سوفی کو یاد نہیں آ رہے تھے۔ ان لوگوں کے درمیان چڑیلیں، جن بھوت اور بہت سی عفریتیں موجود تھیں۔ سوفی کو ایک گیت کا شور بھی سنائی دیا۔

''یہ شور کیسا ہے؟'' البرٹو پریشان ہو گیا۔

''آج موسم بہار کا جشن ہے نا'' بوڑھی خاتون نے بتایا۔ والبورگ کی تقریب کے بعد ہمیں یہی ایک موقع میسر آیا ہے جب ہم خوب کھیل کود سکیں۔ میں جرمنی سے یہاں آئی ہوں۔ ایک مختصر وقت کے لیے۔ کیا تمہیں کافی کی طلب محسوس ہو رہی ہے؟''

''ہاں ہاں۔ آپ نے اچھا یاد دلایا۔''

ابھی تک سوفی نے اس بات پر غور نہیں کیا تھا کہ تمام عمارتیں، ادرک، قوام اور برف ملی چینی سے بنی ہوئی تھیں۔ جس آدمی کا جہاں سے جی چاہتا، ٹکڑا کاٹ کر کھانا شروع ہو جاتا۔ نانبائی مسالہ

Marfat.com

لیے ہر دم تیار رہتے اور جہاں کہیں کوئی ٹوٹ پھوٹ ہوتی، فوراً مرمت کر دیتے۔ سوفی نے ایک کونا توڑ کر اس کے مزے لیے۔ یہ ایسی مزیدار چیز تھی جو اس نے زندگی میں کبھی نہیں کھائی تھی۔

اس دوران خاتون کافی کا کپ لے آئیں۔

''بہت بہت شکریہ معزز خاتون! البرٹو نے شکریہ ادا کیا۔

''اس کافی کا معاوضہ کیسے ادا کرو گے؟'' خاتون نے پوچھا۔

''آپ جس طرح کہیں، میں حاضر ہوں۔'' البرٹو نے حواس باختہ ہو کر کہا۔

''ہم معاوضہ لیتے نہیں بلکہ دیتے ہیں۔ اس کافی کا معاوضہ ایک بوڑھی بیوی کی کہانی ہوگی۔''

''مگر اس وقت ہم ذرا جلدی میں ہیں۔ واپس آ کر یہ کہانی سن لیں گے،'' البرٹو نے درخواست کی۔

بوڑی عورت نے یہ درخواست منظور کر لی اور پوچھا ''مگر تم کو جلدی کس بات کی ہے؟

البرٹو نے بتایا کہ اسے ایک پیغام لیے کر جانا ہے اور جلد از جلد اس شخص کو پہنچانا ہے۔ دونوں جلدی جلدی سنڈریلا کیفے آئے۔ انہوں نے اپنی سرخ کنور ٹیبل اٹھائی اور مختصر ترین راستہ اختیار کرتے ہوئے للی سینڈ پہنچ گئے۔

فلائیٹ نمبر ایس کے آٹھ سو چھہتر SK-876 نے کوپن ہیگن کا ایئرپورٹ چھوڑا اور رات نو بج کر پینتس منٹ پر کیوک ایئرپورٹ پر اتر گئی۔ جب جہاز کوپن ہیگن ائرپورٹ پر ٹیکسی کر رہا تھا تو میجر نے وہ لفافہ کھولا جو اسے چیک ان ڈیسک سے موصول ہوا تھا۔ لکھا تھا۔

میجر کانگ کیلئے۔ 1990ء کے موسم بہار کے موقع پر۔

ڈیئر ڈیڈ! آپ سوچ رہے ہوں گے کہ میں کوپن ہیگن ایئرپورٹ پر آپ کو لینے آؤں گی۔ مگر میں آپ کی توقعات پر پوری نہیں اتری۔ شاید آپ یہ نہ جانتے ہوں کہ آپ کی تمام حرکات پر میری پوری نظر ہے۔ آپ کی شکل ہر دم میری نظروں کے سامنے ہے۔ پیارے ڈیڈ! یہ حقیقت ہے۔ مجھے ایک خانہ بدوش خاندان سے ملاقات کا موقع ملا جس نے کئی سال قبل چاندی کا جادوئی آئینہ میری دادی کو فروخت کیا تھا۔ مجھے ایک بلوری گیند بھی ملی جس میں پوری دنیا دیکھی جا سکتی ہے۔ اس وقت میں آپ کو اپنی نشست پر بیٹھا ہوا دیکھ رہی ہوں۔ گھر پہنچ کر آپ کو آرام کی ضرورت محسوس ہوگی۔ للی سینڈ کا موسم بے حد خوشگوار ہے اور درجہ حرارت لبنان

Marfat.com

سے تھوڑا سا کم ہے۔آپ کو یہ سر مبارک ہو۔

بہت پیار کے ساتھ۔

آپ کی اپنی جادوگر بیٹی۔شیشے کی ملکہ اور تمام ستم ظریفوں سے محفوظ۔

البرٹ صدمے سے پاگل ہوگیا۔اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ روئے یا ہنسے۔اور پھر اچانک اس پر ہنسنے کا دورہ پڑ گیا۔اس کے ہمسفر حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔اور پھر جہاز ہوا میں بلند ہوگیا۔اس نے ان تمام باتوں پر ہو بہو عمل کیا جن کی ہدایت ہلڈی نے دی تھی۔کیوک ائرپورٹ پر ہلڈی کی عمر کی ساتھ آٹھ لڑکیاں اس کے استقبال کے لیے موجود تھیں۔ان کے ہاتھوں میں ایک پلے کارڈ تھا۔خوش آمدید ڈیڈ!

ہلڈی باغ میں انتظار کررہی ہے، جہاں ابدی زندگی پانے والے رہتے ہیں۔

البرٹ کو اپنے سامان کا انتظار کرنا تھا۔ہلڈی کی سہیلیاں مستقل اسے متوجہ کررہی تھیں کہ وہ پلے کارڈ پر لکھے ہوئے مضمون کو دیکھتا رہے۔ذرا دیر بعد ایک لڑکی آگے بڑھی اور ایک گلدستہ پیش کیا۔اس نے شاپنگ بیگ سے چند پھول نکالے اور ہر لڑکی کو ایک ایک ڈنڈی تھما دی۔ہلڈی کے لیے اب صرف دو ڈنڈیاں بچی تھیں۔ابھی اس نے اپنا سامان وصول کیا ہی تھا کہ ایک نوجوان آگے بڑھا۔اس نے بتایا کہ وہ آئینے کی ملکہ کے زیر اثر ہے اور اسے حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس گاڑی پر جرکیلی لے جائے۔لڑکیاں مجمع میں غائب ہوگئیں۔

گاڑی جہاں جہاں سے گزر رہی تھی وہاں وہاں جھنڈے لگے ہوئے تھے جن پر لکھا ہوا تھا۔"گھر آنا مبارک ہو۔کھانا تیار ہے۔میں آپ کو بڑی اچھی طرح دیکھ رہی ہوں ڈیڈ!"

جب وہ جرکیلی کے دروازے پر اترا تو البرٹ کا تنگ نے سکون کا سانس لیا۔اس کی بیوی گھر کے باہر اس کا انتظار کررہی تھی۔گلے مل کر خیر خیریت پوچھی گئی اور پھر البرٹ نے اپنی بیٹی کے بارے میں پوچھا۔

ڈیئر البرٹ! وہ تو گھاٹ پر بیٹھی ہوئی ہے۔"

البرٹو اور سوفی نے اپنی سرخ کنور ٹیبل لٹی سینڈ میں ہوٹل نارج کے باہر کھڑی کردی۔اس وقت سوا دس بج رہے تھے۔مجمع الجزائر کے باہر انہیں ایک بہت بڑا سا جھنڈا نظر آیا۔

"جرکیلی پہنچ کر کیسا محسوس کررہے ہو؟" سوفی نے پوچھا۔

"تمہیں میجر کے کیبن کی تصویر یاد ہے؟ ہمیں ابھی انتظار کرنا ہوگا۔" البرٹو نے جواب دیا۔

Marfat.com

''مگر ہم جلدی میں ہیں۔ ہمیں اس کی آمد سے قبل وہاں پہنچنا ہے۔''

وہ چھوٹی موٹی سڑکوں پر اپنی گاڑی دوڑاتے رہے۔ اچانک سوفی چلائی۔ ''وہ دیکھو۔ آخر کار ہم نے اس کو ڈھونڈ نکالا۔''

''ہاں تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ مگر اس قدر چلانے کی ضرورت نہیں ہے''۔

''کیوں نہ چلاؤں۔ یہاں کون سن رہا ہے۔''

''مائی ڈیئر سوفی! فلسفے کے اس قدر اسباق پڑھ لینے کے باوجود تمہارے اندر صبر کی قوت پیدا نہیں ہوئی ہے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ یہ جگہ بھوتوں، چڑیلوں اور ماورائی مخلوقات سے بھری پڑی ہیں!''

''میں معافی چاہتی ہوں''۔

وہ کار پر سوار گھر کے اندر داخل ہو گئے۔ البرٹو نے کار لان میں پارک کر دی۔ ذرا آگے ایک میز تین آدمیوں کے لیے سجا دی گئی تھی۔

''میں اس کو دیکھ رہی ہوں۔'' سوفی نے سرگوشی کی۔ ''وہ گھاٹ پر اسی طرح بیٹھی ہے جیسا کہ میں نے اسے خواب میں دیکھا تھا۔''

''کیا تم نے یہ اندازہ نہیں لگایا کہ یہ باغ تمہارے کلور کلوز کے باغ سے کتنا ملتا جلتا ہے؟'' البرٹو نے پوچھا۔

''ہاں واقعی! کیا میں باہر نکل کر ہلڈی کے پاس چلی جاؤں؟''

''ضرور ضرور۔ میں یہاں تمہارا انتظار کروں گا۔''

سوفی گھاٹ کی طرف دوڑ پڑی۔ وہ اتنی تیزی سے چل رہی تھی کہ ہلڈی کے اوپر گر پڑی۔ مگر ہلڈی ذرا بھی نہیں چونکی۔ وہ اسی طرح پانی کی لہروں کے ساتھ کھیلتی رہی۔ اس کے بائیں ہاتھ میں ایک کاغذ دبا ہوا تھا جو اس نے سوفی کو پکڑا دیا۔

سوفی نے اس سے بات کرنے کی کوشش کی۔ ''ہلڈی! میں سوفی ہوں''

ہلڈی نے سنی ان سنی کر دی۔

سوفی اس کے قدموں میں بیٹھ گئی اور چلا کر کہا۔ ''ہلڈی! میری بات کا جواب دو۔ کیا تم واقعی اندھی اور بہری ہو؟''

ایک ہلکی سی جنبش اس کی آنکھوں میں پیدا ہوئی لیکن تاثر یہی تھا کہ وہ سوفی کی طرف متوجہ

Marfat.com

نہیں ہے۔اوراچانک سوفی نے ایک آوازسنی۔''ہلڈی!'' یہ میجر کی آوازتھی۔ہلڈی یکدم کھڑی ہوگئی اوراس کی طرف دوڑی۔اس نے ہلڈی کواوپراٹھالیااورکئی چکرلگاڈالے۔

ہلڈی گھاٹ پر بیٹھ کراپنے باپ کا انتظار کررہی تھی۔کاسٹرپ ائیرپورٹ پراترنے کے بعد سے ہی وہ ہر پندرہ منٹ بعد یہ اندازہ لگانے کی کوشش کررہی تھی کہ اس وقت اس کا باپ کہاں ہےاورکیا کررہا ہے۔اس نے تمام باتوں کوایک کاغذ پرنوٹ کرلیا تھااورتمام کاغذات بڑی حفاظت سے رکھتی رہی۔

البرٹ کو یہ اندازہ نہیں کہ وہ ایک اس قدر پراسرار کتاب لکھ سکے گااوراس کے بعد تمام معاملات حسب معمول رخ اختیارکرلیں گے۔

اس نے اپنی گھڑی دیکھی۔ابھی سوادس بج رہے تھےاوروہ کسی بھی لمحے پہنچنے والا تھا۔مگر یہ کیا؟اس کے کانوں میں نہایت مدھم سانسوں کی آوازآرہی تھی جیسے وہ سوفی کے بارے میں کوئی خواب دیکھ رہی ہو۔اس نے اپنی نظریں گھمائیں۔کوئی وہاں موجودتھا،مگرکون؟شاید یہ صرف ایک وہم تھا۔چندلمحوں بعداس نے کچھ سنا۔''ہلڈی!''

اس نے مڑکردیکھا۔اس کا باپ باغ کے کنارے پرکھڑااسے آوازدے رہا تھا۔ہلڈی نے ایک چھلانگ لگائی اورتیزی سے اس کی طرف دوڑی۔اس نے ہلڈی کواچک لیااورہوامیں گردشیں دے ڈالیں۔خوشی کے مارے ہلڈی کے حلق سے چیخیں نکل رہی تھیں اوردونوں پر شادیٔ مرگ کی سی کیفیت طاری تھی۔

''ہلڈی!اب تم جوان ہوگئی ہو۔''البرٹ نے بتصرہ کیا۔

''اورآپ ایک اعلیٰ درجے کے مصنف۔''ہلڈی نے بھی تعریف کی۔

''ہم دونوں میں ایک جیسی خوبیاں ہیں۔''

وہ میز کے گردبیٹھ گئے۔سب سے پہلے ہلڈی نے وہ تمام باتیں دہرائیں جوکاسٹرپ ائیرپورٹ پرپیش آئے تھےاوراس کے بعدگھرپر۔دونوں مستقل قہقہے لگاتے رہے۔

''کیاآپ نے وہ لفافہ کیفے ٹیریامیں دیکھا تھا؟''

''مجھے تو کہیں رک کرکھانے پینے کا موقع ہی نہیں ملا۔تم نے مجھے اس قدرخوفزدہ کردیا تھا کہ میں پریشان ہی رہا۔''

Marfat.com

''لڑکی والی بات بھی غلط تھی۔ بہرحال تمام تیاری مکمل ہے اور ماں آپ کی ضیافت کا انتظام کررہی ہے۔''

اس کے بعد رنگ بائنڈر، سوفی اور البرٹو کا معاملہ زیر بحث آیا۔

ماں نے ٹرکی سلاد اور ہلڈی کی بنائی ہوئی روٹی سامنے لاکر رکھ دی۔ البرٹ ابھی افلاطون کے بارے میں کچھ بتا ہی رہا تھا کہ ہلڈی نے منہ پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

''کوئی شخص چیخ چیخ کر بول رہا ہے۔''

''مجھے تو کچھ سنائی نہیں دے رہا ہے۔'' البرٹ نے حیرت سے کہا۔

''مگر مجھے تو آواز آرہی ہے۔ شاید کوئی کھیت میں رہنے والا چوہا بول رہا ہے۔

''آج رات میں تمہیں کائنات کے بارے میں کچھ بتاؤں گا۔'' قبل اس کے کہ کھانا شروع کیا جاتا، اس نے اپنی بیوی سے کہا۔ ''ہلڈی تو بہت بڑی ہوگئی ہے، مگر تم ویسی کی ویسی ہی ہو۔''

جب ہلڈی نے اپنے باپ کی جانب چھلانگ لگائی، سوفی کو اپنے آنسو پر قابو پانا مشکل ہوگیا اسے یہ خیال پریشان کرنے لگا کہ وہ اب اس تک نہیں پہنچ پائے گی۔

سوفی کو ہلڈی سے دلی ہمدردی تھی کیونکہ وہ اس کی ہمزاد تھی اور شاید وہ دونوں ایک ہی گوشت سے پیدا کی گئی تھیں۔

جب ہلڈی اور میجر ایک میز کے گرد بیٹھ گئے، البرٹو نے کاری کا ہارن بجادیا۔ سوفی نے اس کی جانب دیکھا مگر ہلڈی ایسا نہ کرسکی۔ اس نے ایک چھلانگ لگائی اور البرٹو کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

''ہم دونوں یہاں بیٹھ کر دیکھتے ہیں کہ اب آگے کیا ہونے والا ہے۔''

البرٹو نے کہا۔ ''کیا تم روتی رہی ہو؟''

سوفی نے گردن ہلادی۔

''مگر کیوں؟'' البرٹو نے پوچھا۔

وہ بڑی خوش قسمت لڑکی ہے۔ چند دنوں میں وہ پوری عورت بن جائے گی اور ہوسکتا ہے کہ وہ ماں بھی بن جائے.....''

''بلکہ نانی دادی بھی۔ سوفی! مگر دو باتیں اور بھی ممکن ہیں۔ یہی میں تمہیں سمجھانا چاہ رہا ہوں۔ وہ خوش قسمت ہے۔ یہ میں تسلیم کرتا ہوں۔ لیکن جو زندگی سے لطف اندوز ہوتا ہے، اسے

Marfat.com

ایک نہ ایک دن موت کا ذائقہ بھی چکھنا ہوتا ہے۔زندگی کا انجام بالآخر یہی ہے۔"

"مگر پھر بھی کچھ عرصے کے لیے زندہ رہنا ہی کافی ہے۔"

"ہلڈی کی طرح جینا بھی کوئی زندگی ہے؟ اور اسی طرح میجر کی زندگی بھی کوئی زندگی ہے؟ دوسری طرف فرض کرلو، ہماری زندگی امر ہو جائے۔ کیا تمہیں وہ بوڑھی عورت یاد نہیں ہے جو ہمیں جنگل میں ملی تھی؟ ہم لوگ اب دکھائی نہیں دے رہے ہیں۔ جیسا کہ اس نے بتایا، اس کی عمر دوسو سال تھی اور وہاں موسم بہار کی تقریب میں چند ایسے جانور اور نفوس بھی تھے جن کی عمریں ہزار سال سے بھی زیادہ تھی۔ البرٹو بولتا چلا جا رہا تھا۔

"کیا ہلڈی اور اس کے خاندان کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے؟" سوفی خوفزدہ ہوگئی۔

"ہوسکتا ہے۔ مگر تم ابھی اس دنیا میں موجود ہو۔ ایک بلی، دو چڑیائیں اور ایک کچھوا تم پال رہی ہو اور جن سے تمہیں بے حد پیار ہے۔"

"مگر اب ہم ان سے جدا ہو چکے ہیں۔" سوفی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہاں، یہ سب کچھ تو ہے، مگر اب ہمیں صرف میجر کو دیکھنا ہے۔ اس نے اپنی کتاب میں کہانی کا انجام لکھ دیا ہے اور اب وہ ہمیں کبھی نہیں دیکھ سکے گا۔ البرٹو نے سوفی کو قائل کرنے کی کوشش کی۔

"گویا کہ اب ہم کبھی اپنی دنیا میں واپس نہیں جا پائیں گے؟"

"نہیں، ایسا نہیں ہے۔ ہم جب چاہیں واپس جا سکتے ہیں۔ مگر فی الحال ہم سنڈریلا کے کیفے کے پیچھے کچھ نئے دوست بنانے جا رہے ہیں۔ البرٹو نے سوفی کو شش و پنج میں مبتلا کر کے رکھ دیا۔

کانگ خاندان کے افراد نے اپنا کھانا پینا شروع کر دیا۔ ایک لمحے کیلئے سوفی کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ کہیں یہ سب بھی گارڈن پارٹی کی طرح نظروں کا دھوکا نہ ہو۔ ایک بار تو اسے ایسا محسوس ہوا کہ میجر میرٹ کے قریب لیٹا ہوا ہے، اور پھر وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

البرٹو کی کار ان لوگوں سے کچھ دور پارک کی گئی تھی۔ چنانچہ ان کی گفتگو کا تھوڑا سا حصہ ہی کبھی کبھار سنائی دے جاتا۔ سوفی اور البرٹو کی نگاہیں باغ پر جمی ہوئی تھیں اور ان کے پاس کافی وقت تھا کہ گارڈن پارٹی کے موضوع پر دل کھول کر گفتگو کر سکیں۔

وہ خاندان نصف شب تک وہیں بیٹھ کر گفتگو کرتا رہا۔ ہلڈی اور میجر ایک جھولے پر بیٹھ گئے اور ہلڈی نے میرٹ کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے کمرے میں جا کر سو جائے۔

Marfat.com

ستاروں کی دھول

ہلڈی نے اپنے باپ کے ساتھ جھولے پر اپنی نشست جمالی۔ نصف شب گزر چکی تھی۔ دونوں کی نگاہیں گھاٹ پر جمی ہوئی تھیں۔ ستاروں کی روشنی مدھم پڑ چکی تھی۔ گھاٹ پر ہوائیں پتھروں کو اِدھر اُدھر لڑھکاتی پھر رہی تھیں۔

بالآخر خاموشی ختم ہوئی اور ہلڈی کے باپ نے کہا۔ ''یہ حیرت انگیز بات ہے کہ ہم اپنی زندگی کائنات کے چھوٹے سے سیارے پر گزار رہے ہیں۔''

''ہاں۔ اب ایسا ہی کچھ ہے۔'' ہلڈی نے دھیرے سے جواب دیا۔

''صرف زمین ہی اجرام فلکی کے مدار میں ہے، چنانچہ صرف زمین ہی وہ سیارہ ہے جہاں زندگی موجود ہے۔'' میجر کہہ رہا تھا۔

''شاید ایسا ہی ہو، مگر یہ بھی ممکن ہے کہ کائنات کے کچھ اور بھی حصے زندگی کی نعمت سے معمور ہوں۔ کائنات نہایت وسیع ہے اور ہم اس میں وقت اور فاصلے کا تعین نہیں کر سکتے۔ ہلڈی نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

''ایک جھلک ہزاروں مناظر دکھا جاتی ہے۔ خلاء میں سفر کا فاصلہ ایک سیکنڈ میں ہزاروں میل طے کر جاتا ہے۔ گویا کہ سفر کا ایک لمحہ اٹھارہ ملین کلومیٹر بن جاتا ہے اور ایک سال دس ٹریلین کلومیٹر۔''

''سورج زمین سے کتنی دور ہے؟''

''یہ ہم سے آٹھ منٹ کے فاصلے پر ہے۔ اس کی شعاعیں آٹھ منٹ تک کائنات کا سفر طے کر کے ہم تک پہنچتی ہیں۔ اور عطارد ہمارے شمسی نظام سے سب سے زیادہ فاصلے پر ہے۔ یہ فاصلہ پانچ گھنٹے کی مسافت پر ہے۔ ایک ستارہ شناس جب اپنے علم کی روشنی میں عطارد کا

Marfat.com

مطالعہ کرتا ہے تو گویا وہ وقت کو پانچ سو سال پیچھے کی طرف دیکھ رہا ہے۔"

"یہ باتیں سوچنا بھی ایک بہت بڑا کام ہے، مگر میں کچھ کچھ سمجھ رہی ہوں۔" ہلڈی نے اعتراف کیا۔

"یہ بڑی اچھی بات ہے ہلڈی! لیکن زمین پر ہم صرف مشرق کی طرف سفر کرتے ہیں۔ ہمارا سورج عرش کے چار سو بلین ستاروں میں سے ایک ہے۔ یہ کہکشاں بھی ہر طرف پھیلی ہوئی ہے اور ہمارے سورج کی حیثیت اس میں کوئی قابل قدر حیثیت نہیں رکھتی۔ اگر ہم آسمان کی طرف نظر ڈالیں تو ہمیں ستاروں کا ایک جھرمٹ نظر آئے گا۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ہم گویا دودھ کی نہر کو بالکل عروج پر دیکھ رہے ہیں۔" میجر کی بات جاری تھی۔

"شاید یہ سفر بھی چار آسمانی سالوں پر محیط ہے۔ اگر تم یہ بات اپنی نظر میں لاسکو کہ اس وقت بھی علم نجوم کا کوئی ماہر جرکیلی کے اوپر بیٹھ کر ہم پر نظریں گاڑے ہوئے ہے۔ ممکن ہے وہ اس وقت کسی گیارہ سالہ لڑکی کو دیکھ رہا ہو جو پانی میں اپنے پاؤں ڈالے بیٹھی ہو۔"

"مگر یہ باتیں میرے چھوٹے سے ذہن میں نہیں سما رہی ہیں۔" ہلڈی نے الجھتے ہوئے کہا۔

"اگر ہم خلا میں نظر ڈالیں تو ہم وقت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ مگر یہ کبھی نہیں جان سکیں گے کہ دنیا کس قدر بدل گئی ہے۔ بس ہم یہی سوچ سکتے ہیں کہ اب کیسا لگ رہا ہے۔ ہم ابھی تک خلاء کے کئی ہزارویں سال سے دور ہیں اور تاریخ میں سفر کرتے چلے جا رہے ہیں۔ ہم نے اب تک صرف اپنی کہکشاں کے بارے میں بات کی ہے۔ مگر ستارہ شناس کہتے ہیں کہ کائنات میں ہزاروں بلین کہکشائیں موجود ہیں اور ہر کہکشاں ہزاروں ستاروں پر مشتمل ہے۔

جو کہکشاں ہم اپنی دنیا سے دیکھ رہے ہیں، وہ بھی آسمانی سال کے دس بلین سال کے برابر ہے۔ جب ان ستاروں کی روشنی جگمگاتی ہے تو ہم کائنات کی تاریخ کا دس ہزار سال پیچھے کا سفر طے کر لیتے ہیں۔ یہ بات بالکل عیاں ہے کہ کوئی کہکشاں خلا میں اپنی جگہ پر قائم نہیں رہتا۔ یہاں تک کہ کائنات کی تمام کہکشائیں انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ ایک دوسرے کے آس پاس سے گزرتی چلی جا رہی ہیں۔ ہمارے پلک جھپکنے سے بھی زیادہ تیزی سے ان کا سفر جاری ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کہکشاؤں کا فاصلہ مسلسل دور دور ہوتا جا رہا ہے۔ اگر تم ایک بیلون پر

Marfat.com

کالے کالے دھبے ڈال دو اور اس بیلون کو ہوا میں اڑا دو تو تم دیکھو گی کہ ہر دھبہ ایک دوسرے سے زیادہ فاصلہ اختیار کرتا چلا جا رہا ہے۔ کائنات کی کہکشاؤں میں بھی یہی کچھ ہوتا جا رہا ہے۔ اس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ کائنات پھیلتی جا رہی ہے۔"

"مگر ایسا کیوں ہوتا ہے؟" ہلڈی نے معصومیت سے پوچھا۔

"بیشتر نجومیوں کا خیال ہے کہ کائنات کا یہ پھیلاؤ ایک ہی وجہ کی بنا پر ہے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ تقریباً پندرہ بلین سال قبل کائنات کے تمام شرارے ایک بے حد قلیل رقبے میں محیط تھے۔ اس قربت کی وجہ سے ان میں شدید حرارت پیدا ہو گئی۔ بالآخر ایک وقت ایسا آیا کہ انہیں دور دور ہو جانا پڑا۔ ہم اس کو ایک عظیم حادثہ کہہ سکتے ہیں۔"

"مگر آپ نے کہا کہ کائنات آج بھی پھیلتی چلی جا رہی ہے؟"

"ہاں، یہ درست ہے۔ کائنات کسی جغرافیائی حدود کی پابند نہیں ہے۔ یہ جب اور جہاں چاہے، بارود کی طرح پھٹ سکتی ہے۔ تم یہ بھی فرض کر سکتی ہو کہ دو طاقتیں اپنے اپنے محور پر رواں دواں ہیں۔ البرٹو نے سوفی کو یہ بات بتائی۔"

"کیا یہ طاقتیں ارضی کشش اور خلائی کشش سے تعلق رکھتی ہیں؟" ہلڈی نے پوچھا۔

"بالکل صحیح اور یہی نظریہ کائنات کی کہکشاؤں پر بھی لاگو ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ کائنات کا پھیلاؤ جاری ہے۔ مگر کشش ارضی اپنا کام کر رہی ہے۔ اور ایک دن یہ کشش ارضی تمام کائنات کو ایک دوسرے کے قریب لے آئے گی۔"

ہلڈی نے ایک تالی سی بجائی اور اپنے باپ کی پیشانی پر ہاتھ مارا۔

"یہ کیا کر رہی ہو؟" میجر نے پوچھا۔

"ایک بڑی سی مکھی آپ کے سر پر منڈلا رہی تھی۔"

"شاید سقراط تمہیں زندگی کی دوڑ میں واپس لانا چاہتا ہے۔" میجر نے اندازہ لگایا۔

سوفی اور البرٹو اپنی سرخ کنور ٹیبل میں بیٹھے ہلڈی اور میجر کی باتیں سن رہے تھے۔

"کیا تم نے سوچا کہ ہمارا کردار مکمل طور پر بدل گیا ہے؟" البرٹو نے پوچھا۔

"کن معنوں میں؟" سوفی نے نظریں اوپر اٹھائیں۔

"پہلے وہ ہماری گفتگو سنا کرتے تھے اور ہم انہیں دیکھ بھی نہیں سکتے تھے۔ اب ہم ان کی

Marfat.com

تمام باتیں سن رہے ہیں اور وہ ہمیں نہیں دیکھ سکتے۔'' البرٹو نے کہا۔

''اور ابھی تو اور بھی باقی ہے۔ جب ہم سفر پر روانہ ہوئے تو ہمیں یہ معلوم نہیں تھا کہ ہلڈی اور میجر ہماری راہ میں مزاحم نہ ہو سکیں گے اب انہیں ہمارے بارے میں کوئی خبر نہیں ہے۔'' سوفی نے کہا۔

''مگر میجر اب بھی دخل اندازی کر سکتا ہے۔ اور میں بھی اس خوش فہمی میں نہیں ہوں کہ میں ان کی دنیا میں دخل انداز ہو سکوں۔''

سوفی نے اچانک ایک آلہ اٹھایا اور کار سے باہر نکل گئی۔ وہ ہلڈی اور اس کے باپ کے ٹھیک سامنے آ کھڑی ہوئی۔ مگر بے فائدہ۔ بالآخر اس نے وہ آلہ ہلڈی کے سر پر دے مارا۔ ہلڈی تھوک نگل کر رہ گئی۔

اور تب سوفی نے وہ آلہ میجر کی پیشانی پر مارا مگر اس کے انداز میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔

''یہ کیا ہوا تھا؟'' میجر نے ہلڈی سے پوچھا۔

''شاید کسی مکھی نے حملہ کیا تھا۔'' ہلڈی بولی۔

''ہو سکتا ہے سقراط تمہاری زندگی میں کوئی ہلچل مچانا چاہتا ہو۔'' میجر نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

سوفی نے زمین پر بیٹھ کر جھولے کو دھکا دینے کی کوشش کی لیکن جھولے کو وہ ایک انچ بھی نہ ہلا سکی۔

''بہت تیز سرد ہوا چل رہی ہے۔'' ہلڈی نے ارشاد کیا۔ ''مگر مجھے تو ایسا لگ رہا ہے جیسے گرداڑ رہی ہو۔'' میجر بول اٹھا۔

''مگر ساتھ ہی ساتھ کچھ اور بھی معاملہ معلوم ہوتا ہے۔''

''بس ہم دونوں یہاں تنہا ہیں اور سردیوں کی ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے۔''

''مگر ہوا میں کچھ خاص بات ہے۔''

''وہ کیا ہو سکتی ہے۔''

''شاید آپ کو البرٹو اور اس کے خفیہ منصوبے کا کچھ علم ہوگا۔''

''ہاں ہاں۔ یقیناً۔ یہ بات میں بھلا کیسے بھول سکتا ہوں۔

Marfat.com

''وہ بڑے عجیب طریقے سے گارڈن پارٹی سے فرار ہو گئے تھے۔فرض کر لیجئے کہ وہ یہاں آئے ہوئے ہوں؟ ہلڈی نے خیال ظاہر کیا۔

''ہاں مجھے کچھ ایسا ہی لگ رہا ہے۔'' میجر کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

''وہ گارڈن پارٹی سے یوں غائب ہو گئے جیسے اچانک ہوا میں تحلیل ہو گئے ہوں۔''

''بالآخر کہانی کو کہیں نہ کہیں تو ختم ہونا ہی تھا۔لہٰذا میں نے جس طرح مناسب سمجھا، اس کا انجام لکھ دیا۔'' میجر نے سمجھایا۔

''ہاں، یہ تو ٹھیک ہے۔مگر یہ تجسس تو برقرار ہے کہ اس کے بعد کیا ہوا۔فرض کر لیجئے، وہ یہاں بھی آ گئے ہوں؟'' ہلڈی نے بات آگے بڑھائی۔

''کیا تم اس بات پر اعتقاد رکھتی ہو؟''

''ہاں ڈیڈ! مجھے کچھ کچھ ایسا لگ رہا ہے۔''

سوفی دوڑ کر اپنی کار کے پاس جا کھڑی ہوئی۔

''بہت ہی پر اثر اور دل نشین۔'' البرٹو نے اس کو پریشان دیکھ کر تبصرہ کیا۔''تمہارے اندر غیر معمولی صلاحیتیں پوشیدہ ہیں۔تھوڑا سا انتظار کرو اور دیکھو کہ آگے کیا ہوتا ہے۔''

میجر نے ہلڈی کے گرد اپنی بانہیں حمائل کر دیں۔''کیا تم ہواؤں کی پراسرار سرگوشی سن رہی ہو؟۔

''ہاں۔کل ہم اپنی کشتی میں واپس چلے جائیں گے۔''

''مگر وہ پراسرار سرگوشی کیا کہہ رہی ہے۔ ذرا دیکھو! بید مجنوں کے درخت کس طرح لرز رہے ہیں۔''

''مگر آپ ہی نے تو بتایا ہے کہ وہ پودے زندہ ہیں۔'' ہلڈی نے کہا۔

''قدرت کی بہت سی باتیں ایک چیستان ہیں۔ہم کچھ ستاروں کی باتیں کر رہے تھے۔''

''جلد ہی یہ ستارے پانی میں اتر آئیں گے۔''

''ٹھیک کہتی ہو۔تم بچپن میں بھی دور اندیشی کی باتیں کیا کرتی تھیں۔تمہاری باتیں لوگوں کو متاثر کرتی تھیں۔ یہ ستارے بھی ہماری قسمت پر اثر انداز ہوتے ہیں۔جب ریڈیو کی دور بین لہریں ہزاروں میل دور کی تصویریں اتار سکتی ہیں تو گویا وہ کائنات کی تمام تشریح ہمارے

Marfat.com

سامنے پیش کرسکتی ہیں، خواہ ہزاروں لاکھوں سال پرانی ہوں۔ اسی لیے نجومی ہمارے ماضی کا تجزیہ کرکے ہمارے سامنے رکھ دیتے ہیں۔"

ہلڈی حیرت زدہ ہوکر اپنے والد کی باتیں سنتی رہی۔

میجر کہہ رہا تھا۔ "اگر رات بالکل صاف شفاف ہو تو ہم کائنات کے لاکھوں کروڑوں سال کے ماضی کو کھنگال سکتے ہیں۔ بالکل اس طرح کہ جیسے یہ ہمارے گھر کی بات ہو۔ کائنات کی تمام کہکشائیں ایک جیسی ہی جوہر رکھتی ہیں۔ ان کو ظہور میں آنے میں کئی خلائی سالوں کا وقفہ ہوسکتا ہے، لیکن ان کا اصلی مادہ ایک ہی ہے۔ یہ سب ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن زمینی حقائق کیا ہیں۔ مگر لاکھوں کروڑوں سال قبل جو دھماکہ ہوا تھا، وہ کیا تھا اور کہاں سے پیدا ہوا تھا؟"

"یہ تو بہت ہی پیچیدہ سوال ہے۔" ہلڈی کے منہ سے اچانک نکلا۔

"لیکن اس سوال کا بھی جواب تلاش کرنا ہے جو ہم سے متعلق ہے۔ ہمارا جوہر کہاں ہے۔ شاید ہم بھی اسی شعلے کی ایک چنگاری ہیں جو لاکھوں سال قبل بھڑکائی گئی تھی۔"

"ہاں یہ ایک اچھا خیال ہے۔"

سوفی یکلخت اپنی سرخ کنور ٹیبل میں کھڑی ہوگئی اور گھاٹ کی جانب اشارہ کرنے لگی۔

"میرا دل ذرا کشتی چلانے کو چاہ رہا ہے۔"

"وہ اپنی جگہ پر سختی سے بندھی ہوئی ہے۔ ہم وہ چپو بھی نہیں ہلا سکتے۔" البرٹو نے بتایا۔

"کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے۔ ممکن ہے موسم بہار کی تقریب کی وجہ سے آج یہ کھل گئی ہو۔"

"ٹھیک ہے۔ آؤ! دیکھتے ہیں۔" البرٹو اس کی ضد دیکھ کر خاموش ہوگیا۔

انہوں نے کار سے ایک چھلانگ لگائی اور گارڈن کی طرف دوڑ پڑے۔ انہوں نے رسی کھولنے کی بے حد کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوسکے۔

"یہ زمین کے اندر تک دھنسی ہوئی ہے۔ البرٹو نے اندازہ لگایا۔

"مگر ہمارے پاس وقت ہی وقت ہے۔ ایک سچا فلسفی کبھی ہتھیار نہیں ڈالتا ہے۔ اس کو نکالنے کی کوشش کرتے ہیں"۔

Marfat.com

''اب بہت سارے ستارے اور نظر آنے لگے ہیں''۔ ہلڈی نے کہا۔

''ہاں۔ گرمیوں کی اندھیری رات میں یہ زیادہ چمکتے ہیں۔''

''میرے خیال میں تو سردیوں میں زیادہ ابھر کر سامنے آجاتے ہیں۔ کیا آپ کو یاد نہیں ہے کہ جب آپ لبنان جارہے تھے تو نئے سال کا دن تھا؟'' ہلڈی نے یاد دلایا۔

''اسی بات نے تو مجھے فلسفے کی کتاب لکھنے پر اکسایا تھا، تمہارے لیے۔ میں کرسٹین سینڈ کی ایک بہت بڑی لائبریری میں گیا۔ مگر ان کے پاس نوجوانوں کے لیے کوئی خاص کتاب نہیں تھی۔''

''آج تو ایسا لگ رہا ہے گویا ہم سفید خرگوش کی نرم بالوں کے اندر بیٹھے ہوئے ہیں۔ مگر یہ کشتی خود بخود کیوں چلنے لگی؟'' ہلڈی نے چونک کر پوچھا۔

''کیا واقعی؟'' میجر اچھل پڑا۔ ''میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آرہا ہے۔ تمہارے آنے سے قبل میں نے کشتی کو اچھی طرح چیک کرلیا تھا۔''

''مجھے کچھ کچھ یاد آرہا ہے کہ سوفی نے البرٹو کی کشتی ادھار لے لی تھی۔ اور بلا مقصد اِدھر اُدھر دوڑاتی پھر رہی تھی۔''

''لگتا ہے دوبارہ وہ اپنے کام پر لگ گئی ہے۔''

''آج کی رات ہی کچھ عجیب ہے۔ پتہ نہیں کیسے کیسے واقعات پیش آرہے ہیں۔''

''ہم میں سے کسی ایک کو جا کر اسے پکڑنا چاہیئے۔''

''آیئے! ہم دونوں چلتے ہیں ڈیڈ۔

ختم شد

Marfat.com

جوسٹین گارڈر 8 اگست 1952 کو اوسلو میں پیدا ہوئے۔ یہ ایک ناروے میں اسکول ٹیچر اور مصنف ہیں۔ انہوں نے فلسفہ کی تاریخ اور مذہب پر کتابیں لکھیں۔ ان کی کتاب "Sophie's World" 1911 میں شائع ہوئی جس نے دنیا بھر میں تہلکہ مچا دیا اور بے پناہ مقبولیت حاصل کی سوفی کی دنیا نے "International Best Seller" کا درجہ حاصل کیا۔ گارڈر نے اوسلو یونیورسٹی میں نظریات کی تاریخ، مذہب اور Nordic ادب کی تعلیم حاصل کی۔ 1976 میں گریجویشن کے بعد انہوں نے سیکنڈری اسکول میں فلسفہ اور مذہب کے استاد کے طور پر کام کیا۔ گارڈر نے بچوں کے لئے بھی کتابیں لکھیں ''سوفی کی دنیا'' ان کا فلسفیانہ ناول ہے اور دنیا کی تمام بڑی زبانوں میں اس کتاب کا ترجمہ ہو چکا ہے۔

ایم۔اسد

Jostein Gaarder